اسلام میں

حلال و حرام

اپنے اعمال اور عبادات کو حرام امور سے محفوظ کر کے
اللہ کریم کی رضا اور جنت کے حصول کا طریقہ کار

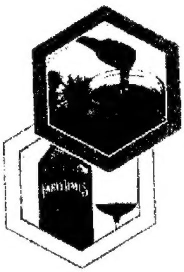


تالیف: علامہ یوسف القرضاوی

تعلیقات و حواشی: فضیلۃ الشیخ محمد ناصر الدین الالبانی — فضیلۃ الشیخ صالح ابن فوزان

توضیحات و نظر ثانی: ابو الحسن مبشر احمد ربانی — اعداد و اضافہ: محمد طاہر نقاش

دار الابلاغ
DARULIBLAGH



اسلام میں

حلال وحرام

DARULIBLAGH

کتاب وسنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ

حلال و حرام

تالیف .... علامہ یوسف القرضاوی

تعلیقات وحواشی: .... شیخ محمد ناصر الدین الالبانی

نظر ثانی: .... ابو الحسن مبشر احمد ربانی

ترجمہ .... شمس پیرزادہ

اشاعت اول .... مئی 2013

پاکستان میں ہماری کتب مندرجہ ذیل اداروں سے مل سکتی ہیں

لاہور ۔ دارالاندلس 37230549 ۔ دارالسلام شوروم 37232400 ۔ مکتبہ قدوسیہ 37230585 ۔ مکتبہ الحق 37237184 ۔ کتب سرائے 37320318 ۔
اسلامی اکیڈمی 37357587 ۔ نعمانی کتب خانہ 37321865 ۔ مکتبہ رحمانیہ 37224228 ۔ مکتبہ دارالہدی 37639557 ۔ البلاغ 35717842 ۔
البلاغ (شمس روڈ 042-35717842 گلبرگ 042-35717847 ماڈل ٹاؤن 042-35942733)

راولپنڈی ۔ تحریک طلبہ کشمیری بازار 5535166 ۔ دار القرآن اسلامی 0321-5218237 ۔ مکتبہ عائشہ 0321-5075075 ، 051-5551014 ۔

اسلام آباد ۔ اسلامی اکیڈمی 2281356 ۔ البلاغ 2251420 ۔ دارالسلام 0321-5370378 ۔ الہدیٰ پبلیکیشنز 051-4434815, 0321-8014008 ۔

کراچی ۔ فضلی سنز 32212991 ۔ مکتبہ دارالقرآن 021-32211998 ۔ علمی کتب خانہ اردو بازار 32628939 ۔

فیصل آباد ۔ مکتبہ اسلامیہ 631234 ۔ مکتبہ ... امین پور بازار 041-2629292, 0300-6628021

پشاور ۔ عرفانی کتب خانہ 214720 ۔ حیدر آباد ۔ مکتبہ ... 0333-7607764 ۔ واہ کینٹ البلاغ 051-4541148

سیالکوٹ ۔ مکتبہ رحمانیہ ... روڈ سیالکوٹ 052-4581951 مکتبہ القرآن 0332-8787866

دارالابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

رحمٰن مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

0300-4453358, 042-37361428

ضروری نوٹ: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور انسانی بساط وطاقت کے مطابق ہم نے اس کتاب کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ خاص طور پر عربی عبارات میں تصحیح اغلاط میں پوری طرح احتیاط کی ہے۔ لیکن پھر بھی بشری تقاضے کے تحت اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں۔ آئندہ ایڈیشن میں اس کا ازالہ کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ (ادارہ)

اسلام میں

حلال و حرام

اپنے اعمال اور عبادات کو حرام امور سے محفوظ کر کے
اللہ کریم کی رضا اور جنّت کے حصول کا طریقہ کار





DARULIBLAGH

تالیف، علامہ یوسف القرضاوی

تعلیقات وحواشی: شیخ محمد ناصر الدین الالبانی شیخ صالح ابن فوزان

توضیحات ونظر ثانی: ابو الحسن مبشر احمد ربانی ترجمہ، شمس پیرزادہ

تحقیقاتی کمیٹی

نصیر احمد کاشف مطیع اللہ الفردوس محمد طاہر نقاش

دار الابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور پاکستان
فون: 0300- 4453358

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ

کے نام سے شروع کرتا ہوں

جو بڑا ہی مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے

آئینہ

اسلام میں حلال وحرام

باب 1

حلال وحرام کی پہچان

باب 2

مسلمان کی انفرادی زندگی میں حلال وحرام

...... ذبح کرنے کا شرعی طریقہ ......

...... شکار ......

...... شراب ......

...... لباس اور زینت ....

...... گھر ....

... کسب اور پیشہ ...

باب 3

شادی بیاہ اور خاندانی زندگی میں حلال وحرام

...... شادی بیاہ ......

...... زوجین کے باہمی تعلقات ......

...... والدین اور اولاد کے باہمی تعلقات ......

باب 4

دورِ حاضر میں حلال وحرام کے تقاضے

...... معاملات ......

...... غیر مسلمین سے تعلقات ......

حرف تمنا

گیارہ سال بعد...... حلال اور حرام دونوں واضح ہیں

آج امت مسلمہ پر اغیار کے افکار کی یلغار ہے۔ ان کی معاشرت اور معیشت پر یہودیوں، صلیبیوں اور ہندؤوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ کافروں کی ایک مکروہ گناؤنی اور خفیہ سازش کے نتیجہ میں ہم اس قدر مجبور و بے بس ہو چکے ہیں کہ اپنی روز مرہ کھانے پینے اور استعمال کی اشیاء کے لیے بھی ان کے محتاج بن چکے ہیں۔ عالمی معاشی مارکیٹ پر یہودیوں نے اس طرح قبضہ کر رکھا ہے کہ کوئی مسلمان وہاں دم مارنے اور امت مسلمہ کو کوئی مفید چیز فراہم کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

آج ہمارے گھروں میں کھانے پینے سے لے کر دھونے اور نہانے تک کی تمام مصنوعات یہود و نصاریٰ کی تیار کردہ ہیں۔ ان چیزوں میں کون سی حلال ہے اور کون سی حرام...... کس میں خنزیر کی کھال، بال اور چربی یا الکوحل شامل کی گئی ہے...... کون سی چیز میں دیگر ممنوع اور حرام اشیا و عناصر کی ملاوٹ اور شمولیت ہے...... امت میں کسی کو کچھ علم نہیں، سب آنکھیں بند کر کے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ کسی کو فکر نہیں کہ اللہ کریم کی حرام کردہ اشیا اور امور کے استعمال و ارتکاب سے نہ صرف یہ کہ انسانی صحت و اولاد پر اس کے مضر و تباہ کن اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بلکہ سرمایہ و دولت کا ضیاع...... اور اللہ کی نافرمانی کی بنا پر دنیا ناکام...... آخرت برباد...... اور جہنم واجب ہو جاتی ہے...... اور حضرت انسان دہکتی جہنم کا ایندھن بن جانا مقدر ٹھہرتا ہے۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبِّیْ. اللہ کے چند برگزیدہ بندے ایسے بھی ہیں کہ جن کو اپنے کھانے پینے، اوڑھنے اور اپنے استعمال کی چیزوں میں حلال و حرام سے بچنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ ایسے صالح افراد کی چاہیے تو یہ کہ حوصلہ افزائی کی جائے لیکن شومئ قسمت ان کو کلمہ گو مسلمانوں سے ہی طرح طرح کے طنز، کڑوی کسیلی اور تضحیک آمیز باتیں سننا پڑتی ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ اللہ کریم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کسی کی باتوں کی پروا نہیں کرتے۔ اللہ کریم ہمیں بھی ایسا ہی بنائے، کیونکہ ہر کام میں حرام سے بچ کر حلال کو اپنا کر اللہ کریم کی رضا حاصل کرنا ہی مومن کی زندگی کا اصل مقصد ہے۔

حلال اور حرام کی تمیز اور پہچان کے متعلق رسولِ رحمت ﷺ نے ہمیں ایک قاعدہ کلیہ بتا دیا

((اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَبَیْنَهُمَا الْمُتَشَابِهَاتُ .))

''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح کر دیا گیا ہے اور ان دونوں کے درمیان جو چیزیں آتی ہیں وہ متشابہات میں شامل ہیں۔''

پھر فرمادیا:

((اِتَّقُوا الشُّبْهَاتِ .)) ''اور تم مشتبہ (ومشکوک) چیزوں سے بچ جاؤ۔''

آج امت مسلمہ کی کامیابی وکامرانی مشتبہ چیزوں سے بچ جانے میں ہی ہے۔ جس چیز کے بارے میں تردّد پیدا ہو، کسی قرینے کی بنا پر شک پیدا ہو...... کوئی دلیل سامنے آجائے...... اس سے فوری بچ جانا چاہیے، تاکہ حرام کاموں اور چیزوں کو اختیار کر کے کہیں ہم اپنی عبادات ہی ضائع نہ کر بیٹھیں۔ بعض لوگوں کو جب یہ سرزنش کی جاتی ہے کہ...... اس چیز کے استعمال سے بچ جاؤ...... یا یوں نہ کرو...... یا اس میں حرام اشیاء کی آمیزش ہے...... یہ اللہ تعالیٰ اور رسول رحمت کے فرامین کے مطابق یہ حرام ہے...... تو وہ دنیا میں کسی اعلیٰ مرتبہ پر فائز شخصیت کے عمل کو دلیل بناتے ہوئے کہتے ہیں: ''اسے تو فلاں مولانا صاحب...... امیر صاحب...... علامہ صاحب...... اور مفتی صاحب بھی استعمال کرتے ہیں۔'' یاد رکھیں! یوں کسی دنیاوی طور پر اونچے مرتبے وعہدے والے کے کسی قول وفعل اور پسندیدگی کو اپنا لینے سے وہ حرام چیز حلال نہیں ہو جاتی۔

اس معاشرے میں رہتے ہوئے ہماری کچھ عادات...... لین دین کے طریقے...... شکل وصورت اور ہیئت کذائی...... لباس...... غذا...... مجالس...... خرید وفروخت کے مسائل...... تجارت...... حتیٰ کہ عبادات...... پر بھی حرام کا حکم لگ جاتا ہے۔ ہمارے کتنے ہی رویے اور معاملات وعادات ایسے ہیں جو احکامات رب العالمین اور فرامین رحمت اللعالمین کے سراسر خلاف ہیں۔ کتنے ہی ایسے امور ہیں جن سے قرآن نے کھلے لفظوں میں منع کر دیا ہے کہ یہ حرام ہیں، ان کے قریب بھی نہ جاؤ...... لیکن افسوس صد افسوس! ہماری دینی حمیت کی حس بالکل مردہ ہو چکی ہے۔ ہمیں اپنے خالق ومالک کے احکامات کی ذرہ بھر پروا نہیں اور ہم بلا روک وٹوک اپنے رب کریم کی نافرمانی اور بغاوت کا ارتکاب کرتے چلے جا رہے ہیں۔ لمحہ فکریہ یہ ہے کہ ہمیں اس کا احساس بھی نہیں کہ ہم کانٹوں کی راہ گزر پر دوڑتے ہوئے آگ کے کنویں میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔

یہ کتاب مسلمانوں کو حرام سے بچانے کے لیے لکھی گئی۔ اس میں مسلمانوں کے معاشرے

میں رہتے ہوئے حرام سے بچنے کے لیے ایسے اصول وضوابط بتائے گئے ہیں کہ جن کی بنیاد پر مسلمان حرام امور سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ یہ کتاب بظاہر روشن خیال اور آزادیٔ رائے کے علمبردار مغرب بالخصوص برطانیہ میں بہت مقبول ہوئی۔ حتی کہ رسول اللہ ﷺ کے کارٹون بنانے والوں، شیطانی آیات جیسی کتاب لکھنے والوں، اس کے علاوہ سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے بدبختوں کو آزادی اظہار اور انسانی حقوق کی پاسداری کے نام پر پناہ دینے والوں کا یورپ، اس کتاب سے اس قدر خائف ہوا کہ اس نے وہاں اس کتاب پر پابندی لگا دی۔ یہ کتاب پابندی لگنے کے بعد اور بھی مقبول ہوئی اور اس کے مختلف زبانوں میں تراجم ہوکر شائع ہوئے۔ کسی بھی انسان کے اس کتاب کو اپنے پاس رکھنے کو جرم قرار دیا اور اسے سزا کا مستحق ٹھہرایا۔ اللہ کریم کی توفیق سے اب اس کا اردو ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

کتاب وسنت کی اشاعت کے مثالی ادارے **دَارُالابلاغ** نے آج سے گیارہ سال قبل اسے شائع کرنے کا پروگرام بنایا۔ لہٰذا ایک تحقیقاتی ٹیم نے اس پر ریسرچ ورک مکمل کیا اور راقم یہ کتاب بھائی سمیع اللہ مالک حدیبیہ پبلی کیشنز کو ساتھ لے کر نظر ثانی کے لیے فاضل نوجوان عالم باعمل مولانا مبشر احمد ربانی کے پاس سکیم موڑ لاہور پہنچا۔ ان کی بے پناہ مصروفیات کی بنا پر نظر ثانی درمیان میں ادھوری رہ گئی اور وہ کتاب کا مسودہ کہیں رکھ کر بھول گئے۔ اور ہم بھی اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ کبھی تو مسودہ ملے گا۔ گزشتہ ماہ انہوں نے اپنی لائبریری کی ترتیب نو کی تو اس میں ''اسلام میں حلال وحرام'' کا مسودہ بھی مل گیا، لہٰذا انہوں نے گیارہ سال بعد نظر ثانی مکمل کر کے مجھے پہنچایا تو میں نے فوری آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر دیا۔

یہ کتاب مصنف شہیر علامہ یوسف قرضاوی ﷾ کی شہرہ آفاق عربی تصنیف ہے۔ مصنف نے مسلم معاشرے کو یورپ میں اور اسلامی ممالک میں رہتے ہوئے حلال وحرام کی تمیز کرنے کے متعلق اور اسلام کے احکامات کے مطابق کامیاب پاکیزہ زندگی گزارنے کے متعلق جامع رہنمائی فراہم کی ہے۔ یہ کتاب بلاشک وشبہ امت مسلمہ کے لیے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔ کتاب میں بعض مقامات پر مصنف سے کچھ اجتہادی لغزشیں بھی سرزد ہوئی ہیں۔ ان اجتہادی غلطیوں کی مقتدر علمائے امت نے گرفت بھی کی، ان پر رد بھی لکھا اور تصحیح بھی کی اور قیاسِ فاسد اور اجتہاد ناقص کو ترک کر کے قرآن وحدیث کی روشنی میں امت مسلمہ کی صحیح راہنمائی بھی کی ہے۔ مصنف کی غلطیوں کی تصحیح

کرنے والوں میں محدث عصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر ایک کتاب "غاية المرام" بھی لکھی۔ ادارہ دَارُالابلاغ کی ریسرچ ٹیم نے اس کتاب میں مصنف کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی ہے اور قرآن وسنت کی روشنی میں ان مذکورہ مسائل کا صحیح حل جاننے کے لیے علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تعلیقات وتوضیحات کو فٹ نوٹ میں درج کر کے کتاب کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ بعض مقامات پر نظر ثانی کے بعد مولانا ابوالحسن مبشر احمد ربانی نے بھی اپنی تعلیقات درج کر دی ہیں۔ یوں یہ کتاب علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی فٹ نوٹ میں تصحیح طلب مسائل میں وضاحتوں اور مولانا مبشر احمد ربانی کے حواشی اور بعض مقامات پر فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان کی تشریحات کے بعد اپنی جگہ ایک مکمل ومبسوط اور شافی رہنمائی بن گئی ہے۔ دین اسلام کا کوئی قاری وطالب علم اور عام مسلمان کسی بھی مسئلہ میں مکمل جامع غیر مشکوک وصحیح ودرست رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اسے اپنا راہبر ورہنما بنا سکتا ہے۔ یہ سب اللہ کریم کی توفیق ورحمت کی بنا پر ہوا ورنہ ہم تو اس قابل نہیں۔ اور ادارہ دَارُالابلاغ پر اللہ کریم کا خاص احسان وکرم ہے کہ وہ اس کی ٹیم کو امت کی راہنمائی کے لیے اعلیٰ معیار کا تحقیق شدہ مواد فراہم کرنے کے مواقع و وسائل اور رجال صالح بخش رہا ہے۔

اس کتاب پر تحقیق...... تخریج...... تسہیل...... حواشی...... وتعلیقاتِ البانیہ...... توضیحات ربانیہ کے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے میں مولانا مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ، جناب نصیر احمد کاشف، تلمیذ رشید علامہ زبیر علی زئی، مولانا مطیع اللہ الفردوس، جناب امان اللہ عاصم اور تنویر الاسلام حفظہم اللہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات سے اس کتاب پر تحقیقی کاوشوں اور مغز ماری و جانفشانی کے لیے وقت نکالا۔ جزاهم الله احسن الجزاء في الدنيا و الاخرة.

آخر میں میں اللہ رب العالمین سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کتاب پر ہماری کاوشوں کو قبول فرما کر اسے ہمارے لیے، ہمارے اساتذہ اور والدین کے لیے اجر وثواب کا باعث بنائے اور امت کو اس پر عمل کر کے اخروی کامیابی کا مستحق بننے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین یا رب المستضعفين.

خادم کتاب و سنت

محمد طاہر نقاش

15 جنوری 2013 لاہور

تقریظ

یہ کتاب ہر طالب علم اور مرد و زن کے پاس ہونی چاہیے

از ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُوْلِ الْكَرِيْمِ اَمَّا بَعْدُ!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا اور انبیاء ورسل علیہم السلام کے ذریعے اپنے احکامات ان تک پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنا عین عبادت ہے۔ منہیات سے بچنا اور حرام سے اجتناب کرنا ایک حدیث کی رو سے عبادت ہی ہے۔ حرام کے اختیار کرنے سے عبادات ضائع ہوجاتی ہیں اور ایک شخص کو مومن و متقی بننے کے لیے حرام کردہ چیزوں سے بچنا ضروری ہوتا ہے اور اسلام نے بہت سی اشیاء کو حرام قرار دیا ہے جن کی تفصیل قرآن و حدیث کے صفحات پر بکھری پڑی ہے۔ علامہ یوسف قرضاوی حفظہ اللہ نے بھی اس کتاب میں حلال وحرام پر مفصل بحث کی ہے لیکن چند مقامات پر ٹھوکر کھائی ہے جس پر علامہ البانی اور دیگر عرب علماء نے ان کا خوب محاکمہ کیا ہے اور راقم نے بھی بعض مقامات پر تعلیق لگادی ہے۔ البتہ مجموعی لحاظ سے کتاب کافی مفید ہے۔ اللہ رب العزت سب مسلمانوں کو حلال کھانے اور حرام سے اجتناب کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

یہ کتاب ''اسلام میں حلال وحرام'' ایک عرصہ قبل ''الحلال والحرام فی الاسلام'' کے نام سے طبع ہوکر منظر عام پر آئی۔ اس کی افادیت کی بنا پر بہت کم مدت میں اس کی مقبولیت کا ریکارڈ قائم ہوا، جہاں عالم عرب میں اس کی خوب شہرت ومقبولیت ہوئی وہاں ہی دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوکر شائع ہوا۔ برصغیر میں یہ کتاب تقریباً ۴۳ سال سے شائع ہورہی ہے۔ یہ سب سے پہلے ہندوستان سے شائع ہوئی اور اس کے بعد پاکستان کے چند اداروں نے اسے بطور فوٹو شائع کیا اور بعض نے کمپیوٹر کمپوزنگ میں بھی طبع کیا۔ اس کتاب میں اعراب کی غلطیاں، بعض ترجمے کے سقم، تفہیم مضامین قرآنی وحدیثی میں ٹھوکر...... وغیرہ۔ پاکستان میں

کمپیوٹر کمپوزنگ اور تعلیقات کے ساتھ شائع ہونے والے نسخوں میں بعض مقامات پر اصل کتاب کی عبارتیں ہی چھوٹ گئی ہیں یعنی اصل عربی نسخے کے مطابق بالکل کتاب نامکمل ہے۔ بلکہ بعض جگہ تو پورا ایک ایک صفحہ کا مواد ہی اردو ایڈیشن سے غائب ہے لیکن نہ تو شائع کرنے والوں کو اس کا علم ہے اور نہ ہی پڑھنے پڑھانے والوں کو شاید۔ واللہ اعلم بالصواب

محترم برادرم محمد طاہر نقاش صاحب جو کئی کتب کے مصنف بھی ہیں، صاحب ذوق اور تحقیق وجستجو رکھنے کے ساتھ ساتھ کسی بھی کتاب کو خوب سے خوب تر انداز میں مکمل تحقیق و ریسرچ کے ساتھ منظر عام پر لانے کے شائق و فائق ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ کتاب نظر ثانی کے لیے آج سے تقریباً ۱۱ سال قبل دی لیکن ریسرچ کے دوران مسودہ کہیں گم ہو گیا۔ چند ماہ قبل میری لائبریری کی ترتیب نو کے درمیان یہ کہیں سے مل گیا تو میں نے طاہر صاحب سے رابطہ کیا تو پتہ چلا کہ وہ آج بھی میری نظر ثانی والے مسودے کے منتظر ہیں اور انہوں نے ابھی تک اس کتاب کو شائع نہیں کیا۔ لہٰذا میں نے اس پر اپنی تعلیقات وحواشی مکمل کر کے ان کے سپرد کر دی۔ اب یہ تمام تحقیق کے مراحل طے کرنے کے بعد آپ کے ہاتھ میں ہے۔

دارالابلاغ کے تحت شائع ہونے والی اس کتاب کی انفرادیت وخصوصیت

جیسا کہ میں نے اس سے قبل بھی عرض کیا کہ علامہ یوسف قرضاوی ﷿ نے جہاں حلال وحرام کے متعلق بہت مفید رہنمائی فراہم کی وہاں ہی کئی مقامات پر منہج نبوی کے حوالے سے ٹھوکر بھی کھائی۔ ان کی بعض وقوع پذیر ہونے والی لغزشوں کی گرفت فوری طور پر علمائے اسلام نے کی اور عامۃ المسلمین کو ان کی غلطیوں سے آگاہ کیا۔ ان علمائے اسلام میں محدث العصر الشیخ ناصر الدین البانی ﷫ (نے اپنی مشہور کتاب "غاية المرام فی تخريج احاديث الحلال والحرام" لکھ کر) اور فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان بن عبد اللہ الفوزان (نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "اعلام بنقد الحلال والحرام" لکھ کر) حق کو واضح کرنے کا حق ادا کیا۔

❀ محترم طاہر نقاش صاحب نے ان کی تعلیقات وتحقیقات کو اردو قالب میں ڈھال کر اس کتاب (کا فٹ نوٹ میں) حصہ بنا دیا ہے۔

- محدث العصر فضیلۃ الشیخ ناصر الدین البانی اور فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان کی تعلیقات وحواشی کے ساتھ ساتھ راقم نے بھی کتاب میں جہاں ضرورت محسوس کی اپنے حواشی دے دیے ہیں۔ اسی طرح بعض جگہ کتاب کا ترجمہ بہت مشکل تھا اس کو آسان پیرائے میں کر دیا گیا ہے۔
- بعض جگہ قدیم اور دقیق الفاظ کو بدل کر رائج الوقت اصطلاحات کو شامل کیا گیا ہے۔
- کتاب کی زبان کو جدید اردو قالب میں ڈھال کر کافی حد تک سہل و سلیس کر دیا گیا ہے۔ یعنی ترجمہ کو عام فہم و آسان بنانے کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے۔
- قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کے علاوہ باقی تمام عربی عبارات پر نہ صرف اعراب کو درست کیا گیا بلکہ تمام عربی عبارتوں پر اعراب کو مکمل کر دیا گیا ہے۔ تاکہ نصاب اور کورس کی شکل میں پڑھنے والے طلبہ و طالبات کو اصل عربی عبارت کی روشنی میں ترجمہ و تفہیم کو جاننے اور مفہوم سمجھنے میں آسانی ہو۔
- مختلف مبہم اور وضاحت طلب مقامات کو نشان زدہ کر کے ان پر تفصیلی وتشریحی حواشی درج کر دیے گئے ہیں۔
- اس کتاب کو عربی نسخے کے مطابق مکمل کیا گیا ہے، اب اس میں کوئی مقام شامل ہونے سے رہ نہیں گیا۔ ان شاء اللہ
- کتاب میں مذکورہ احادیث وغیرہ کی مکمل تحقیق وتخریج شامل کر دی ہے تاکہ آسانی سے مراجع ومصادر تک رسائی حاصل ہو سکے۔
- بعض بظاہر تشنہ مقامات پر وضاحت کے لیے فٹ نوٹ میں تشریح اور بعض جگہ متن میں بریکٹوں میں اضافہ وتصحیح توضیح کر دی گئی ہے۔
- اس کے علاوہ اس موضوع پر رہنمائی کو مزید مفید اور مؤثر بنانے کے لیے کئی اور طرح کا تحقیقی کام بھی شامل کتاب کیا گیا۔ فللّٰه الحمد.

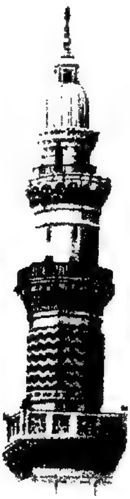
یوں یہ نسخہ مروجہ مختلف نسخوں سے اپنی صحت، تحقیق تخریج وریسرچ، مفید حواشی وتعلیقات کے اعتبار سے جامع وصحیح ترین ہونے کی بنا پر پاک وہند کے مختلف اشاعتی اداروں کی طرف

سے وقوع پذیر ہونے والی تمام اشاعتوں پر فوقیت لے گیا ہے۔ یہ نسخہ ہر لائبریری میں اور ہر طالبہ و طالب علم دین کے پاس ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ کتاب انسانی زندگی سے متعلق ان تمام امور پر مشتمل و حاوی ہے اور انسانی زندگی میں مختلف مواقع پر پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے سے متعلق رہنمائی کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یوں یہ کتاب روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل خواہ وہ اسلامی ممالک میں رہنے والوں کے ہوں یا مغربی یورپی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے ہوں۔ تمام کے متعلق شافی وکافی راہنمائی فراہم کرتی ہے۔

اللہ احکم الحاکمین سے دعا ہے کہ وہ ہر مسلمان مرد و زن کو اس کتاب میں بیان کی گئیں حلال وحرام سے متعلق تحقیقات و علمی تشریحات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب کے مصنف، مترجم، محقق مخرج ناشر اور راقم سمیت کسی بھی طرح اس کتاب پر کام کرنے والے اپنے بندوں کی کوششوں کو اپنی جناب میں قبول فرمائے اور بلندئ درجات کا باعث بنائے۔ آمین یارب العالمین

ابوالحسن مبشر احمد ربانی
رئیس مرکز الحسن 882/p
سبزہ زار سکیم لاہور

دستور الٰہی سے



﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الاعراف: ۷/ ۳۲، ۳۳)

''اے رسول! ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے اللہ کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ کہو یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے روز تو خالصتاً انہیں کے لیے ہوں گی۔ اس طرح ہم اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھنے والے ہیں۔

اے رسول e! ان سے کہو کہ میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ تو یہ ہیں: بے شرمی کے کام...... خواہ کھلے ہوں یا چھپے...... اور گناہ اور حق کے خلاف زیادتی اور یہ کہ اللہ کے ساتھ تم کسی کو شریک کرو جس کے لیے اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور یہ کہ اللہ کے نام پر کوئی ایسی بات کہو جس کے متعلق تمہیں علم نہ ہو (کہ وہ حقیقت میں اسی نے فرمائی ہے)۔''

کتاب کی اشاعت کے لیے مصنف کا خصوصی اجازت نامہ

"الحلال والحرام فی الاسلام" کے اردو ایڈیشن کی اشاعت کے لیے کتاب کے مصنف علامہ یوسف القرضاوی کا خصوص اجازت نامہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ . اَمَّا بَعْدُ!

اخی المحترم مولانا مختار احمد ندوی سلفی نے مجھ سے میری کتاب "الحلال والحرام فی الاسلام" کے اردو ترجمہ اور ''الدار السّلفیہ'' بمبئی کے زیر اہتمام اس کی اشاعت کی مجھ سے اجازت مانگی' تاکہ ہمارے ہندوستانی مسلمان بھائی بھی اس اہم کتاب سے مستفید ہوسکیں۔ مجھے موصوف کو اس کی اجازت دے کر ان کے اس شوق ورغبت کو پورا کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہوا' کیونکہ ہمارے ہندوستانی مسلمان بھائیوں کا ہم پر یہ حق تھا' اس لیے بھی کہ ہم عرب مسلمانوں نے علماء ہند کے قلمی ثمرات اور علومِ اسلامیہ خصوصاً سنتِ نبویہ کی خدمت میں ان کی علمی کوششوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ اس لیے بھی ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے کہ اس سے غفلت برتی جائے' بلکہ وہ تو اس وقت دنیا میں دوسری بڑی اسلامی سوسائٹی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے اور ان کے درمیان زبان کا حجاب حائل نہیں ہونا چاہیے۔ علماء ومفکرینِ اسلام کا فرض ہے کہ وطن اور زبان کے اختلاف کو افکار ونظریات کے تبادلہ میں کسی طرح بھی حائل نہ ہونے دیں۔ خاص طور پر اب جب کہ ملکوں اور حکومتوں کے فاصلے سمٹ گئے ہیں' بلکہ ایک معاصر مفکر کے بقول ''ہماری موجودہ دنیا ایک بڑی بستی کی طرح بن گئی ہے۔''

جب ساری دنیا کا یہ حال ہو گیا ہے تو عالم اسلام اور خاص طور پر مسلمانوں کے حالات کیوں نہ بدلیں' نیز اللہ کریم کی منشاء اور مرضی بھی یہی ہے کہ مسلمان ''ایک امت'' بن کر رہیں اور فکر و شعور میں ہمیشہ کے لیے متحد ہوں۔

آخر میں اپنے بھائی شیخ مختار احمد ندوی اور ان کے تمام اخوان و انصار کا بھی میں شکر گزار ہوں' جنہوں نے اس کتاب کے ترجمہ اور اشاعت میں تعاون کیا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو استفادہ کی توفیق بخشے' اور سب کو جزائے خیر عطا کرے اور یہ کتاب میری مغفرت اور رضاء الٰہی کا ذریعہ بنے۔ تمام ہندوستانی مسلم بھائیوں کو میری طرف سے دعائیں اور نیک تمنائیں پہنچیں۔

وصلی اللہ علیہ محمد والہ وصحبہ اجمعین

الفقیر الی اللّٰہ

یوسف القرضاوی

الدوحہ ۲۸ فروری ۱۹۷۷

۱۰ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

پیش لفظ:

تقلید کی جکڑ بندیاں تحقیقی کام کے رک جانے کا باعث

اس کتاب کے مؤلف یوسف القرضاوی قطر کے جید عالم' دنیائے عرب کے ممتاز مصنف ومحقق اور عالم اسلام کی مشہور شخصیت ہیں۔ موصوف نے "الحلال والحرام فی الاسلام اور فقه الزکوة" جیسی گراں قدر' بلند پایہ اور محققانہ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

زیرنظر کتاب موصوف کی تالیف "الحلال والحرام" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں فاضل مؤلف نے بڑی عمدگی اور نہایت مدلل طریقہ سے حلت وحرمت کے اہم مسائل پر بحث کی ہے اور شرعی احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں کو اجاگر کیا ہے۔ نیز جن جدید مسائل سے مسلمانوں کو واسطہ پڑتا ہے اور ان کے سلسلہ میں جواز یا عدم جواز کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ان پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

کتاب کی افادیت کا صحیح اندازہ تو اس کے مطالعہ ہی سے ہوگا' تاہم اس سلسلہ میں چند مشہور علماء کی آراء پیش خدمت کی جاتی ہیں۔

- مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس کتاب کو میں اپنے کتب خانہ کے لیے ایک اہم اضافہ تصور کرتا ہوں۔"

- فقہ کے زبردست عالم استاذ مصطفیٰ رزقاء فرماتے ہیں:

"اس کتاب کو حاصل کرنا ہر مسلمان خاندان کے لیے ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مؤلف نے اس کتاب کے ذریعہ مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔"

- شام کے ادیب استاذ علی طنطاوی نے اس کتاب کو مکہ مکرمہ کے کلیہ شرعیہ میں داخل

کرایا۔

- دمشق کے کلیہ شریعہ کے پرنسل استاذ محمد المبارک نے اس پر تقریظ لکھی۔
- لاہور کی پنجاب یونیورسٹی نے ایم اے کے نصاب میں اس کتاب کو شامل کرلیا۔
- اس کتاب میں جو حدیثیں بیان کی گئی ہیں ان کے حوالہ جات مرتب کرنے کی خدمت دیارِ شام کے مشہور محدث شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے انجام دی۔

فاضل مؤلف نے کتاب کے دیباچہ میں اپنا نقطۂ نظر وضاحت کے ساتھ پیش فرمایا ہے، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

''موجودہ زمانہ میں اسلام کے بارے میں بحث وگفتگو کرنے والے دو گروہوں میں ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جس کی آنکھیں مغربی تہذیب کی جگمگاہٹ سے خیرہ ہوگئی ہیں۔ یہ لوگ اس بت کے آگے سر نیاز مند جھکائے قربانیاں اور نذرانے گزارنے کے لیے ادب سے کھڑے ہیں۔ وہ مغرب کے اصولوں اور اس کی تقلید پر اس قدر مطمئن ہیں کہ ان کے نزدیک اس مسئلہ پر بحث کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اگر اتفاق سے مغربی تہذیب کی کوئی ایسی بات سامنے آجائے جس کی تائید اسلام بھی کرتا ہو تو وہ تہلیل وتکبیر کرنے لگتے ہیں' اور اگر وہ بات اسلام کے خلاف پڑتی ہو تو وہ تاویل وتحریف سے کام لینے لگتے ہیں۔ گویا یہ بات طے شدہ ہے کہ مغربی تہذیب کے آگے سرنگوں ہونا ہے۔ ان کی نظر میں حلال وہ ہے جسے مغرب نے حلال قرار دیا ہو اور حرام وہ ہے جسے مغرب نے حرام قرار دیا ہو۔ یہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہے اور اللہ کریم کا کلمہ ہی ہمیشہ بلند رہتا ہے اور رہے گا نیز وہی لائقِ اتباع ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو حلال وحرام کے مسائل میں ایک متعین رائے پر جامد ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ لوگ صرف نصوص کے الفاظ اور اس کی عبارتوں کے متبع ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اصل اسلام یہی ہے۔ وہ اپنی رائے سے بال برابر ہٹنے کے لیے

تیار نہیں ہیں اور نہ اپنی رائے اور مسلک کو دلائل کے ذریعہ پرکھنے اور دوسروں کے دلائل سے موازنہ کرنے کے لیے ہی تیار ہیں، کہ اس کے بعد جو حق نکھر کر سامنے آئے اسے قبول کرلیں۔ وہ بزعم خود آسانی کے ساتھ بہت سی چیزوں پر حرام کا حکم لگاتے ہیں اور سلف صالحین کا یہ طریقہ بھول جاتے ہیں کہ وہ کسی چیز پر حرام کا اطلاق نہیں کرتے تھے بجز ان چیزوں کے جن کی حرمت قطعی ہو۔ ان کے علاوہ دوسری چیزوں کے بارے میں وہ مکروہ یا ناپسندیدہ وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرتے تھے۔

میں نے کوشش کی ہے کہ ان میں سے کسی گروہ میں شامل نہ ہو جاؤں۔ میں مغرب کو اپنا معبود نہیں بنانا چاہتا' جب کہ میں نے اسلام کو دین کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔ اور نہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ فقہی مسائل میں خطأ وصواب سے قطع نظر کر کے کسی متعین مسلک کی تقلید کروں۔ تقلید تو بقول علامہ ابن جوزی غور و فکر اور تدبیر کی صلاحیت ہی کو ختم کر دیتی ہے اور مقلّد کی مثال اس شخص سے بھی زیادہ بری ہے جس کو روشنی حاصل کرنے کے لیے چراغ دیا گیا لیکن اس نے اسے بجھا دیا اور تاریکی میں چل پڑا۔

یہ صحیح ہے کہ میں نے خود کو مروّجہ فقہی مسالک میں سے کسی خاص مسلک کے ساتھ (تقلید کرتے ہوئے) باندھ نہیں دیا ہے۔ اس لیے بھی کہ ان معروف مذاہب کے اماموں نے بھی اپنے معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں ''کوئی شخص ایسا نہیں جس کی تمام باتیں لینے کے قابل ہوں سوائے نبی ﷺ کے۔'' اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں ''میری رائے درست ہے لیکن خطاء کا احتمال ہے اور دوسرے شخص کی رائے غلط ہے لیکن اس کے درست ہونے کا امکان ہے۔''

لہٰذا کسی مسلمان عالم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ موازنہ نہ کرنے اور ترجیح دینے کے وسائل رکھنے کے باوجود کسی ایک مسلک کا اسیر یا کسی مخصوص فقہی رائے کا پابند ہو کر رہ جائے بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ صرف دلیل و حجت کی پابندی قبول کرے۔ اور دلیل سے جو بات بھی صحیح ثابت ہو جائے اس کی اتباع کرے اور جس کی سند ضعیف اور دلیل بودی ہو اس کو رد کردے خواہ وہ کسی کا بھی قول ہو۔"

درحقیقت اس وسیع النظری کے بغیر نہ تحقیق کا حق ادا کیا جا سکتا ہے اور نہ موجودہ زمانہ کے پُر پیچ مسائل کا متوازن حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ بنابریں فاضل مؤلف کی مساعی نہایت قابل قدر ہیں۔ ضروری نہیں کہ ان کی تحقیق کو حرف آخر سمجھا جائے اور ان کی ہر رائے سے اتفاق کیا جائے۔ راقم الحروف نے بھی ترجمہ کرتے ہوئے جہاں ناگزیر سمجھا ہے اختلافی یا تشریحی نوٹ دے دیا ہے۔

ہمارے ملک میں قوتِ اجتہاد کی کمی، فقہی مسائل میں تنگ نظری اور تقلید کی جکڑ بندیوں کی وجہ سے شرعی مسائل میں تحقیق اور ریسرچ کا کام آگے نہیں بڑھ رہا ہے، جس سے ملت اسلامیہ کی مشکلات میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے، حالانکہ کتنے ہی قدیم اور بے شمار جدید مسائل، فکر و اجتہاد کی دعوت دے رہے ہیں۔ ایسی صورت میں یہی غنیمت ہے کہ ان جدید عربی کتب کا اردو ترجمہ شائع ہو جائے جو تحقیقی انداز میں لکھی گئی ہیں۔ اس طرح غور و فکر کے لیے کافی قیمتی مواد سامنے آئے گا اور نظر میں وسعت پیدا ہو سکے گی۔

مؤلف کا منشاء اس کتاب میں حلال و حرام کا استقصاء کرنا نہیں ہے، بلکہ خاص طور سے ان مسائل کی حلت و حرمت کو کتاب و سنت کی روشنی میں واضح کرنا ہے، جو نہایت اہم ہیں، یا جن سے واقفیت ناگزیر ہے، مگر عام طور سے لوگ ان سے غفلت برتتے ہیں۔

کتاب کا عربی سے اردو ترجمہ کرنے میں راقم الحروف نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ترجمہ بامحاورہ ہو اور طوالت سے بچنے کے لیے کہیں کہیں اختصار سے بھی کام لیا ہے۔

قابل صد مبارکباد ہیں ہمارے مخلص دوست مولانا مختار احمد صاحب ندوی جنھوں نے ایک اہم تحقیقی کتاب کی اشاعت کا اہتمام فرمایا' جب کہ ٹھوس دینی کتابوں کی اشاعت بالخصوص عہد نو کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کی افادیت کو عام کرے اور مؤلف کی خدمات کو قبولیت سے نوازے۔ آمین!

شمس پیرزادہ

بمبئی ۵/ جولائی ۱۹۷۶ء

باب اول

اپنے اعمال اور عبادات کو حرام امور سے محفوظ کرکے
اللہ کریم کی رضا اور جنت کے حصول کا طریقہ کار





تعریف

تمام اشیاء اصلاً مباح ہیں

تحلیل وتحریم اللہ ہی کا حق ہے

حلال کے حرام اور حرام کو حلال قرار دینا شرک کے قبیل سے ہے

حرام چیزیں باعث ضرر ہیں

حلال' حرام سے بے نیاز کر دیتا ہے

جو چیز حرام کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے

حرام کے لیے حیلہ سازی بھی حرام ہے

نیک نیتی حرام کو حلال نہیں کرتی

حرام میں مبتلا ہو جانے کے اندیشے سے مشتبہات سے بچنا

حرام' سب کے لیے حرام ہے

ضرورتیں محظورات کو مباح کر دیتی ہیں

حلال وحرام کی پہچان

تعریف

حلال

مباح یا غیر ممنوع وہ ہے جس کے کرنے کی شارع نے اجازت دی ہو۔

حرام

وہ جس کی شارع نے قطعی طور پر ممانعت کی ہو اور جس کی خلاف ورزی کرنے والا آخرت میں سزا کا مستحق ہو اور بعض صورتوں میں دنیا میں بھی اس کے لیے سزا مقرر ہو۔

مکروہ

وہ جس سے شارع نے روکا ہو لیکن سختی کے ساتھ اس کی ممانعت نہ کی ہو' یہ درجہ میں حرام سے کم تر ہے۔ اور اس کا ارتکاب کرنے والا اس سزا کا مستحق نہیں ہوتا جس سزا کا مستحق حرام کا ارتکاب کرنے والا ہوتا ہے' البتہ اس کی مسلسل خلاف ورزی اور بے وقعتی کرنے والا، حرام کی سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اہل جاہلیت، جن بہت سی باتوں میں گمراہی کا شکار ہو گئے تھے، ان میں سے ایک حلال وحرام کا معاملہ بھی تھا، جس میں وہ اس طرح الجھ گئے کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر بیٹھے۔ اور اس مسئلے میں مشرکین اور اہل کتاب دونوں کا طرز عمل یکساں تھا، مگر مختلف مذاہب کی گمراہی دو انتہاؤں پر تھی۔ ایک انتہاء وہ جس پر ہندوستانی برہمنیت، مسیحی رہبانیت اور وہ مذہبیت تھی جس کے نزدیک جسم کو اذیت دینا روا (درست و جائز) تھا اور جس نے اچھے رزق اور زینت کی چیزوں کو حرام کر دیا تھا اور بعض راہبوں کے نزدیک تو پاؤں دھونا اور حمام میں داخل ہونا بھی باعثِ گناہ تھا۔

دوسری انتہاء پر فارس کا مزدک مذہب تھا، جس نے مکمل اباحیت کا نعرہ بلند کیا۔ اس مذہب میں ہر چیز جائز تھی، یہاں تک کہ عزت وحرمت بھی جس کو انسان فطرۃً مقدس مانتا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں نے حلت وحرمت کا بالکل غلط معیار قائم کر رکھا تھا۔ چنانچہ ان کے نزدیک شراب نوشی، سود خواری، عورتوں سے بدسلوکی اور قتلِ اولاد جیسی غلط کاریاں کرنا بالکل جائز تھیں۔ انہوں نے قتل اولاد جیسے شنیع فعل کو خوشنما بنانے کے لیے کچھ باتیں اپنے پاس سے گھڑ لی تھیں، جن کو وجہِ جواز بنا کر پیش کرتے تھے۔ مثلاً: فقر و فاقہ کا اندیشہ، لڑکی کی پیدائش کا باعثِ عار ہونا اور اپنے معبودوں کے تقرب کے لیے اولاد کو بھینٹ چڑھانا وغیرہ۔ عجیب حالت یہ تھی کہ ایک طرف انہوں نے اپنے جگر گوشوں کو قتل کرنا یا ...... گور کرنا بالکل جائز کر لیا تھا اور دوسری طرف انہوں نے کھیت اور چوپائے جیسی بہت سی حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ اور طرفہ تماشا یہ کہ اس حلت وحرمت کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے دینی حیثیت دے ڈالی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی ان افتراء پردازیوں کو یکسر باطل قرار دیا:

﴿وَقَالُوا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ؁﴾ (الانعام: ٦/ ١٣٨)

''وہ کہتے ہیں یہ چوپائے اور یہ کھیت ممنوع ہیں' ان کو صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں جنہیں ہم کھلانا چاہیں اپنے زعم کے مطابق اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن کی پشتیں (سواری کے لیے) حرام کر دی گئی ہیں اور کچھ چوپایوں پر وہ اللہ کا نام نہیں لیتے، اس پر افتراء کرتے ہوئے۔ اللہ عنقریب انہیں اس افتراء پردازی کا بدلہ دے گا۔''

اسلام آیا تو یہ گمراہی اور حلال و حرام کے معاملہ میں یہ بے راہ روی موجود تھی۔ اسلام نے اس کی اصلاح کی طرف توجہ کی اور پہلا قدم یہ اٹھایا کہ تشریع کے اصول مقرر کیے اور ان کو حِلّت و حُرمت کی اساس بنایا۔ جس کے نتیجہ میں اعتدال و توازن پیدا ہوا اور عدل کا صحیح معیار قائم ہوا' نیز اس کی بدولت امت مسلمہ گمراہی اور انحراف کی راہ اختیار کرنے والے دائیں اور بائیں' گروہوں کے درمیان امت وسط (اعتدال پر قائم رہنے والی امت) قرار پائی' جسے اللہ تعالیٰ نے خیر امت کے لقب سے نوازا۔ (سورۃ آل عمران:۳/۱۱۰)

❶ تمام اشیاء اصلاً مباح ہیں:

اسلام نے جو پہلا اصول مقرر کیا' وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام چیزیں اصلاً حلال اور مباح ہیں۔ حرام صرف وہ چیزیں ہیں جن کی حرمت کے بارے میں صحیح اور صریح نصِ شرعی وارد ہوئی ہے۔ لہٰذا اگر صحیح نص موجود نہ ہو' بلکہ ضعیف ہو یا حرمت پر صریح طور سے دلالت نہ کرتی ہو، تو اصل اباحت برقرار رہے گی۔

علمائے اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ تمام اشیاء اور نفع بخش چیزیں اصلاً مباح اور جائز ہیں۔ ان کا استدلال قرآن کی درج ذیل آیات سے ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۹)

''وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کر دیں۔''

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ﴾

(الجاثية: ٤٥/ ١٣)

''اس نے تمہارے لیے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں اپنی طرف سے مسخر کر دیں۔''

﴿ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ﴾ (لقمان : ۳۱/ ۲۰)

''تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں تمہارے لیے مسخر کی ہیں اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا اتمام کیا ہے؟''

اللہ تعالیٰ نے ان سب نعمتوں کو انسان کے لیے مسخر کر کے اس پر احسان فرمایا ہے' لہٰذا یہ کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ ان نعمتوں میں سے اکثر کو حرام ٹھہرا کر ان کے استفادہ سے انہیں محروم کرے گا؟ امر واقع یہ ہے کہ اس نے چند چیزوں کو حرام کیا ہے اور وہ بھی کسی خاص سبب یا مصلحت کی بنا پر' جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ گویا اسلامی شریعت میں محرمات کا دائرہ بہت محدود ہے۔ اس کے برعکس حلال کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حرمت کے احکام پر مشتمل نصوص جو صحیح بھی ہوں اور صریح بھی' بہت کم ہیں۔ اور باقی تمام چیزیں' جن کی علت یا حرمت کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے' اصلاً مباح ہیں اور ان کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گرفت نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

((مَا اَحَلَّ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ فَهُوَ حَلَالٌ وَمَاحَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ فَاقْبَلُوْا مِنَ اللّٰهِ عَافِيَةً فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُنْ يُنْسِيُّ شَيْئًا وَتَلَا وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا.)) ❶

''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جس کو حلال ٹھہرایا ہے' وہ حلال ہے اور جس کو حرام ٹھہرایا ہے' وہ حرام ہے اور جن چیزوں کے بارے میں سکوت فرمایا ہے وہ معاف ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اس فیاضی کو قبول کرو' کیونکہ اللہ سے بھول چوک کا صدور نہیں ہوتا۔ پھر آپ ﷺ نے سورۂ مریم کی آیت تلاوت فرمائی۔''

''اللہ سے کبھی بھول سرزد نہیں ہوتی۔''

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

❶ مستدرك حاكم (۲/ ۳۷۵)۔ مسند البزار (۱۱۷'۱۲۳)۔ السنن الكبرىٰ للبيهقي (۱۰/ ۱۲).

((سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ السَّمَنِ وَالْجُبْنِ وَالْفِرَاءِ فَقَالَ: الْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ فِیْ کِتَابِهٖ وَالْحَرَامُ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ فِیْ کِتَابِهٖ وَمَا سَکَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَالَکُمْ)) ❶

رسول اللہ ﷺ سے گھی' پنیر اور گورخر کے بارے میں پوچھا گیا' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال ٹھہرایا ہے۔ اور حرام وہ ہے جسے اس نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرایا ہے۔ رہیں وہ چیزیں جن سے سکوت اختیار فرمایا ہے' تو وہ معاف ہیں۔''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے جزئیات کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا' بلکہ ایک ایسا قاعدہ بیان فرمایا کہ جس سے حلال وحرام میں بآسانی تمیز کی جاسکتی ہے۔ اس کے پیش نظر یہ جان لینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے' جو چیزیں ان کے ماسوا ہیں وہ آپ ہی حلال وطیب قرار پاتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَیِّعُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا' وَحَرَّمَ اَشْیَاءَ فَلَا تَنْتَهِکُوْهَا' وَسَکَتَ عَنْ اَشْیَاءَ رَحْمَةً بِکُمْ مِنْ غَیْرِ نِسْیَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا .)) ❷

''اللہ نے فرائض کو لازم کیا ہے' لہٰذا انہیں ضائع نہ کرو اور حدود مقرر کر دیئے ہیں لہٰذا ان سے تجاوز نہ کرو۔ جن چیزوں کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے ان کی بے حرمتی نہ کرو۔ اور جن چیزوں کے بارے میں اس نے دانستہ سکوت اختیار فرمایا ہے تو یہ سکوت تمہارے لیے باعثِ رحمت ہے۔ لہٰذا ایسی چیزوں کے بارے میں بحث میں نہ پڑو۔''

---

❶ ترمذی' کتاب اللباس: باب ماجاء فی لبس الفراء' ح ۱۷۲۶' ابن ماجه' کتاب الاطعمة: باب اکل الجبن والسمن' ح ۳۳۶۷۔ حسنه الالبانی فی صحیح سنن الترمذی (۱۴۱۰) والحدیث السابق شاهدله۔

❷ سنن الدارقطنی (۴ ۱۸۳۔۱۸۴)۔ السنن الکبری للبیهقی (۱۰/ ۱۲۔۱۳)

یہاں یہ واضح کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مباح الاصل ہونے کا دائرہ اشیاء واعیان تک ہی محدود نہیں ہے' بلکہ اس میں واقعات وتصرفات بھی شامل ہیں' جو عبادات کے قبیل سے نہیں ہیں' اور جن کو اصطلاحاً عادات ومعاملات کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ ﴾ (الانعام: ٦/ ١١٩)

''اس نے وہ چیزیں تفصیل سے بیان کر دی ہیں' جو تم پر حرام ٹھہرائی ہیں۔''

اشیاء اور افعال دونوں کو شامل ہے۔ البتہ عبادات کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ ان دینی امور کا علم جاننا، وحی کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور ان ہی امور کے متعلق حدیث میں آیا ہے:

((مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَرَدٌّ .)) ❶

''جو شخص ہمارے (دین کے) معاملے میں کوئی نئی بات نکالے جو اس سے متعلق نہیں، وہ قابل رد ہے۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ دین دو حقیقتوں اور طریقوں پر مشتمل ہے:

١: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔

٢: اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی طریقہ پر کی جائے جو اُس نے مشروع فرمایا ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی اپنی جانب سے عبادت کا نیا طریقہ نکالے' خواہ وہ کوئی شخص ہو' وہ لازماً گمراہی اور ضلالت ہے' جسے رد کیا جانا چاہیے۔ حقیقتاً عبادت کے طور طریقے جو تقرب الٰہی کا ذریعہ ہیں' مقرر کرنے کا حق شارع اور صرف شارع کو حاصل ہے۔

البتہ عادات ومعاملات کی نوعیت اس سے مختلف ہے۔ ان طور طریقوں کو شارع نے نہیں بلکہ لوگوں نے قائم کیا ہے جس کے مطابق وہ عمل درآمد کرتے رہتے ہیں۔ شریعت تو ان کی تصحیح وتہذیب اور ان میں اعتدال وتوازن پیدا کرنے کا کام انجام دیتی رہی ہے اور جن باتوں (رسوم ورواج) میں کوئی خرابی اور ضرر (نقصان) نہیں تھا ان کو شریعت نے برقرار رکھا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

❶ بخاری' کتاب الصلح: باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود' ح٢٦٩٧ مسلم' کتاب الاقضیة باب: نقض الاحکام الباطلة' ح١٧١٨۔

''اقوال و افعال میں بندوں کے تصرف کی دو قسمیں ہیں۔ (۱)...... ایک قسم عبادات کی ہے جن سے دینی حالت درست ہوتی ہے (۲)...... اور دوسری قسم عادات کی ہے جن کی ضرورت دنیوی معاملات میں ہوتی ہے۔''

شریعت کے اصول کا عمومی اور ایک نظر میں طائرانہ مطالعہ کرنے سے یہ قاعدہ کلیہ اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ عبادات جن کو اللہ تعالیٰ نے واجب یا مستحب ٹھہرایا ہے ان کی یہ حیثیت شریعت ہی سے ثابت ہوسکتی ہے۔ رہیں عادات تو دنیا کے معاملات میں لوگ ضرورتاً ان کے عادی ہوتے ہیں اور وہ اصلاً منع ہیں۔ اس لیے جن چیزوں کو اللہ نے ممنوع قرار دیا ہے ان کے علاوہ کسی اور چیز کو ممنوع نہیں قرار دیا جاسکتا۔ امر و نہی کا معاملہ درحقیقت قانون الٰہی سے متعلق ہے۔ اور عبادت کا معاملہ بھی سراسر اسی کے حکم پر موقوف ہے' لہٰذا جس بات کا حکم اس کی طرف سے نہیں ملا اس پر ممانعت کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے؟

اسی لیے امام احمد رحمہ اللہ اور دیگر فقہائے اہل حدیث رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ عبادات اصلاً توفیقی (جن کا علم وحی کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے) ہیں۔ لہٰذا مشروع وہ ہے جسے اللہ کریم نے مشروع کیا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہم پر صادق آئے گا:

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَٰٓؤُا۟ شَرَعُوا۟ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهِ ٱللَّهُ ﴾

(الشوریٰ: ۴۲/ ۲۱)

''کیا ان کے لیے ایسے شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین کے وہ طریقے گھڑ لیے ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟''

البتہ عادات کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ وہ اصلاً مباح ہیں' اس لیے اس قبیل کی محض ان چیزوں سے روکنا چاہیے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہم پر صادق آئے گا:

﴿ قُلْ أَرَءَيْتُم مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَٰلًا ﴾

(یونس: ۱۰/ ۵۹)

''کہو! تم نے یہ بھی سوچا کہ اللہ نے جو رزق تمہارے لیے نازل فرمایا ہے اس

میں سے کسی کو تم نے حرام اور کسی کو حلال ٹھہرایا؟"

یہ نہایت ہی اہم اور مفید اصول ہے اور اسی اصول کے پیش نظر ہم کہتے ہیں کہ بیع' ہبہ' اجارہ وغیرہ عادات کے قبیل سے ہیں' جن کی طرف لوگ روز مرہ کی زندگی میں ضرورت مند ہوتے ہیں' مثلاً: کھانا' پینا اور لباس۔ شریعت نے ان عادات کو آدابِ حسنہ سے سنوارا ہے۔ اور جن عادات میں خرابی تھی ان کو حرام ٹھہرایا۔ اور جو ضرورت کے قبیل سے تھیں ان کو لازم کر دیا۔ اسی طرح جو عادات نا مناسب تھیں ان کو ناپسندیدہ ٹھہرایا۔ اور جن باتوں میں مصلحت کا پہلو غالب تھا ان کو مستحب قرار دیا۔

اس حقیقت کے پیش نظر لوگ اپنی مرضی کے مطابق لین دین اور اُجرت پر معاملہ کرنے کے لیے آزاد ہیں' جب تک کہ شریعت سے کسی چیز کی حرمت ثابت نہ ہو جائے۔ اس کی مثال خورد ونوش ہے کہ لوگ محرمات کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی مرضی کے مطابق کھاپی سکتے ہیں۔ اگرچہ بعض چیزیں استحباب اور بعض چیزیں کراہت کے درجہ میں ہوتی ہیں۔ لیکن جب تک شریعت پابندی عائد نہ کرے وہ اپنی اصل اطلاقی (اباحت اصلیہ کی) حالت پر باقی رہتی ہیں۔"❶

اس اصول کی تائید صحیح حدیث سے ہوتی ہے جو سیّدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْاٰنُ يَنْزِلُ' فَلَوْكَانَ شَيْءٌ يُنْهٰى عَنْهُ لَنَهٰى عَنْهُ الْقُرْاٰنُ .))❷

"ہم عزل کیا کرتے تھے درآنحالیکہ قرآن نازل ہو رہا ہوتا۔ اگر کوئی بات ایسی ہوتی جس کی ممانعت کی جانی چاہیے تھی' تو قرآن اس سے منع کرتا۔"

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس چیز کے بارے میں وحی نے سکوت اختیار کیا ہے وہ نہ تو حرام ہے اور نہ اس سے روکا گیا ہے۔ ایسی تمام چیزیں لوگوں کے لیے جائز ہیں جب تک کہ ممانعت پر دلالت کرنے والی کوئی نص سامنے نہ آجائے۔ اس معاملہ میں

❶ تالیف ابن تیمیہ' ص ۱۱۲' ۱۱۳ .

❷ بخاری۔ کتاب النکاح: باب العزل' ح ۵۲۰۷' ۵۲۰۸' مسلم' کتاب النکاح: باب حکم العزل' ح: ۱۴۴۰: واللفظ لہ۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا فہم ان کے کمال تفقہ کی علامت ہے۔ الغرض اس سے اسلام کے مہتم بالشان اصول کا تعین ہو جاتا ہے کہ عبادت وہی مشروع ہے جسے اللہ کریم نے مشروع کیا ہے اور عادات سے متعلق کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے حرام کرنے کے بغیر حرام نہیں ہوتی۔

❷ تحلیل وتحریم اللہ ہی کا حق ہے:

اسلام نے دوسرا اصول یہ مقرر کیا کہ وہ اقتدار جو تحلیل وتحریم کے اختیارات کا اصل سرچشمہ ہے، مخلوق کا نہیں بلکہ صرف خالق کا حق ہے۔ کوئی انسان عالم ہو یا درویش، بادشاہ ہو یا حکمران، کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر کسی چیز کو حرام ٹھہرائے۔ جو شخص بھی اس کی جسارت کرے گا وہ حد سے تجاوز کرنے اور اللہ تعالیٰ کے تشریعی حقوق میں زیادتی کا مرتکب ہوگا، اس کی اتباع کرنا اور اپنے عمل سے اس سے اظہارِ رضا مندی کرنا شرک کے مترادف ہے۔

﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ﴾

(الشوریٰ: ۴۲/ ۲۱)

''کیا ان کے لیے ایسے شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین کے وہ طریقے مقرر کر لیے ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟''

یہود و نصاریٰ نے تحلیل وتحریم کے اختیارات اپنے احبار و رُہبان (مُلّا و درویش) کو دے رکھے تھے، جس پر قرآن نے اس طرح سخت نکیر فرمائی:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ (التوبہ: ۹/ ۳۱)

''انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار ورہبان کو اپنا رب بنالیا ہے اور مسیح بن مریم کو بھی۔ حالانکہ انہیں ایک اِلٰہ کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، وہ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ پاک ہے وہ ان کی ان مشرکانہ باتوں سے۔''

حدیث مبارکہ میں ہے:

((وَقَدْ جَاءَ عَدِیُّ بْنُ حَاتِمٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ دَانَ بِالنَّصْرَانِيَّةِ قَبْلَ الْإِسْلَامِ، فَلَمَّا سَمِعَ النَّبِيَّ يَقْرَأُ هٰذِهِ الْآيَةَ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّهُمْ لَمْ يَعْبُدُوهُمْ، فَقَالَ: بَلٰى، إِنَّهُمْ حَرَّمُوا عَلَيْهِمُ الْحَلَالَ وَأَحَلُّوا لَهُمُ الْحَرَامَ فَاتَّبَعُوهُمْ، فَذٰلِكَ عِبَادَتُهُمْ إِيَّاهُمْ.)) ❶

عدی بن حاتم جنہوں نے اسلام سے پہلے نصرانیت قبول کر لی تھی، جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ان لوگوں نے اپنے احبار و رُہبان کی عبادت تو نہیں کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں؟ انہوں نے ان پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرایا تھا اور ان لوگوں نے ان کی اتباع کی، احبار و رہبان کی عبادت کا یہی مطلب ہے۔''

دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

((أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوهُ وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ.)) ❷

''یہ لوگ احبار و رہبان کی پرستش نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے حلال کیے ہوئے کو حلال اور ان کے حرام کیے ہوئے کو حرام کر لیتے تھے۔''

نصاریٰ اس زعم باطل میں مبتلا رہے، کہ مسیح علیہ السلام نے آسمان پر جاتے ہوئے اپنے شاگردوں کو یہ اختیار تفویض فرمایا تھا کہ وہ جس طرح چاہیں حلال و حرام ٹھہرائیں، چنانچہ انجیل متی میں ہے:

''میں تم سے سچ کہتا ہوں: جو کچھ تم زمین پر باندھو گے وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تم زمین پر کھولو گے وہ آسمان پر کھلے گا۔'' (متی ۱۸:۱۸)

اسی طرح قرآن نے تحلیل و تحریم کے معاملہ میں مشرکین کے طرز عمل کو بھی غلط قرار دیا:

---

❶ السنن الکبری للبیهقی (۱۰/ ۱۱۶)

❷ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب و من سورة التوبة، ح۳۰۹۵.

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴾ (یونس: ۱۰/ ۵۹)

''کہو! تم نے یہ بھی سوچا کہ اللہ نے جو رزق تمہارے لیے نازل فرمایا ہے اس میں سے تم نے کسی کو حرام اور کسی کو حلال ٹھہرالیا؟ کہو! اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ پر افترا پردازی کر رہے ہو''؟

نیز فرمایا:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ﴾

(النحل: ١٦/ ١١٦)

''یہ جو تمہاری زبانیں اللہ پر افتراء (جھوٹا الزام لگانا) کرتے ہوئے جھوٹے احکام لگایا کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام' تو ایسی باتیں نہ کرو' جو لوگ اللہ پر افتراء کرتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہ پائیں گے۔''

ان روشن آیات اور واضح احادیث سے فقہائے اسلام نے حتمی طور پر جان لیا کہ حلت و حرمت کا اختیار اللہ وحدہ ہی کو ہے اور وہ اپنی کتاب یا اپنے رسول ﷺ کی زبانی لوگوں کو حلال وحرام سے آگاہ کرتا ہے اور فقہاء کا کام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ وہ حلت وحرمت کو بیان کریں۔ شریعت سازی ان کا کام نہیں۔ یہ فقہاء، اجتہاد و امامت کی صلاحیت رکھنے کے باوجود فتویٰ دینے سے احتراز کرتے تھے اور یہ کام دوسروں کے سپرد کرتے تھے اس اندیشہ سے کہ غلطی سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کر بیٹھیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ''کتاب الأم'' میں قاضی ابو یوسف سے روایت نقل کی ہے' فرماتے ہیں:

''میں نے بہت سے اہل علم مشائخ کو دیکھا کہ وہ فتویٰ دینا پسند نہیں کرتے اور کسی چیز کو حلال یا حرام کہنے کی بجائے کتاب اللہ میں جو کچھ ہے اسے بلا تفسیر بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔''

ابن سائب جو ممتاز تابعی ہیں' کہتے ہیں کہ اس بات سے حد المقدور بچو کہ تمہارا

حال اس شخص کا سا ہو جائے جو کہتا ہے کہ اللہ نے فلاں چیز حلال کی ہے یا اسے پسند ہے' لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نہ میں نے اس کو حلال کیا تھا اور نہ مجھے پسند تھی۔ اسی طرح تمہارا حال اس شخص کا سا بھی نہ ہو جائے جو کہتا ہے کہ فلاں چیز حق تعالیٰ نے حرام کر دی ہے' لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹا ہے' میں نے نہ اسے حرام کیا تھا اور نہ اس سے روکا تھا۔

ابراہیم نخعی سے جو کوفہ کے ممتاز فقہائے تابعین میں سے ہیں' منقول ہے کہ جب ان کے اصحاب فتویٰ دیتے تو ''یہ مکروہ ہے'' یا ''اس میں کوئی حرج نہیں'' کے الفاظ استعمال کرتے۔ کیونکہ کسی چیز پر حلت وحرمت کا حکم لگانے سے زیادہ غیر ذمہ دارانہ بات اور کیا ہو سکتی ہے؟''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ سلف صالحین حرام کا اطلاق اسی چیز پر کرتے تھے جس کی حرمت قطعی طور پر ثابت ہوتی۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کسی ایسے سوال کے جواب میں فرماتے: ''میں اسے مکروہ خیال کرتا ہوں' یا اچھا نہیں سمجھتا' یا یہ پسندیدہ نہیں ہے۔'' یہی بات امام مالک رحمہ اللہ ' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر تمام ائمہ رحمہم اللہ سے منقول ہے۔

❸ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینا شرک کے قبیل سے ہے:

اسلام نے ان لوگوں کی سخت مذمت کی ہے جو تحلیل وتحریم کے مختار ومجاز کل بن جاتے ہیں۔ خاص طور سے اس نے حلال کو حرام کرنے والوں پر شدید گرفت کی ہے' کیونکہ اس کے نتیجہ میں انسان بلاوجہ تنگی اور مشقت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور آخر کار تعمق (تشدد) پسندانہ مذہبیت کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے' حالانکہ نبی ﷺ نے تعمق وتشدد کے رجحان کو سختی سے دبایا اور اس قسم کا رویہ اختیار کرنے والوں کی سخت مذمت کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَ لَا هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ' اَلَا هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ' اَ لَا هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ .)) ❶

❶ مسند احمد (٣٨٦١)۔ مسلم' كتاب العلم: باب هلك المتنطعون' ح ٢٦٧٠ ابوداود' كتاب السنة: باب فى لزوم السنة' ح ٤٦٠٨ .

''آگاہ ہو جاؤ! دین میں تعمق و تشدد پیدا کرنے والے ہلاک ہو گئے' آگاہ ہو جاؤ کہ دین میں تعمق و تشدد پیدا کرنے والے ہلاک ہو گئے' آگاہ ہو جاؤ! کہ دین میں تعمق و تشدد پیدا کرنے والے ہلاک ہو گئے۔''

اور رسالتِ محمدی ﷺ کی خصوصیت یہ بیان فرمائی:

((بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ .)) ❶

''میں ایسے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو حنیف بھی ہے اور فراخ کشادہ بھی۔''

چنانچہ یہ دین عقیدہ و توحید کے معاملہ میں حنیف اور شریعت و اعمال کے معاملہ میں فراخ ہے۔ شرک و کفر اور حلال کو حرام کرنے جیسے افعال اس کی بالکل ضد ہیں۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

((اِنِّىْ خَلَقْتُ عِبَادِى حُنَفَاءَ وَاِنَّهُمْ اَتَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِيْنِهِمْ وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا اَحْلَلْتُ لَهُمْ وَاَمَرَتْهُمْ اَنْ لاَ يُشْرِكُوْا بِى مَالَمْ اُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا .)) ❷

''میں نے اپنے بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا ہے' لیکن شیطانوں نے انہیں بہکایا اور ان پر ان چیزوں کو حرام کر دیا جن کو میں نے حلال کیا تھا' اور انہیں حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ ان کو شریک ٹھہرائیں کہ جس کی میں نے کوئی سند نازل نہیں کی۔''

اس سے واضح ہے کہ حلال کو حرام کرنا شرک کے قبیل سے ہے۔ اسی لیے قرآن نے مشرکین عرب کے شرک' بت پرستی اور کھیتی اور چوپایوں جیسی پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینے پر سخت نکیر کی۔ بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام ان ہی کے حرام کردہ چوپائے تھے۔ چنانچہ

---

❶ یہ روایت مسند احمد کے حوالہ سے صحیح لغیرہ ہے باختلاف الفاظ، مسند احمد بن حنبل، ١/ ٢٣٦، رقم الحديث: ١٢٠٧-٦/ ١١٦، رقم الحديث: ٢٤٨٥٥، الادب المفرد للبخاري، رقم الحديث: ٢٨٧، المعجم الكبير للطبراني، ٨/ ٢١٦، رقم: ٧٨٦٨، سلسلة الاحاديث الصحيحة للالباني، رقم الحديث: ١٨٨ .

❷ مسلم' كتاب الجنة: باب الصفات التى يعرف بها فى الدنيا اهل الجنة' ح ٢٨٦٥ .

جب اونٹنی پانچ بچے جنم دے لیتی اور آخری بچہ نر ہوتا تو یہ مشرکین اس اونٹنی کے کان کاٹ ڈالتے اور اس پر سواری کرنے کو ممنوع قرار دے کر اسے اپنے معبودوں کے لیے چھوڑ دیتے۔ پھر اس کو ذبح کرنا اور اس پر بار برداری کرنا سب حرام ہو جاتا' اس کو پانی کے گھاٹ یا چراگاہ سے ہٹایا بھی نہیں جا سکتا تھا' اس کا نام انہوں نے بحیرہ یعنی کان کٹی ہوئی اونٹنی رکھا تھا۔

اسی طرح سائبہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جس کو کوئی شخص اپنے سفر سے واپس آ جانے یا مرض سے شفایاب ہو جانے پر اپنے معبودوں کے نام پر چھوڑ دیتا۔

بکری اگر مادہ جنتی تو اس کو اپنا حق سمجھتے اور اگر نر جنتی تو وہ ان کے معبودوں کا حق ہوتا اور اگر نر و مادہ دونوں جنتی تو نر کو اپنے معبودوں کے لیے ذبح کرنے کی بجائے اسے آزاد چھوڑ دیتے اور اس کا نام ''وصیلہ'' رکھتے۔ اسی طرح اس اونٹ کو جس کے بچے کا بچہ بار برداری کے قابل ہو جاتا تو اس بوڑھے اونٹ پر سواری اور بار برداری کو ممنوع قرار دیتے اور اس کا نام حام رکھتے۔ قرآن کریم نے اس تحریم کو منکر (نافرمانی اور گناہ کا کام) قرار دیا اور اس قسم کی گمراہیوں میں اپنے آباء کی تقلید کے لیے کوئی گنجائش نہیں رکھی' فرمایا:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝﴾

(المائدۃ: ۵/ ۱۰۳-۱۰۴)

''اللہ نے نہ بحیرہ مقرر کیا ہے' نہ سائبہ' نہ وصیلہ اور نہ ہی حام۔ یہ کافر اللہ پر جھوٹی تہمت لگاتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ جب انہیں دعوت دی جاتی ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے اتاری ہے اور اس کے رسول کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہ طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو (عمل کرتے ہوئے) پایا ہے۔ کیا یہ اس صورت میں بھی اپنے باپ دادا کی تقلید کریں گے جبکہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانتے رہے ہوں اور نہ ہدایت پر رہے ہوں؟''

سورۂ اعراف میں اصل حرام چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾

(الاعراف : ۷/ ۳۲)

''کہو! کس نے حرام ٹھہرایا ہے اللہ کی اُس زینت کو جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو؟''

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۳﴾ (الاعراف : ۷/ ۳۳)

''کہو! میرے رب نے تو جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے وہ یہ ہیں' بے حیائی کے کام خواہ کھلے ہوں یا چھپے۔ گناہ۔ ناحق زیادتی اور یہ کہ اللہ کا کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کی سند اللہ نے نہیں نازل کی۔ نیز یہ کہ اللہ کی طرف منسوب کر کے کوئی ایسی بات کہو جس کا تمھیں علم نہیں۔''

تحلیل وتحریم کی یہ بحث مکی سورتوں میں آئی ہے' جو اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کی نظر میں یہ مسئلہ فروعات و جزئیات کا نہیں بلکہ اصول وکلیات کا ہے۔

مدینہ میں کچھ مسلمان ایسے تھے جن کے اندر شدت پسندی اور طیبات (پاکیزہ چیزوں) کو اپنے نفس پر حرام کرنے کا رُجحان پیدا ہوگیا تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے محکم آیات نازل فرما کر ان کو حدودُ اللہ اور صراط مستقیم پر قائم رہنے کی ہدایت فرمائی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۸۷ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸﴾ (المائدۃ : ۵/ ۸۷-۸۸)

''اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ ٹھہراؤ اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ یقین جانو! اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جو حلال وطیب رزق اللہ نے تم کو بخشا ہے اسے کھاؤ اور اس اللہ

سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔''

❹ حرام چیزیں باعث مضرت ہیں:

اللہ تعالیٰ انسانوں کا خالق ہے اور ان پر اس کے بے شمار احسانات ہیں' اس لیے یہ اسی کا حق ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے انسان کے لیے حلال اور جس چیز کو چاہے' حرام ٹھہرائے۔ اس پر اعتراض کرنے یا اس کی نافرمانی کرنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یہ اس کی ربوبیت کا حق اور اس کی بندگی کا صریح تقاضا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام و حلال، معقول وجوہ ہی کی بنا پر ٹھہرایا ہے اور انسان کا حقیقی مفاد اسی سے وابستہ ہے۔ اللہ نے پاکیزہ چیزوں ہی کو حلال قرار دیا اور ناپاک چیزوں ہی کو حرام ٹھہرایا ہے۔

البتہ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ نے بعض اچھی چیزیں بھی حرام کر دی تھیں یہ فیصلہ ان کی سرکشی کی وجہ سے سزا کے طور پر تھا' لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو دائمی دین کے ساتھ مبعوث فرمایا تو اُس کی رحمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ اس بوجھ کو ہلکا کر دیا جائے۔ گناہوں کے کفارہ کے لیے بھی اسلام نے طیبات کو حرام نہیں کیا بلکہ کفارہ کی ادائیگی کی دوسری شکلیں متعین کر دیں۔

- ❀ چنانچہ خالص توبہ گناہوں کو اس طرح صاف کرتی ہے جس طرح پانی گندگی کو۔
- ❀ اسی طرح نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں اور صدقہ گناہوں کو اس طرح بجھاتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے۔
- ❀ علاوہ ازیں مصائب و آلام میں گناہ اس طرح جھڑنے لگتے ہیں جس طرح موسم خزاں میں پتے جھڑتے ہیں۔

اسی لیے اسلام کی یہ حقیقت معروف ہوگئی کہ اس نے جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے وہ انسانیت کے لیے ہر طرح سے خرابی ومضرت کا باعث ہیں۔

چنانچہ جو چیز خالص مضرت کی (نقصان کی باعث) تھی اس کو حرام کر دیا اور جو چیز خالص منفعت کی تھی اس کو حلال کر دیا۔ اسی طرح جس کی مضرت، منفعت سے زیادہ تھی اس کو حرام اور جس کی منفعت زیادہ تھی اس کو حلال قرار دیا۔ اس کی صراحت قرآن نے شراب

اور جوئے کے معاملہ میں یوں میں کی ہے:

﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَٰفِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾ (البقرة: ۲/ ۲۱۹)

''وہ تم سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں' کہو! ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں' لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھ کر۔''

ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ ان خباثتوں اور مضرتوں (کے اسباب و دواعی) کو جان لے جن کی وجہ سے اسلام نے کسی چیز کو حرام ٹھہرایا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دوسروں کے مقابلہ میں اس کا علم کم ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی حرام کردہ خباثت ابھی ظاہر نہ ہوئی ہو اور کسی دوسرے زمانہ میں ظاہر ہو جائے۔ مؤمن کا کام تو ہمیشہ سمع واطاعت ہے۔

خنزیر (سور) ہی کی مثال لیجیے۔ اللہ نے اس کا گوشت حرام کیا' لیکن اس وقت اس کی علت (وجہ، حکمت) مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آئی' سوائے اس کے کہ یہ نجس جانور ہے۔ لیکن زمانہ کی ترقی نے یہ انکشاف کیا کہ اس میں مہلک جراثیم اور کیڑے ہوتے ہیں۔ اگر یہ انکشاف نہ بھی ہوا ہوتا' یا اس بارے میں آئندہ مزید انکشافات ہو جائیں، بہر صورت ایک مسلمان اپنے اس عقیدہ پر قائم رہے گا کہ سور کا گوشت حرام ہے۔

دوسری مثال نبی ﷺ کی اس حدیث سے واضح ہے:

((اِتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَ:اَلْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةَ الطَّرِيقِ وَالظِّلَّ .)) ❶

''تین باتوں سے بچو جو موجب لعنت ہیں: پانی پینے کی جگہوں میں، وسط راہ میں اور سایہ دار جگہ میں پاخانہ کرنا۔''

---

❶ ابوداود' کتاب الطھارۃ، باب المواضع التی نهی عن البول فیها' ح٢٦' ابن ماجه' کتاب الطهارة: باب النهی عن الخلاء علی قارعة الطریق' ح٣٢٨ وله شاهد غیر مسلم فی کتاب الطهارة: باب النهی عن التخلی فی الطرق والظلال' ح ٢٦٩ بلفظ اتقوا اللعانین .

اس حدیث کا مطلب قُرونِ اُولیٰ میں صرف اس حد تک سمجھا گیا کہ یہ بُری باتیں ہیں' جو عقل سلیم اور شائستگی کے خلاف ہیں' لیکن علمی انکشافات کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ یہ چیزیں عام صحت کے لیے سخت مضر ہیں' کیونکہ ان سے خطرناک قسم کے متعدی امراض پھیلتے ہیں۔

اس طرح علم کی روشنی جتنی پھیلے گی اور انکشافات کا دائرہ جتنا وسیع ہوگا اسلام کی وہ مصلحتیں بھی واضح ہوتی چلی جائیں گی جو اس کے حلال وحرام میں بلکہ پورے تشریعی نظام میں پوشیدہ ہیں اور مصلحتیں کیسے نہیں ہوں گی جبکہ یہ شریعت اس ہستی کی طرف سے ہے جو علیم وحکیم ہونے کے ساتھ اپنے بندوں پر مہربان بھی ہے:

﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۲۰)

''اللہ بگاڑ پیدا کرنے والے کو بھی جانتا ہے اور بھلائی کرنے والے کو بھی' اگر اللہ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا۔ یقیناً اللہ غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی۔''

۵ حلال' حرام سے بے نیاز کر دیتا ہے:

اسلام کمال درجہ کی خوبیوں کا دین ہے اور اس نے لوگوں کے لیے بڑی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ اُس نے جس چیز کو ہم پر حرام ٹھہرایا ہے' اس کا نعم البدل ضرور عطاء کیا ہے۔ ایسا نعم البدل جس سے لوگوں کی ضرورتیں بھی پوری ہوں اور وہ حرام سے بے نیاز بھی ہو جائیں۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس پر بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

- اسلام نے پانسوں (قسمت کے تیر جوں سے فال اور شگونِ بد لیتے تھے) کے ذریعہ قسمت معلوم کرنے کو حرام ٹھہرایا اور اس کے بدل کے طور پر دعائے استخارہ عطا فرمائی۔
- سُود کو حرام کیا تو اُس کے عوض نفع بخش تجارت کو جائز کیا۔
- جوئے کو حرام کر دیا اور اس کی بجائے اس مال کا کھانا جائز کر دیا جو گھوڑے' اونٹ اور تیروں کے مقابلوں کے ذریعہ حاصل ہو جو مقابلے شرعاً مفید خیال کیے گئے ہیں۔
- ریشم مردوں پر حرام کیا لیکن اس کے عوض اون' کتان اور روئی کے انواع و اقسام کے لباس زینت سے نوازا۔

❀ زنا اور لواطت کو حرام ٹھہرایا اور ان کی بجائے سنت نکاح کو حلال ٹھہرایا۔

❀ منشیات کو حرام کیا لیکن اس کے نعم البدل کے طور پر لذیذ مشروبات عطا کیے' جو رُوح اور بدن دونوں کے لیے مفید ہیں۔

❀ کھانے کی چیزوں میں جہاں ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیا وہاں پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا۔

اگر ہم اسلام کے جملہ احکام کا تتبع کریں تو یہ حقیقت پوری طرح روشن ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اگر ایک جانب سے تنگی پیدا کی ہے (یہ تنگی پیدا کرنا بھی حکمت سے خالی نہیں) تو دوسری جانب سے وسعت کا دروازہ بھی کھول دیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مشقت اور سختی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا' بلکہ ان کے لیے آسانی پیدا کرنا اور ان کو خیر' ہدایت اور رحمت سے نوازنا چاہتا ہے' جیسا کہ فرمایا:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾﴾ (النساء: ٤/ ٢٦تا٢٨)

''اللہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنے احکام واضح کر دے اور تمہیں اُن لوگوں کے طریقوں کی ہدایت بخشے جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں اور اپنی رحمت کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ ہو اور اللہ علیم وحکیم ہے۔ اللہ تو تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن جو لوگ خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہ راست بھٹک کر دُور نکل جاؤ' اللہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

٦ جو چیز حرام کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے:

اسلام کا اصول یہ ہے کہ جو چیز حرام کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے۔ اس طرح اسلام نے حرام کے ذرائع کا بھی سدباب کیا ہے۔ مثال کے طور پر اسلام نے زنا کو حرام کیا تو اس

کے مقدمات و محرکات کو بھی حرام کر دیا۔ مثلاً تبرج جاہلیہ' گناہ آمیز خلوت' بے جا اختلاط' برہنہ تصاویر' عریاں لٹریچر اور فحش گانے وغیرہ۔ اسی بنا پر فقہاء اسلام نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ ''جو چیز حرام کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے۔''

یہ قاعدہ اسلام کے اس اصول کے عین مطابق ہے کہ گنہگار صرف وہ شخص نہیں ہے جو حرام کا مرتکب ہوا ہے' بلکہ اس گناہ میں وہ تمام لوگ شریک ہیں جو اس کام میں کسی نہ کسی حیثیت سے معاون رہے ہیں۔ خواہ تعاون کی نوعیت مادی رہی ہو یا لٹریری (تحریری)۔ حرام کے معاملہ میں جس قدر وہ تعاون کرتے رہے ہیں اسی قدر ان کا گناہ میں حصہ ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے نہ صرف شراب پینے والے پر لعنت فرمائی ہے' بلکہ نچوڑنے والے' اُٹھا کر لے جانے والے اور جس کے لیے اُٹھا کر لے جائی جائے' ان سب پر' نیز اس کی قیمت کھا جانے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ ❶

اسی طرح سُود کھانے والے' کھلانے والے' اس کی دستاویز لکھنے والے اور گواہ بننے والے، سب پر لعنت فرمائی ہے۔ ❷ لہٰذا جو چیز حرام میں معاونت کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے اور جو شخص حرام میں معاونت کرے گا وہ گناہ میں شریک ہوگا۔

۷ حرام کے لیے حیلے تلاش کرنا بھی حرام ہے:

اسلام نے جہاں ان ظاہری وسائل کو حرام کیا' جو محرمات کا باعث ہوں' وہاں اُس نے اُن خفیہ ذرائع اور شیطانی حیلوں کو بھی حرام قرار دیا جن کے پس پردہ حرام کو حلال کیا جاسکتا ہے۔

یہودیوں نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے کے لیے جو حیلہ بازیاں کی تھیں اُن کی اسلام نے سخت مذمت کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَرْتَكِبُوْا مَا ارْتَكَبَ الْيَهُوْدُ وَتَسْتَحِلُّوا مَحَارِمَ اللّٰهِ بِأَدْنَى

---

❶ ابوداود' كتاب الاشربة:باب العصير للخمر' ح٣٦٧٤' ابن ماجه' كتاب الاشربة: باب لعنة الخمر على عشره'ح ٣٣٨٠' ٣٣٨١۔

❷ مسلم' كتاب المساقاة: باب لعن أكل الرباء ومؤكله' ح ١٥٩٨۔

الْحِیَلِ .)) ❶

''یہودیوں نے جس کا ارتکاب کیا تم اُس کا ارتکاب نہ کرو کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو ادنیٰ حیلوں کے ذریعہ حلال کرنے لگو۔''

یہودیوں پر اللہ نے سبت (سنیچر ہفتہ) کے دن شکار کرنا حرام کر دیا تھا' لیکن انہوں نے حیلہ کر کے حرام کو حلال کر لیا۔ چنانچہ وہ جمعہ کے دن سمندر کے کنارے خندقیں کھودتے' تاکہ سبت (سنیچر ہفتہ) کے دن مچھلیاں اس میں آ کر جمع ہوتی رہیں اور اتوار کے دن وہ ان کو پکڑ سکیں۔ ان حیلہ سازوں کے نزدیک ایسا کرنا جائز تھا' لیکن فقہائے اسلام کے نزدیک حرام ہے' کیونکہ یہ بات اللہ کے حکم کے خلاف ہے جس کا منشاء ہی یہ تھا کہ وہ شکار سے رک جائیں۔ خواہ شکار براہ راست ہو یا بالواسطہ۔

کسی حرام چیز کا نام یا اس کی صورت بدل دینا جبکہ اس کی اصل حقیقت اپنی جگہ برقرار ہو' ناجائز قسم کا حیلہ ہی ہے۔ محض نام یا صورت کی تبدیلی کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اگر لوگ محرمات کے لیے نئی نئی صورتیں ایجاد کرنے لگیں یا سود جیسی ناپاک چیز کے لیے حیلہ بازی پر اتر آئیں' یا شراب کا کوئی خوبصورت نام رکھ کر پینا جائز کر لیں تو ایسی صورت میں ان کی حرمت اور گناہ میں کوئی فرق واقع نہ ہوگا۔ حدیث میں یہ پیشگی انتباہ موجود ہے فرمایا:

((لَیَسْتَحِلَّنَّ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ یُسَمُّوْنَهَا بِغَیْرِ اسْمِهَا .)) ❷

''میری اُمت کا ایک گروہ شراب کا نام بدل کر اس کو حلال کر لے گا۔''

((یَأْتِي عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَسْتَحِلُّوْنَ الرِّبَا بِاسْمِ الْبَیْعِ .))❸

''ایک زمانہ آئے گا جب لوگ سُود کو بیع کے نام سے حلال کر لیں گے۔''

اور یہ بھی تو زمانہ کی نیرنگیاں ہیں کہ لوگوں نے اخلاق سوز رقص کا نام ''فن'' رکھ دیا

❶ ابن بطة في ابطال الحيل (ص۔٣٤) كما في غاية المرام و ضعفه الالباني' ولكن اورده في آداب الزفاف (ص۔١٩٢) و بعد تبين له انه ضعيف افطر تراجع والعلامة اللالباني .

❷ مسند احمد (٥/ ٣١٨)' نسائي' كتاب الاشربة : باب منزلة الخمر' ح٥٦٦١' ابن ماجه' كتاب الاشربة: باب الخمر يسمونها بغير اسمها' ح٣٣٨٥ .

❸ إغاثة اللهفان لابن القيم، ١/ ٥١٩، غريب الحديث للخطابي، (ق٤٢/).

ہے اور شراب کو ''مشروبات روحیہ'' اور سود کو ''پرافٹ Profit (نفع)'' کے نام سے موسوم کر بیٹھے ہیں۔

❽ نیک نیتی، حرام کو حلال نہیں کرتی:

یہ بات صحیح ہے کہ اسلام نے شرعی معاملات میں نیک ارادہ اور نیک نیتی کا اعتبار کیا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَانَوٰی .)) ❶

''اعمال میں اعتبار نیت کا ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اُس نے نیت کی''۔

نیک نیتی کی بنا پر مباح اور عادات کے قبیل کے کام، اطاعت وتقرب کے کام بن جاتے ہیں۔ مثلاً جو شخص اس نیت سے کھانا کھاتا ہے کہ بقائے حیات اور تقویت بدن کے اس ذریعہ سے وہ اپنے رب کے عائد کردہ فرائض اور اپنی ملی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے قابل ہو جائے گا' تو اس کا کھانا اور پینا، سب عبادت وتقرب ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنی بیوی سے اولاد کے لیے' یا پاکدامنی کی خاطر مباشرت کرتا ہے تو اس کا یہ فعل بھی عبادت ہی ہے' جس پر وہ اجر کا مستحق ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((وَفِیْ بِضْعِ اَحَدِکُمْ صَدَقَةٌ' قَالُوْا اَیَأْتِیْ اَحَدُنَا شَهْوَتَهٗ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَیَکُوْنَ لَهٗ فِیْهَا اَجْرٌ؟ قَالَ اَلَیْسَ اِنْ وَضَعَهَا فِیْ حَرَامٍ کَانَ عَلَیْهِ وِزْرٌ؟ فَکَذٰلِكَ اِذَا وَضَعَهَا فِیْ حَلَالٍ کَانَ لَهٗ اَجْرٌ .))❷

''تم میں کسی کا اپنی بیوی سے مباشرت کرنا بھی صدقہ ہے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کوئی شخص اپنی شہوت پوری کرے کیا اُسے اجر بھی ملے گا؟ فرمایا: ''اگر وہ حرام مباشرت کا مرتکب ہوتا تو کیا وہ گنہگار نہ

---

❶ بخاری کتاب بدء الوحی: باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللهﷺ' ح۱۔ مسلم' کتاب الامارۃ: باب قولهﷺ " انما الاعمال بالنية"ح'۱۹۰۷ .

❷ مسلم' کتاب الزکوٰۃ: باب بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف' ح'۱۰۰۶ .

ہوتا؟ اسی طرح وہ جائز مباشرت کرنے پر اجر کا مستحق ہے۔"

نیز حدیث میں آیا ہے:

((وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا تَعَفُّفًا عَنِ الْمَسْأَلَةِ وَسَعْيًا عَلٰى عِيَالِهٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰى جَارِهٖ لَقِيَ اللّٰهَ وَوَجْهُهٗ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ .)) ❶

"جو شخص دنیا کی جائز چیزوں کا طلب گار ہوا اپنی خودداری کو باقی رکھنے' اپنے اہل وعیال کا نفقہ ادا کرنے اور اپنے پڑوسی پر مہربان ہونے کی غرض سے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا ہوگا۔"

اس طرح ہر جائز کام جو مؤمن انجام دیتا ہے، حسن نیت کی بنا پر عبادت بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس حرام کام حرام ہی رہتا ہے خواہ اس کا ارتکاب کتنی ہی نیک نیتی کے ساتھ کیوں نہ کیا جائے اور (بزعم خود) کتنا ہی اعلیٰ مقصد پیش کیوں نہ ہو۔ اسلام کو یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ حرام کو بنایا جائے۔ اسلام میں مقصد کا اعلیٰ ہونا اور اس کے حصول کے ذرائع کا پاکیزہ ہونا، دونوں ہی مطلوب ہیں۔ اسلامی شریعت اس قاعدہ کو ہرگز تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ "مقصد ہر قسم کے ذریعہ کو جائز کر دیتا ہے۔" اور نہ اُس کے نزدیک یہ اصول ہی قابل قبول ہے کہ "صحیح مقصد کے حصول کے لیے بہ کثرت غلط طریقے اختیار کرنا پڑتے ہیں۔" برخلاف اس کے اسلام یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ "صحیح مقصد کے لیے صحیح طریقے (شریعت کے مطابق) ہی اختیار کیے جائیں۔"

لہٰذا اگر کوئی شخص اس غرض سے سُود' رشوت' حرام کھیل' جوا اور دیگر محظورات کے ذریعہ روپیہ کماتا ہے کہ وہ مسجد تعمیر کرے گا' یا رفاہی خدمت انجام دے گا تو مقصد کی یہ پاکیزگی حرمت کو رفع (ختم) نہیں کرتی۔ کیوں کہ اسلام میں مقاصد اور نیتیں حرام پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ نبی ﷺ نے ہمیں اسی کی تعلیم دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

---

❶ ابو نعیم فی "الحلیة" (۳/ ۱۰۹-۱۱۰) من طریق الطبرانی (۸/ ۳۱۵) وغیرہ والبیهقی فی الشعب۔(۷/ ۲۹۸' ح' ۱۰۳۷۴' ۱۰۳۷۵) اسنادہ ضعیف لانقطاعه .

((إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا' وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (المؤمنون:٥١) وَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ [البقرة : ١٧٢) ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ "يَارَبِّ يَارَبِّ" وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟)) ❶

''اللہ پاک ہے اور پاک چیزوں ہی کو قبول فرماتا ہے۔ اہل ایمان کو اس نے اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا حکم کہ اس نے اپنے رسولوں کو دیا۔ چنانچہ قرآن میں فرمایا :''اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو اس کا مجھے اچھی طرح علم ہے۔'' نیز فرمایا: 'اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں عطا کی ہیں انہیں کھاؤ۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص طویل سفر کرتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ بال پریشان ہیں' پاؤں غبار آلود ہیں اور اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے'' اے رب' اے رب'' لیکن اس کا کھانا حرام' پینا حرام' لباس حرام اور حرام کھا کر ہی وہ پلا ہے' تو ایسے شخص کی دُعا کیونکر قبول ہوگی؟''

اور فرمایا:

((مَنْ جَمَعَ مَالاً مِنْ حَرَامٍ ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ فِيهِ أَجْرٌ وَكَانَ إِصْرُهُ عَلَيْهِ)) ❷

''جس نے حرام مال جمع کیا اور پھر اسے صدقہ کیا تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں

---

❶ مسلم' كتاب الزكوٰة: باب قبول الصدقة من الكسب الطيب' ح ١٠١٥' ترمذی كتاب تفسير القرآن:باب ومن سورة البقرة: ح ٢٩٨٩ ۔

❷ مستدرك حاكم (١/ ٣٩٠) صحيح ابن حبان(الاحسان۔ ٣٢٠٦)۔ (موارد۔ ٨٣٦'٧٩٧)۔ شرح السنة (١٥٩١)۔ واسناده ضعيف ۔

ہے' بلکہ اس پر (حرام کمائی کے) گناہ کا بار ہے۔"

نیز فرمایا:

((لَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالاً حَرَامًا فَيَتَصَدَّقُ بِهٖ فَيُقْبَلُ مِنْهُ' وَلَا يُنْفِقُ مِنْهُ فَيُبَارَكُ لَهُ فِيْهِ' وَلَا يَتْرُكُهُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ اِلَّا كَانَ زَادَهُ اِلَى النَّارِ' اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يَمْحُوْ السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ' وَلٰكِنْ يَمْحُوالسَّيِّئَ بِالْحَسَنِ' اِنَّ الْخَبِيْثَ لَا يَمْحُوْ الْخَبِيْثَ)) ❶

"بندہ حرام مال کما کر جو صدقہ کرتا ہے وہ قبول نہیں ہوتا۔ اس میں سے جو کچھ وہ خرچ کرتا ہے اس میں برکت بھی نہیں ہوتی۔ اور جو اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے وہ جہنم کے لیے زادِراہ بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا' بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ گندگی، گندگی کو نہیں مٹاتی۔"

❾ حرام میں مبتلا ہو جانے کے اندیشہ سے مشتبہات سے بچنا:

اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت ہے کہ اُس نے حلال وحرام کا معاملہ لوگوں پر مبہم نہیں رکھا۔ بلکہ حلال کو واضح کر دیا اور حرام کی تفصیل بیان کر دی:

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ﴾ (الانعام: ٦/ ١٩٩)

"اس نے وہ چیزیں تفصیل سے بیان کر دی ہیں' جو تم پر حرام کر دی ہیں۔"

لٰہذا جو چیز واضح طور پر حلال ہے اس کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جو چیز واضح طور پر حرام ہے اس کو اضطراری حالت کے سوا (جس کی صراحت خود قرآن کریم میں ہے) اختیار کرنے کی رخصت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ایک دائرہ واضح حرام کے درمیان مشتبہات کا بھی ہے۔ ایسے اُمور میں لوگ التباس محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کبھی تو دلائل ہی غیر واضح ہوتے ہیں اور کبھی نص کو پیش آمدہ واقعہ پر منطبق کرنا سخت اُلجھن کا باعث بن جاتا ہے۔ اس قسم کے مشتبہ اُمور سے بچنے کا نام اسلام میں تورّع (تقویٰ) ہے۔ یہ تورّع سد ذریعہ کا کام دیتا ہے اور انسان کی صحیح ڈھنگ پر تربیت کرتا ہے'

❶ مسند احمد (١/ ٣٨٧) واسناده ضعيف.

ورنہ اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی مشتبہات میں پڑ کر حرام کا ارتکاب نہ کر بیٹھے۔ یہ اصول نبی ﷺ کے اس ارشاد پر مبنی ہے:

((اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَ ذٰلِكَ أُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ، لَا يَدْرِيْ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ أَمِنَ الْحَلَالِ هِيَ أَمِ الْحَرَامِ، فَمَنْ تَرَكَهَا اِسْتِبْرَاءً لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ فَقَدْ سَلِمَ، وَمَنْ وَاقَعَ شَيْئًا مِنْهَا يُوْشِكُ اَنْ يُوَاقِعَ الْحَرَامَ كَمَا اَنَّ مَنْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى اَوْشَكَ اَنْ يُوَاقِعَهُ، اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا وَاِنَّ حِمَى اللّٰهِ مُحَارِمُهُ.)) ❶

''حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں۔ جن کے بارے میں بہت سے لوگوں کو نہیں معلوم' کہ آیا یہ حلال ہیں یا حرام' تو جو شخص اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچانے کے لیے ان سے احتراز کرے گا وہ سلامتی میں رہے گا۔ لیکن جو شخص ان میں سے کسی چیز میں مبتلا ہوگا تو اس کا حرام میں مبتلا ہونا بعید نہیں۔ جس طرح کوئی شخص اپنے جانور ممنوعہ چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے تو ان کے اندر داخل ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ سنو! ہر بادشاہ کی ایک ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے' اور سنو! اللہ کی ممنوعہ چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔''

⑩ حرام، سب کے لیے حرام ہے:

اسلامی شریعت میں حرام کا حکم عام ہے۔ ایسا نہیں ہے کوئی چیز عجمی کے لیے تو حرام ہو اور عربی کے لیے حلال یا کالے کے لیے ممنوع ہو اور گورے کے لیے مباح۔ اور نہ ہی کسی چیز کا جواز یا رخصت کسی مخصوص طبقہ یا گروہ کے لیے ہے' کہ کاہن' احبار' بادشاہ یا شرفاء اپنے مقام اور نام کا فائدہ اٹھا کر اپنی نفس پرستی کا سامان کرتے رہیں۔ حتی کہ مسلمان کی بھی کوئی خصوصیت نہیں ہے کہ ایک چیز مسلمان کے لیے حلال ہو اور دوسروں کے لیے حرام۔ بلکہ جس

---

❶ بخاری' کتاب الایمان: باب فضل من استبرأ لدينه' ح٥٢۔ مسلم' کتاب المساقاة: باب اخذ الحلال وترك الشبهات' ح١٥٩٩ ترمذی' کتاب البیوع: باب ماجاء فی ترك الشبهات' ح ١٢٠٥ واللفظ له.

طرح اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کا رب ہے اسی طرح اس کی شریعت بھی سب کی رہنما ہے۔ لہٰذا اس نے اپنی شریعت میں جس چیز کو حلال قرار دیا ہے وہ تمام انسانوں کے لیے حلال ہے اور جس کو حرام قرار دیا ہے وہ قیامت تک سب کے لیے حرام ہے۔

مثال کے طور پر چوری کرنا حرام ہے' خواہ مسلمان چوری کرے یا غیر مسلم' اور خواہ چرائی ہوئی چیز مسلمان کی ہو یا غیر مسلم کی۔ اسی طرح چور کے لیے سزا لازمی ہے' خواہ اس کا نسب وحسب کچھ ہو اور اس کی وابستگی کسی سے بھی ہو۔ یہ وہ اصول ہے جس پر خود نبی ﷺ نے عمل درآمد فرمایا اور اس کا اعلان ان الفاظ میں کیا:

((وَأَيْمُ اللّٰهِ لَوْ سَرَقَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا .)) ❶

''اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنتِ محمد بھی چوری کرتیں تو میں ان کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔''

اسی طرح عہدِ رسالت میں چوری کا ایک واقعہ پیش آیا تھا' جس میں ایک یہودی اور ایک مسلمان پر شبہ ہوا۔ مسلمان کے رشتہ دار بعض قرائن کی بنا پر یہودی پر الزام رکھنے لگے' حالانکہ درحقیقت مسلمان نے چوری کی تھی۔ اس موقع پر وحی الٰہی نے بے لاگ انصاف سے کام لیتے ہوئے یہودی کو بری قرار دیا۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا:

﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَٱسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ ﴾

(النساء: ٤/ ١٠٥-١٠٦)

''یہ کتاب ہم نے حق کے ساتھ تمہاری طرف اُتاری ہے' تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تمہیں دکھایا ہے' تم خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنو اور اللہ سے استغفار کرو' یقیناً اللہ غفور و رحیم ہے۔ اور ان لوگوں کی وکالت نہ کرو جو اپنے نفس سے خیانت کرتے ہیں۔

---

❶ بخاري' كتاب الحدود: كراهية الشفاعة في الحد' ح ٦٧٨٨۔ مسلم' كتاب الحدود: باب قطع السارق الشريف وغيره ح' ١٦٨٨۔

اللہ کو ایسے لوگ پسند نہیں جو خیانت کار اور معصیت کوش ہوں۔" ❶

یہودی جنہوں نے اپنی کتابوں میں تحریف کی اس خیانت میں مبتلا تھے کہ سود ایک یہودی پر صرف اس صورت میں حرام ہے جبکہ وہ اپنے یہودی بھائی کو قرض دے۔ کسی غیر یہودی کو سود پر قرض دینے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ "سفر تثنيهة الا شتراع" میں ہے:

"کسی اجنبی کو سود پر قرض دے' لیکن اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دے۔" (۲۳:۲۰)

قرآن نے بھی ان کے بارے میں کہا ہے کہ وہ دوسری ملت والوں کے ساتھ خیانت کرنے میں کوئی حرج یا گناہ محسوس نہیں کرتے:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (آل عمران: ۳/ ۷۵)

"اور اُن میں ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ایک دینار بھی ان کو امانت میں دو تو وہ اس کو ادا نہیں کریں گے مگر جب تک کہ تم ان کے سر پر سوار نہ ہو جاؤ۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اُمیوں (غیر یہودیوں) کے معاملہ میں ہم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اور یہ بات وہ جانتے بوجھتے اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے۔"

بے شک انہوں نے اللہ پر یہ جھوٹ ہی باندھا تھا' کیونکہ حقیقتاً اللہ کی شریعت قوموں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتی۔ اللہ نے خیانت کو تو تمام انبیاء کی زبانی حرام قرار دیا ہے۔

⓫ ضرورتیں محظورات کو مباح کر دیتی ہیں:

اسلام نے حرام کے معاملہ میں سخت احکام دیئے ہیں' لیکن اس نے انسانی زندگی کی ضرورتوں کی طرف سے بے اعتنائی نہیں برتی ہے اور انسانی کمزوری کا بھی پورا لحاظ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس بات کو جائز کر دیا ہے کہ ایک مسلمان شدید ضرورت کے پیش آجانے پر اپنی جان بچانے کے لیے بقدر ضرورت حرام چیز کھا لے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے مردار' خون اور سُور کے گوشت کی حُرمت کا حکم دینے کے بعد فرمایا ہے:

❶ ترمذی' كتاب تفسير القرآن: باب و من سورة النساء' ح ۳۰۳٦.

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾

(البقرۃ: ۲/ ۱۷۳)

''تو جو شخص مجبور ہو جائے اور اس کا خواہش مند اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

یہ حکم دیگر چار سورتوں میں بھی آیا ہے جس کا مفہوم ایک ہی ہے۔ یہ اور اس طرح کی دوسری آیتوں کے پیش نظر فقہائے اسلام نے یہ اہم اصول اخذ کیا ہے کہ ''ضرورتیں محظورات کو جائز کر دیتی ہے''۔

لیکن خیال رہے کہ ان آیات نے مضطر کے لیے ''غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ'' کی قید لگائی ہے، جس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ حالت مجبوری میں حرام سے فائدہ اٹھانے والا حرام شئے کی لذت کا طالب نہ ہو اور نہ ہی فائدہ اٹھانے کے معاملہ میں حدِ ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو۔ اس شرط سے فقہاء نے ایک اور اصول اخذ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ''ضرورت اپنا دائرہ خود متعین کرتی ہے۔''

انسان کو اگرچہ مجبوری کے آگے جھکنا پڑتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنے کو بری طرح مجبوری کے حوالہ کر دے اور اپنے نفس کی زِمام اس کے ہاتھ میں دے بیٹھے۔ بلکہ اسے لازماً اصل حلال سے وابستہ رہنا چاہیے اور اسی کی تلاش میں لگے رہنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو چیز دفع ضرورت کے لیے وقتی طور پر حلال ہوگئی تھی اسے سہل خیال کیا جانے لگے اور اس سے لذت حاصل کی جانے لگے۔ اسلام نے ضرورت کے موقعوں پر محظورات کو مباح کر کے اپنی عام اسپرٹ (روح) اور قواعد کلیہ کے مطابق بڑی آسانی پیدا کر دی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تصدیق ہو جاتی ہے:

﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۱۸۵)

''اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔''

باب دوم

اپنے اعمال اور عبادات کو حرام امور سے محفوظ کر کے
اللہ کریم کی رضا اور جنت کے حصول کا طریقہ کار





ماکولات ومشروبات

لباس اور زینت

گھر

کسب اور پیشہ

مسلمان کی انفرادی زندگی میں حلال وحرام

ماکولات ومشروبات

اشیاءِ خورد و نوش اور خاص طور سے حیوانی غذاؤں کے بارے میں اقوام و ملل کا یہ اختلاف قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے کہ کون کون سی چیزیں جائز ہیں اور کون کون سی چیزیں ناجائز ہیں۔

جہاں تک نباتاتی غذاؤں اور مشروبات کا تعلق ہے' تو ان میں اختلافات کا دائرہ وسیع نہیں ہے۔ اور اسلام نے بھی تو شراب کو حرام ٹھہرایا ہے خواہ وہ انگور سے بنائی گئی ہو یا کھجور یا جَو یا کسی بھی اور چیز سے۔ اسی طرح اس نے اُن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے جو عقل میں فتور یا بے حسی کی کیفیت پیدا کرتی ہوں' نیز وہ چیزیں جو مضرِ صحت ہوں۔

رہیں حیوانی غذائیں تو اس معاملہ میں قوموں اور ملتوں کے درمیان شدید اختلاف رہا ہے۔

برہمنوں کے نزدیک جانور کو ذبح کرنے اور کھانے کا مسئلہ:

برہمنوں جیسے اہلِ مذاہب اور بعض فلسفیوں نے جانور کا ذبح کرنا اور اس کا کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ ان کا گذارہ سبزی خوری پر ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک جانور کو ذبح کرنا بڑا سنگدلانہ کام ہے۔

لیکن جب ہم کائنات پر غور کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان حیوانات کی تخلیق بجائے خود مقصود نہیں ہے' کیونکہ ان کو عقل و ارادہ کی قوت عطا نہیں ہوئی ہے اور ان کی طبعی ساخت ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انسان کی خدمت کے لیے مسخر کر دیئے گئے ہیں۔ انسان جس طرح ان کی تسخیر سے فائدہ اٹھاتا ہے اسی طرح اگر ذبح کر کے ان کے گوشت سے فائدہ اٹھاتا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ہم اس سنتِ الٰہی کو بھی جانتے ہیں کہ ادنیٰ نوع کی مخلوق کو اعلیٰ نوع کی مخلوق کے لیے قربان ہونا پڑتا ہے۔ چنانچہ سبز نباتات حیوان کے چارہ کے لیے کاٹ ڈالی جاتی ہیں۔ اسی طرح جانور کو انسان کی غذا کے لیے ذبح کیا جاتا ہے' بلکہ انسانی فرد کو بھی اجتماعی مصالح کی خاطر لڑنا اور قربان ہونا پڑتا ہے۔

پھر انسان اگر جانوروں کو ذبح کرنے سے رُک بھی جائے تو بھی انہیں موت یا ہلاکت سے بچایا نہیں جاسکتا۔ ایسی صورت میں یا تو دوسرے جانور انہیں چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے یا وہ اپنی موت آپ مر جائیں گے اور یہ صورت بعض مرتبہ جانور کے لیے اس کے گلے پر چھری چلائے جانے سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔

حرام جانور، یہود و نصاریٰ کے نزدیک:

کتاب رکھنے والے مذاہب میں سے یہود پر اللہ تعالیٰ نے خشکی وتری کے بہت سے جانور حرام کر دیئے تھے۔ جس کی تفصیل توریت کی "دسفر لا ویین" کی گیارہویں فصل میں بیان ہوئی ہے۔

یہود پر اللہ کی حرام کردہ چیزوں میں سے بعض کا ذکر قرآن نے بھی کیا ہے اور ان کی تحریم کا سبب ان کے ظلم ومعصیت کو قرار دیا ہے:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ﴾ (الانعام: ٦/ ١٤٦)

"اور جو یہودی ہوئے ان پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کیے تھے۔ اور گائے اور بکری کی چربی بھی' بجز اس کے جو اُن کی آنتوں سے لگی ہوئی ہو' یا کسی ہڈی سے لگی رہ جائے۔ یہ ہم نے اُن کو اُن کی سرکشی کی سزا دی تھی اور ہم بالکل سچے ہیں۔"

یہ تو ہے یہود کا معاملہ۔ اور نصاریٰ ان کے تابع ہی ہیں۔ چنانچہ انجیل کا بیان ہے کہ مسیح علیہ السلام ناموس (شریعت) کو ختم کرنے کے لیے نہیں آئے تھے' بلکہ اس کو مکمل کرنے کے لیے آئے تھے' لیکن نصاریٰ نے خود ناموس کو ختم کیا اور تورات کی حرام کردہ چیزوں میں سے جن کو انجیل نے منسوخ نہیں کیا تھا، ان کو وہ خود جائز قرار دے بیٹھے۔ اسی طرح خوردونوش کے معاملہ میں انہوں نے مقدس پولس کے احکام کی پیروی اختیار کی اور صرف اُس جانور کو حرام قرار دیا جو بتوں کے لیے ذبح کر دیا گیا ہو۔ پولس نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ "پاک

لوگوں کے لیے ہر چیز پاک ہے اور جو چیز منہ کے اندر رہ جاتی ہے وہ نجس نہیں کرتی' بلکہ جو کچھ منہ سے نکلتا ہے وہ نجس کر دیتا ہے۔

اس دلیل سے انہوں نے سور کا گوشت بھی جائز کر لیا' حالانکہ تورات میں صریح حکم موجود ہے' جس سے آج تک اُن پر یہ چیز حرام چلی آرہی ہے۔

جاہلیت میں عربوں کے نزدیک:

رہے عرب تو انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بعض جانوروں کو (بزعم خود) نجس و پلید سمجھ کر اور بعض کو بربنائے وہم یا بتوں کے تقرب کے لیے حرام قرار دیا تھا۔ مثلاً: بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام، جن کی وضاحت اس سے پہلے کی جا چکی ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں انہوں نے مردار اور بہتا ہوا خون جیسی بہت سی ناپاک چیزیں جائز کر لی تھیں۔

اسلام نے پاک چیزوں کو جائز قرار دیا:

اسلام جب نمودار ہوا تو لوگ حیوانی غذا کے معاملہ میں بُری قسم کی افراط وتفریط میں مبتلا تھے۔ لہٰذا اسلام نے تمام انسانوں سے خطاب کر کے کہا:

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ (البقرۃ : ۲/ ۱۶۸)

''لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاک ہیں ان کو کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

گویا اسلام نے دعوتِ عام دی کہ لوگ آئیں' اور اس وسیع دستر خوان (زمین) سے پاک چیزیں نوش کریں اور شیطان کی راہوں پر چل نہ پڑیں۔ بالفاظ دیگر اللہ نے جس کو حلال ٹھہرایا ہے، اس کو حرام ٹھہرا کر گمراہی کے گڑھے میں نہ جا گریں۔ اس کے بعد اہل ایمان سے خصوصی خطاب کر کے فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (البقرة : ٢/ ١٧٢-١٧٣)

''اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کا شکرادا کرو' اگرتم اس کی بندگی کرنے والے ہو۔ اس نے تو بس تم پر مردار' خون اورسور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ حرام کر دیا ہے۔ البتہ جو شخص مجبور کیا جائے اور وہ اس کا نہ خواہش مند ہو اور نہ حدضرورت سے تجاوز کرنے والا تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

اس خصوصی خطاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور اپنے محسن کے شکر گزار بن کر اس کی نعمتوں کا حق ادا کریں۔ اس کے بعد بیان فرمایا کہ آیت میں جن چار اصناف کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

(الانعام : ٦/ ١٤٥)

''کہو! جو وحی میرے پاس آئی ہے اُس میں تو میں کوئی ایسی چیز کسی کھانے والے پرحرام نہیں پاتا' بجز اس کے کہ وہ مردار ہو' یا بہایا ہوا خون ہو' یا سور کا گوشت ہو کہ یہ ناپاک ہے' یا فسق ہو کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص مجبوری کی حالت میں کچھ کھالے بغیر اس کے کہ وہ اس کا خواہش مند ہو' یا حدِ ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو' تو یقیناً تمہارا رب بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

سورۂ مائدہ میں ان محرمات کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ﴾ (المائدة : ٥/ ١٣)

''تم پر حرام کیا گیا مردار' خون' سور کا گوشت' وہ جانور جسے غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو' وہ جو گلا گھٹ کر مرا ہو' جو چوٹ کھا کر مرا ہو' جو اوپر سے گر کر مرا ہو' جو سینگ لگ کر مرا ہو' جسے کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو بجز اس کے جسے تم نے ذبح کرلیا ہو اور وہ جو کسی استھان پر ذبح کیا گیا ہو۔''

اس آیت میں دس محرمات بیان کیے گئے ہیں اور اس سے پہلے والی آیت میں صرف چار محرمات۔ دونوں آیات میں کوئی تضاد نہیں ہے' بلکہ ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر ہے۔ کیونکہ منخنقہ' موقوذہ' متردیہ' نطیحہ اور درندوں کا پھاڑ کھایا ہوا جانور یہ سب مردار ہی کے حکم میں ہیں اور اسی کی یہ تفصیل ہے۔ استھانوں پر ذبح کیا ہوا جانور بھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کے حکم میں شامل ہے۔ اس طرح گویا محرمات اجمالاً چار ہیں اور تفصیلاً دس۔

مردار کی حرمت اور اس کی مصلحتیں:

قرآن کی آیات میں جہاں حرام کھانوں کا بیان ہوا ہے' وہاں سب سے پہلے مردار کا ذکر کیا گیا ہے' یعنی وہ حیوان یا پرندہ جو طبعی موت مرا ہو اور اس کی موت ذبح یا شکار کے ذریعہ واقع نہ ہوئی ہو۔

عصر حاضر کا ذہن سوال کرتا ہے کہ مردار کو حرام قرار دینے اور کھانے کے کام میں لانے کی بجائے رائیگاں جانے دینے میں کیا مصلحت پوشیدہ ہے؟ جواب میں ہم عرض کریں گے کہ مردار کی تحریم کئی وجوہات پر مبنی ہے:

(ا) طبع سلیم مردار سے نفرت کرتی ہے۔ عام طور سے اہل دانش مُردار کھانا باعث احتقار سمجھتے ہیں اور اسے انسان کے شایان شان خیال نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام کتابی مذاہب مردار کو حرام قرار دیتے ہیں اور ذبح شدہ جانور ہی کو کھانا پسند کرتے ہیں' گوکہ ذبح کرنے کا طریقہ مختلف ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ آدمی کوئی ایسی چیز کھائے جس کے حصول کا اُس نے قصد نہ کیا ہو۔ مردار کا معاملہ ایسا ہی ہے۔ البتہ جس جانور کو ذبح کیا جاتا ہے یا جس کا

شکار کرلیا جاتا ہے اس میں انسان کے قصد اور اس کی سعی وعمل کا دخل ضرور ہوتا ہے۔

(ج) جو جانور اپنی موت آپ مرا ہو اس کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ اس کی موت دائم المریض ہونے یا کسی حادثہ کا شکار ہونے یا زہریلی نباتات کھانے سے واقع ہوئی ہو' ایسی صورت میں اسے کھانے سے ضرر کا اندیشہ ہے۔ اور یہ اندیشہ اس صورت میں بھی ہوتا ہے جب کہ شدتِ ضعف یا طبیعت کی خرابی کی وجہ سے وہ مر گیا ہو۔

(د) اللہ تعالیٰ نے مُردار کو حرام قرار دے کر چرند و پرند کے لیے اپنی رحمت سے غذا مہیا کر دی ہے' کیونکہ وہ بھی ہماری طرح ایک اُمت ہیں۔

(ہ) ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ انسان اپنے مملوکہ جانوروں کو مرض کا شکار ہونے یا کمزور ہو کر تلف ہو جانے کے لیے نہ چھوڑ دے' بلکہ یا تو علاج کے لیے جلدی کرے یا آرام پہنچانے (ذبح کرنے) میں جلدی کرے۔

بہائے ہوئے خون کی حرمت:

◆ ۲ محرمات میں سے دوسری چیز ''دم مسفوح'' ہے یعنی بہنے والا خون' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ ''تلی کا کیا حکم ہے؟'' فرمایا: ''کھا سکتے ہو۔'' لوگوں نے کہا ''وہ تو خون ہے'' فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے بہنے والے خون کو حرام کیا ہے۔''[1] اس کی وجہ اس کا نجس ہونا ہے۔ انسان کی پاکیزہ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور اس میں مردار کی طرح مضرتوں کا بھی احتمال ہے۔ نیز خونخوار درندوں کی مشابہت سے بچانا بھی مقصود ہے۔

اہل جاہلیت کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کسی شخص کو بھوک محسوس ہوتی تو ہڈی یا کوئی تیز چیز اونٹ وغیرہ کے جسم میں جھونک دیتا اور جو خون نکل پڑتا اس کو وہ پی لیتا۔ اس سے جانور کو بڑی تکلیف ہوتی اور وہ کمزور ہو جاتا' اس لیے بھی اللہ تعالیٰ نے بہائے ہوئے خون کو حرام قرار دیا۔

سُوَر کا گوشت:

◆ ۳ تیسری چیز سور کا گوشت ہے' جو طبع سلیم کے نزدیک نجس ہے اور اس سے اسے

[1] مصنف ابن ابی شیبة (۸/ ۸۶) ۔ السنن الکبریٰ للبیهقی (۱۰/ ۷) وسلسلة سماك عن عكرمة ضعيفة ولكن له شاهد صحيح عند ابن ماجه (۳۲۱۸، ۳۳۱٤) مرفوعاً.

نفرت ہے، کیونکہ خنزیر کی مرغوب غذا نجاست اور کوڑا کرکٹ ہے۔ طبِ جدید کی رُو سے اس کا کھانا ہر خطہ میں اور خاص طور پر گرم ممالک میں سخت مضر ہے۔ اور سائنسی تجربات نے ثابت کیا ہے کہ سور کا گوشت کھانے سے خاص قسم کے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جو بڑے مہلک ہوتے ہیں۔ اور معلوم نہیں آئندہ مزید کیا کیا اسرار منکشف ہوں گے!

محققین یہ بھی کہتے ہیں کہ سور کا گوشت ہمیشہ کھاتے رہنے سے غیرت کم ہو جاتی ہے۔

غیر اللہ کے لیے نامزد کردہ جانور:

④ محرمات میں سے چوتھی چیز وہ جانور ہے جو غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہو، یعنی جو بتوں وغیرہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ بت پرست اپنے ذبیحہ پر لات، عزیٰ وغیرہ بتوں کے نام لیا کرتے تھے۔ یہ غیر اللہ کے لیے تعبد و تقرب تھا۔ اس کی تحریم کا سبب دینی مصالح سے ہے۔ اور اس سے مقصود توحید کا تحفظ، عقائد کی تطہیر اور شرک و بت پرستی کے مظاہر کی مخالفت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کی، اس کے لیے زمین کی ساری چیزیں مسخر کر دیں اور جانوروں کو بھی اس کے تابع کر دیا۔ نیز انسان کے فائدے کے لیے ان کی جان لینا بھی جائز کر دیا بشرطیکہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے۔ گویا اللہ کا نام لینا اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ ایک جاندار مخلوق کو ذبح کرنے کا کام وہ اللہ ہی کی اجازت سے کر رہا ہے۔ لیکن اگر وہ ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیتا ہے تو اس اجازت کو عملاً باطل کر دیتا ہے، اس لیے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ سے ایسے ذبیحہ کے استفادہ سے محروم کر دیا جائے۔

مردار کی قسمیں:

اجمالاً یہ چار چیزیں جن کا بیان اوپر گزر چکا، حرام ہیں۔ ان کی تفصیل سورۂ مائدہ کی آیت میں بیان ہوئی، جس کی رو سے محرمات دس ہیں:

⑤ مُنْخَنِقَه:...... یعنی وہ جانور جو گلا گھٹ جانے سے مر گیا ہو۔

⑥ مَوْقُوْذَه:...... یعنی وہ جو لاٹھی وغیرہ کی مار کھانے سے مر گیا ہو۔

⑦ مُتَرَدِّیَه:...... یعنی وہ جو اوپر سے گر کر مر گیا ہو، مثلاً: جو کنویں میں یا پہاڑ سے گر کر مر جائے۔

۸ نَطِیْحَه:..... یعنی وہ جو کسی جانور کے سینگ مارنے کی وجہ سے مر گیا ہو۔

۹ وہ جسے درندے نے پھاڑ کھایا ہو' یعنی کسی درندے نے جانور کو پھاڑ کر اس کا کوئی جز کھایا ہو جس کی وجہ سے وہ مر گیا ہو۔

ان پانچ اقسام کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ (المائدہ: ۵/ ۳) یعنی ان میں سے کسی جانور کو تم نے زندہ پا کر ذبح کر دیا ہو تو وہ حرمت سے مستثنیٰ ہے۔ ایسی صورت میں ذبح کرنے کے لیے رمق بھر زندگی کا ہونا کافی ہے۔ چنانچہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''اگر تم ''مُنْخَنِقَه مَوْقُوْذَه' مُتَرَدِّيَه اور نَطِيْحَه'' کو ذبح کرتے وقت اس حال میں پاؤ کہ وہ ہاتھ پاؤں ہلا رہا ہے، تو اسے کھا لو''۔ ❶

اور ضحاک کا قول ہے:

''اہل جاہلیت ایسے زخمی جانوروں کو ذبح کیے بغیر کھاتے تھے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام میں ان کو اگر زخمی حالت میں مر جائیں تو حرام ٹھہرایا' البتہ ان میں سے جس کو ذبح کر لیا گیا ہو تو اس کو حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا۔ لہٰذا جو جانور اس حال میں پایا جائے کہ اس کے پاؤں' یا دم یا آنکھیں حرکت کر رہی ہوں اور اسے ذبح کر لیا جائے' تو وہ حلال ہے۔'' ❷

البتہ بعض فقہاء کے نزدیک اس میں قرار پذیر زندگی کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ خون بہنے لگے اور ہاتھ پاؤں تیز حرکت کرنے لگیں۔

مردار کی ان قسموں کو حرام کرنے کی مصلحتیں:

مردار کی ان قسموں کی حرمت میں وہی مصلحتیں ہیں جن کا ذکر ہم اس سے پہلے مردار کی حرمت کے سلسلہ میں کر چکے ہیں۔ اور خاص طور سے مقصود یہ ہے کہ انسان کے اندر جانوروں پر مہربان ہونے اور اُن کی محافظت کا احساس پیدا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ جانوروں کو

---

❶ تفسیر طبری (۹/ ۵۰۳). ❷ تفسیر طبری (۹/ ۵۰۴).

بے پروائی کے ساتھ چھوڑ دیں' کہ کوئی گلا گھٹ کر مر جائے اور کوئی اونچائی سے گر کر۔ اور نہ انہیں لڑنے کے لیے چھوڑ دیں' کہ سینگ مار کر ایک دوسرے کو ہلاک کریں۔ جانور کو اتنا مارنا بھی جائز نہیں ہے کہ وہ مر جائے' جس طرح بعض سنگدل چرواہے مارتے ہیں۔ اسی طرح جانوروں کو جو انسانوں سے لڑایا جاتا ہے' مثلاً: بل فائیٹ (Bull Fighting) کہ بیلوں کو سینگ مارنے کے لیے اکسایا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں انسان زخمی یا ہلاک ہو جاتے ہیں' تو یہ صورت بھی جائز نہیں۔

رہی درندے کے پھاڑ کھائے ہوئے جانور کی حُرمت تو اس معاملہ میں انسان کی بزرگی ملحوظ رہی ہے اور اسے درندے کے پس خوردہ سے پاک رکھا گیا ہے۔ اہل جاہلیت درندوں کے پھاڑ کھائے ہوئے اونٹ' گائے وغیرہ کھا لیا کرتے تھے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا پس خوردہ مؤمنوں پر حرام کر دیا۔

استھان کا ذبیحہ:

محرمات میں سے دسویں چیز نصب یعنی استھان کا ذبیحہ ہے۔ استھان وہ بت یا پتھر ہے جو طاغوت کے نشان کے طور پر قائم کر دیا گیا ہو' یعنی جس سے غیر اللہ کی پرستش مقصود ہو۔ خانہ کعبہ کے اطراف میں استھان بنائے گئے تھے اور اہلِ جاہلیت اپنے معبودوں اور بتوں کے تقرب کے لیے ان پر جانور ذبح کرتے تھے۔ یہ ''استھان کا ذبیحہ'' غیر اللہ کے ذبیحہ کے قبیل ہی کی چیز ہے' کیونکہ دونوں ہی میں طاغوت کی تعظیم پائی جاتی ہے' فرق صرف یہ ہے کہ ''غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور'' کے اطلاق کے لیے ضروری نہیں کہ ذبح کرتے وقت بت سامنے موجود ہو' بلکہ حرام ہونے کے لیے بت کے نام پر ذبح کرنا کافی ہے' لیکن استھان کا ذبیحہ استھان ہی پر کیا جاتا ہے خواہ غیر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ گویا پہلی صورت میں مقام متعین نہیں ہوتا' لیکن دوسری صورت میں مقام متعین ہوتا ہے۔

خانہ کعبہ کے اطراف میں استھان موجود تھے اور گمان کرنے والا یہ گمان کر سکتا تھا کہ ان استھانوں پر ذبح کرنے سے بیت اللہ کی تعظیم ہوگی' اس لیے قرآن نے اس توہم کا ازالہ کر دیا اور اس فعل کو صراحت کے ساتھ حرام قرار دیا ورنہ ''غیر اللہ کے ذبیحہ'' کے مفہوم میں

''استھان کا ذبیحہ'' شامل ہی ہے۔

مچھلی اور ٹڈی مردار کے حکم سے مستثنیٰ ہیں :

اسلامی شریعت نے مچھلی جیسے آبی جانوروں کو حرام کردہ مردار سے مستثنیٰ کر دیا ہے' چنانچہ جب نبی ﷺ سے سمندر کے پانی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((هُوَ الطَّهُوْرُ مَاءُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ .)) ❶

''سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ﴾ (المائدۃ: ٥/ ٩٦)

''تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے۔''

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''سمندر کے شکار کا مطلب یہ ہے کہ جو سمندر سے شکار کے ذریعہ حاصل کیا جائے۔ اور سمندر کے کھانے سے مراد یہ ہے کہ جس کو سمندر خود پھینک دے۔'' ❷ اسی کے مثل سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ''سمندر کے کھانے سے مراد سمندر کا مردار ہے۔'' ❸

صحیحین میں سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ سَرِيَّةً مِنْ اَصْحَابِهٖ فَوَجَدُوا حُوْتًا كَبِيْرًا قَدْ جَزَرَعَنْهُ الْبَحْرُ' اَيْ مَيْتًا' فَاَكَلُوْا مِنْهُ بِضْعَةً وَعِشْرِيْنَ يَوْمًا' ثُمَّ قَدِمُوْا اِلَى الْمَدِيْنَةِ' فَاَخْبَرُوْا الرَّسُوْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ:كُلُوْا رِزْقًا اَخْرَجَهُ اللّٰهُ لَكُمْ' اَطْعِمُوْنَا اِنْ كَانَ مَعَكُمْ' فَاَتَاهُ بَعْضُهُمْ بِشَيْءٍ

❶ مسند احمد (٢/ ٣٦١) ۔ ابو داود' کتاب الطهارة: باب الوضوء بماء البحر' ح ٨٣' ترمذی' کتاب الطهارة: باب ماجاء فی ماء البحر انه طهور' ح ٦٩ ۔ نسائی' کتاب الطهارة: باب الوضوء بماء البحر' ح ٣٣٣۔ابن ماجه' کتاب الطهارة:باب الوضوء بماء البحر'ح٣٨٦۔

❷ السنن الکبری للبیهقی (٩/ ٢٥٤) .

❸ السنن الکبری للبیهقی۔(٩/ ٢٥٥)

فَاَكَلَهُ .))❶

نبی ﷺ نے صحابہ کا ایک دستہ کسی مہم پر روانہ کیا' انہیں ایک بڑی مچھلی ملی جسے سمندر نے پھینک دیا تھا۔ یعنی وہ مردار تھی۔ اسے وہ بیس سے زیادہ دنوں تک کھاتے رہے' پھر جب مدینہ لوٹے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس سے مطلع کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے تمہارے لیے جو رزق نکالا ہے اسے کھاؤ۔ اگر اس مچھلی میں سے تمہارے پاس کچھ موجود ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ بعض حضرات نے اس مچھلی کے کچھ اجزاء' آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے تو آپ ﷺ نے اسے تناول فرمایا۔''

سمندر کے مردار مچھلی اور ٹڈی کو بغیر ذبح کیے کھانے کی اجازت دی ہے کیونکہ ان کو ذبح کرنا ممکن ہی نہیں۔ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ مَعَهُ الْجَرَادَ)) ❷

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہے اور آپ ﷺ کے ساتھ ٹڈیاں کھاتے رہے۔''

مردار کی کھال' ہڈی اور بال سے فائدہ اٹھانا:

مردار کے حرام ہونے کا مطلب اس کا کھانا حرام ہے۔ اس کی کھال' سینگ' ہڈی یا بال سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں' بلکہ یہ مطلوب ہے' کیونکہ ایک قابل استفادہ چیز کو ضائع کرنا جائز نہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

((تُصُدِّقَ عَلٰى مَوْلَاةٍ لِمَيْمُوْنَةَ۔ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ بِشَاةٍ فَمَاتَتْ' فَمَرَّ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ' هَلَّا اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا جِلْدَهَا۔ فَدَبَغْتُمُوْهُ

❶ بخاری' كتاب الشركة: باب الشركة فی الطعام' ح۲٤۸۳۔ مسلم' كتاب الصيد: باب اباحة ميتات البحر' ح۱۹۳۵ .

❷ بخاری' كتاب الذبائح: باب 'اكل الجراد' ح۵٤۹۵۔مسلم' كتاب الصيد: باب اباحة الجراد' ح۱۹۵۲ .

فَانْتَفَعْتُمْ بِهٖ؟ فَقَالُوْا: اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ: اِنَّمَا حُرِّمَ اَكْلُهَا .)) ❶

ام المؤمنین سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کو صدقہ میں بکری ملی' جو مرگئی۔ رسول اللہ ﷺ کا گذر اُس طرف سے ہوا تو فرمایا: ''اس کی کھال تم نے نہیں لی کہ اس کو دباغت کر کے اپنے کام میں لاتے؟'' لوگوں نے کہا: وہ مردار ہے: ''فرمایا مردار کا بس کھانا حرام کیا گیا ہے۔''

نبی ﷺ نے مردار کی کھال کو پاک کرنے کا طریقہ بتلا دیا ہے' یعنی دباغت کرنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((دِبَاغُ الْاَدِيْمِ ذَكَاتُهٗ .)) ❷

''کھال کو دباغت کے ذریعہ پاک کرنا جانور کو ذبح کرنے کے مترادف ہے۔''

ایک اور روایت میں ہے:

((دِبَاغُهٗ يَذْهَبُ بِخُبْثِهٖ)) ❸

''دباغت' نجاست کو زائل کرتی ہے۔''

اور صحیح مسلم وغیرہ میں نبی ﷺ سے مروی ہے:

((اَيُّمَا اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ)) ❹

''جس کھال کی بھی دباغت کی گئی' وہ پاک ہوگئی۔''

---

❶ بخاری' کتاب الزکوٰۃ: باب الصدقة على موالى ازواج النبیﷺ' ح ١٤٩٢ مسلم' كتاب الحيض: باب طهارة جلود الميتة بالدباغ ح٣٦٣ واللفظ له۔

❷ صحيح مسند احمد (٣/ ٤٧٦) ابوداود' كتاب اللباس: باب فی اهب الميتة' ح ٤١٢٥۔ نسائی' كتاب الفرع والعتيرة: باب جلود الميتة' ح٤٢٤٨۔سنن الدارقطنی (١/ ٤٥) والبيهقی (١/ ٢١) واللفظ لهما .

❸ مستدرك حاكم(١/ ١٦١) مسند احمد (١/ ٣١٤) قال الشيخ الالبانی رحمه الله' "ضعيف بهذا اللفظ"۔(غاية المرام۔ ح٢٧) .

❹ مسلم' كتاب الحيض: باب طهارة جلود الميتة بالدباغ ح٣٦٦۔ ترمذی' كتاب اللباس: باب ماجاء فی جلود الميتة اذا دبغت' ح١٧٦٨ واللفظ له۔

یہ حکم عام ہے جس کا اطلاق تمام کھالوں پر ہوتا ہے' خواہ وہ کتے کی ہو یا خنزیر کی۔ یہ اہل ظاہر کا قول ہے' امام ابو یوسف سے بھی یہی منقول ہے۔ اور امام شوکانی اسے ترجیح دیتے ہیں۔ ❶

سیدہ اُم المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ہماری ایک بکری مرگئی تو ہم نے اس کی کھال کی دباغت کی' اس کے بعد ہم برابر اس میں نبیذ (کھجور کا شربت) بناتے رہے' یہاں تک کہ وہ پرانا مشکیزہ بن گئی۔'' ❷

مجبوری کی حالت مستثنیٰ ہے:

مذکورہ بالا تمام محرمات اختیاری حالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ حالتِ مجبوری کے احکام اس سے مختلف ہیں' جس کا ذکر اس سے پہلے ہم کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ﴾

(الانعام: ٦/ ١١٩)

''اس نے وہ چیزیں تفصیل سے بیان کر دی ہیں جو تم پر حرام کر دی ہیں اس استثناء کے ساتھ جس کے لیے تم مجبور ہو جاؤ۔''

اسی طرح مردار اور خون کی حرمت بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

(البقرۃ: ٢/ ٢٧٣)

''تو جو شخص مجبور ہو جائے اور وہ اس کا خواہشمند اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

جس مجبوری پر سب کا اتفاق ہے وہ کھانے کی ایسی اضطراری کیفیت کا نام ہے کہ بھوک کاٹ رہی ہو۔ بعض فقہاء نے اس کی تحدید اس طرح کی ہے کہ مجبوری کی حالت میں ایک

---

❶ (نیل الاوطار ١/ ٨٦' ٧٨)۔

❷ بخاری' کتاب الایمان والنذور' باب اذا حلف ان لا یشرب نبیذ۔(ح۔ ٦٦٨٦)

شب و روز گذر جائے اور سوائے حرام غذا کے کوئی چیز کھانے کے لیے نہ ملے۔ ایسی صورت میں مجبور شخص حرام غذا اس حد تک کھا سکتا ہے کہ مجبوری ختم ہو جائے اور وہ ہلاکت سے بچ جائے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ اس کی حد یہ ہے کہ پیٹ بھر کے کھالے اور ضرورت کے بقدر سفر کے لیے ساتھ لے لے یہاں تک کہ کوئی جائز چیز کھانے کے لیے مل جائے۔ دیگر فقہاء کا قول یہ ہے کہ حرام میں سے سد رمق سے زیادہ نہ کھائے اور غالباً اللہ کے ارشاد ﴿غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ﴾ سے یہی مترشح ہوتا ہے۔ بھوک کی مجبوری کا حقیقتاً مجبوری ہونا قرآن کی نص سے واضح ہے:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

(المائدۃ: ۵/ ۳)

''پس جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر بغیر گناہ کی طرف مائل ہوئے، کوئی حرام چیز کھالے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

علاج کی مجبوری:

رہی علاج کی مجبوری' یعنی شفاء حاصل کرنے کے لیے کسی حرام چیز کا کھانا ناگزیر ہو جائے تو فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے اس مجبوری کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَ كُمْ فِيْمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ .)) ❶

''اللہ نے اپنی حرام کردہ چیزوں میں تمہارے لیے شفاء نہیں رکھی ہے۔''

لیکن دوسرے گروہ نے علاج کی مجبوری کا لحاظ کیا اور علاج کو غذا کی طرح ضروری قرار دیا ہے۔ کیونکہ دونوں ہی چیزیں (مصلحت) زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ اس گروہ کا استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام کو خارش کی وجہ سے ❷

---

❶ بخاری' کتاب الاشربة: باب شراب الحلواء والعسل تعليقاً قبل ح ٥٦١٤۔ ووصله احمد فی کتاب الاشربة(ح۔١٣٠) والحاكم(٤/ ٢١٨)

❷ بخاری' کتاب الجهاد: باب الحرير فی الحرب' ح٢٩١٩'٢٩٢٠۔ مسلم' کتاب اللباس' باب اباحه لبس الحرير للرجل'ح۔٢٠٧٦ .

ریشم پہننے کی اجازت دی تھی حالانکہ ریشم پہننا ممنوع ہے اور اس پر وعید آئی ہے۔

غالبًا یہ قول اسلام کی اسپرٹ (روح) سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ اسلام نے تمام تشریعی اُمور میں انسانی زندگی کی محافظت کا پورا پورا لحاظ کیا ہے۔ لیکن جو دوا حرام چیز سے بنائی گئی ہو اس کو استعمال کرنے کی اجازت چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

1. اس کو استعمال نہ کرنے کی صورت میں صحت کو واقعی خطرہ لاحق ہو۔
2. کوئی ایسی جائز دوا نہ مل سکے' جو اس دوا کا بدل ہو' یا جو اس سے بے نیاز کر دے۔
3. یہ دوا کسی مسلمان طبیب نے تجویز کی ہو' جو دینی لحاظ سے بھی قابل اعتماد ہو اور اپنی معلومات اور تجربہ کے لحاظ سے بھی۔

ہم اس پر اپنی معلومات اور قابل اعتماد ڈاکٹروں کے بیانات کی روشنی میں اس بات کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ محرمات میں سے کسی چیز کو علاج کے لیے استعمال کرنا ناگزیر ہو ایسی کوئی واقعی طبّی ضرورت موجود نہیں ہے۔ پھر بھی اصولی طور پر ایسی ضرورت کو ہم احتیاطاً تسلیم کر لیتے ہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کوئی مسلمان کسی ایسی جگہ پر ہو جہاں اسے محرمات کے سوا کوئی دوسری چیز نہ مل سکے۔

فرد کی مجبوری اس صورت میں باقی نہیں رہتی جب معاشرہ اس کی ضرورت پوری کر دے:

آدمی کے پاس اگر ذاتی طور سے خورد ونوش کی اشیاء موجود نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہر طرح مجبور ہو گیا ہے' جبکہ معاشرے کے دیگر افراد کے پاس خواہ وہ مسلم ہوں' یا ذمی، کھانے پینے کی چیزیں فاضل مقدار میں موجود ہوں۔ ایسی صورت میں اس مجبور شخص کی ضرورت ان فاضل چیزوں سے پوری کی جا سکتی ہے اور اسے حرام چیزیں کھانے سے بچایا جا سکتا ہے۔ اسلامی معاشرہ کی تکمیل درحقیقت ایک دوسرے سے مل کر ہوتی ہے اور وہ باہم ایک دوسرے کے کفیل ہوتے ہیں۔ گویا اسلامی معاشرہ کے افراد جسد واحد کے اجزاء ہیں۔ یا یوں کہیے کہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں جس کے اجزاء ایک دوسرے کو مستحکم کرتے ہیں۔

اجتماعی کفالت کے بارے میں امام ابن حزم رحمہ اللہ کی یہ گراں قدر رائے فقہائے اسلام کے لیے مشعل راہ ہے: وہ فرماتے ہیں:

"ایک مسلمان کے لیے حالتِ اضطرار میں مردار یا سور کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے جبکہ اس کے مسلم یا ذمی ساتھی کے پاس خورد و نوش کی فاضل اشیاء موجود ہوں' کیونکہ جس کے پاس کھانے کی فاضل چیزیں موجود ہوں اس پر بھوکے کو کھانا کھلانا فرض ہے۔ ایسی صورت میں یہ مضطر شخص مردار یا خنزیر کا گوشت کھانے کے لیے مجبور نہیں ہے۔ اس کو اپنے ساتھی سے کھانے پینے کی فاضل چیزیں حاصل کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ اس غرض کے لیے اگر اسے لڑنا پڑے اور اس میں وہ مارا جائے تو قاتل کے ذِمہ قصاص ہوگا۔ اور اگر مجبوراً روکنے والے شخص کو قتل کرنا پڑا تو اس مقتول پر اللہ کی لعنت ہے کیونکہ اس مقتول نے ایک مجبور شخص کو اپنا حق حاصل کرنے سے روکا' بنابریں اس کا شمار باغی گروہ میں ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ نے قتال کا حکم دیا ہے:

﴿فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ﴾ (الحجرات: ٤٩/ ٩)

"پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔"

دراصل اپنے بھائی کو روکنے والا شخص باغی ہے۔ اسی بناء پر سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد کیا تھا۔ ❶

ذبح کرنے کا شرعی طریقہ

سمندری جانور سب حلال ہیں:

اپنے مسکن و مستقر کے لحاظ سے جانوروں کی دو قسمیں ہیں: بحری اور بری۔

بحری جانور جو پانی کے اندر رہتے ہیں اور پانی ہی میں زندہ رہ سکتے ہیں، سب حلال ہیں جس حالت میں بھی پائے جائیں۔ خواہ پانی سے زندہ نکالے گئے ہوں یا مردہ، سطحِ آب

❶ المحلّٰی لابن حزم۔ ج ٦ ص ١٥٩.

پر تیرتے ہوئے پائے جائیں یا اس کے علاوہ مچھلی ہو یا سمندری کتا' سمندری خنزیر ہو یا کوئی اور جانور' سب یکساں طور پر جائز ہیں اور اس سلسلہ میں اس بات کا بھی اعتبار نہیں کہ ان کو پکڑنے والا مسلمان ہے یا غیر مسلم۔ سمندر اور دریا کے تمام جانوروں کو مباح کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بڑی وسعت فرمائی ہے' چنانچہ فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا﴾ (النحل: ١٦/ ١٤)

"اسی نے سمندروں کو مسخر کیا تاکہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ۔"

نیز فرمایا:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾

(المائدة: ٥/ ٩٦)

"تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا۔ یہ تمہارے فائدے کے لیے ہے اور قافلہ والوں کے لیے (زادراہ) بھی۔"

حرام بَرّی جانور:

جہاں تک بَرّی جانوروں کا تعلق ہے تو قرآن نے اجمالاً چار چیزوں کو اور تفصیل کے ساتھ دس چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے' جن کا بیان اس سے پہلے گزر چکا ہے اور قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کی یہ شان بھی بیان فرمائی ہے:

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (الاعراف: ٧/ ١٥٧)

"یہ رسول ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال ٹھہراتا ہے اور خبیث چیزیں حرام کرتا ہے۔"

خبیث وہ چیزیں ہیں جن کو بحیثیتِ مجموعی لوگ عام ذوق کے لحاظ سے گندہ خیال کرتے ہیں' قطع نظر اس سے کہ کچھ افراد ان کو پسند کرتے ہوں۔

اس قبیل کی ایک چیز پالتو گدھے کا گوشت ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

((نَهٰى عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ يَوْمَ

خَيْبَرَ .))❶

''نبی ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا''

اور اسی سے متعلق صحیحین کی یہ حدیث ہے:

((نَهٰى عَنْ كُلِّ ذِىْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَكُلِّ ذِىْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ .))❷

''نبی ﷺ نے کچلی والے درندوں اور پنجہ سے کھانے والے پرندوں کو کھانے کی ممانعت فرمائی ہے۔''

سباع (درندہ) سے مراد زبردستی پھاڑ کھانے والا جانور ہے' جیسے شیر' چیتا' بھیڑیا وغیرہ۔ اور پنجہ والے پرندوں سے مراد وہ پرندے ہیں جو ناخن سے شکار کرتے ہوں۔ جیسے گدھ' باز' شکرہ' چیل وغیرہ۔

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک یہ ہے کہ قرآن میں جو چار چیزیں مذکور ہیں ان کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں۔ غالباً ان کے نزدیک درندوں وغیرہ کی ممانعت والی احادیث سے کراہت کا حکم نکلتا ہے نہ کہ حرمت کا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان تک یہ حدیثیں نہ پہنچی ہوں۔❸ بہر حال امام مالک رحمہ اللہ کا رجحان بھی سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کے مسلک کی طرف ہے۔❹

---

❶ صحيح البخاری، كتاب الذبائح والصيد، باب لحوم الحمر الانسية، رقم الحديث: ٤٥٥٢٤، صحيح مسلم، كتاب الصيد والذبائح، باب فی أكل لحوم الخيل، رقم الحديث: ١٩٤١، سنن ابی داؤد، كتاب الأطعمة باب فی أكل لحوم الخی، رقم الحديث: ٣٧٨٨، مسند احمد بن حنبل ٣/ ٣٥٦، رقم الحديث: ١٤٨٤٠، إرواء الغليل للألبانی، ٨/ ١٣٧، رقم الحديث: ٢٤٨٤ .

❷ صحيح مسلم، كتاب الصيد والذبائح، باب تحريم أكل كل ذی ناب من السباع، رقم الحديث: ١٩٣٤، صحيح بخاری، كتاب الزبائح والصيد، باب اكل كل ذی ناب من السباع رقم الحديث: ٥٣٣، بدون لفظ "وكل ذی مخلب من الطير" سنن ابی داؤد، كتاب الأطعمة، باب ماجاء فی أكل السباع، رقم الحديث: ٣٨٠٣، صحيح ابن حبان، ١٢/ ٨٥، رقم الحديث: ٦٥٢٨٠، مسند أحمد بن حنبل، ١/ ٢٤٤، رقم الحديث: ٢١٩٢ .

❸ بخاری كتاب الذبائح: باب لحوم الحمر الانسية، ح٥٥٢٩، ابوداؤد، كتاب الاطعمة باب مالم يذكر تحريمه، ح۔٣٨٠٠ .

❹ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ⇦⇦

مانوس جانوروں کی اباحت کے لیے ذبح کرنے کی شرط:

خشکی کے جن جانوروں کا کھانا جائز ہے ان کی دو قسمیں ہیں:

- ایک قسم تو ان جانوروں کی ہے جو انسان کے قابو میں ہیں۔ مثلاً: اونٹ' گائے' بکری جیسے چوپائے اور وہ پرندے جو پالے جاتے ہیں۔
- دوسری قسم ان جانوروں کی ہے جو انسان کے قابو میں نہ ہوں۔

پہلی قسم کے جانوروں کے جواز کے لیے اسلام نے یہ شرط عائد کی ہے کہ انہیں شرعی طریقہ پر ذبح کر دیا جائے۔

شرعی طریقہ پر ذبح کرنے کی شرائط:

ذبح کرنے کے شرعی طریقہ کی تکمیل کی شرائط درج ذیل ہیں:

① : جانور کو کسی تیز دھار آلہ سے ذبح کیا جائے جس سے خون بہہ پڑے اور رگیں کٹ جائیں' خواہ وہ آلہ لوہے کا ہو' پتھر کا ہو یا لکڑی کا۔

سیدنا عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَصِیْدُالصَّیْدَ فَلاَ نَجِدُ سِکِّیْنًا اِلَّا الظَّرَارَ وَشِقَّةَ الْعَصَا' فَقَالَ اَمِرَّالدَّمَ بِمَاشِئْتَ'وَاذْکُرِاسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ .))[1]

⇐ اس حدیث کے ساتھ حلال ہونے پر استدلال کرنا تب ممکن ہوتا ہے جب اس بارے میں نبی ﷺ سے اس کے حرام ہونے میں واضح حکم نہ آیا ہو۔ جبکہ اس کی تحریم میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حرام قرار دینے کی تخصیص' حلال قرار دینے کے عموم پر مقدم ہے اور قیاس پر بھی مقدم ہے۔ میں کہتا ہوں یہی وجہ ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ نے ابن عباس اور مالک کے مذہب کو جس میں درندے وغیرہ کو جائز قرار دیا گیا ہے' اسے اچھے انداز پر بیان نہیں کیا' بلکہ اس کے ساتھ اس مذہب کے غلط ہونے کی صراحت کر دی ہے' کیونکہ یہ ان احادیث کے خلاف ہے جن کی جانب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے۔ ان میں سے بعض احادیث خود مؤلف نے بھی ذکر کی ہیں۔ لیکن اس نے اس کو صراحتاً حرام قرار دینے والی نص (واضح حکم) کی اتباع نہیں کی۔ انہوں نے قارئین کرام کے سامنے میدان وسیع چھوڑ دیا ہے تاکہ یہ مذکور مذہب اختیار کر سکیں جو کہ قرآن پاک کے ظاہر کے موافق ہے۔ حالانکہ اس سے کم لوگ ہی آگاہ ہیں کہ اس ظاہری معنی کو مراد لینا مناسب نہیں ہوتا جبکہ سنت صحیحہ کی نص اس کے خلاف ہو اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان کس قدر صداقت پر مبنی ہے خبردار مجھے قرآن پاک اور اس کے ساتھ اس کی مثل دیا گیا ہے۔ یعنی وہ سنت ہے۔

[1] مسنداحمد (٤/ ٢٥٦) ابو داود' کتاب الضحایا: باب الذبیحه بالمروة' ح ٢٩٢٤۔ نسائی' کتاب الصید: باب الصید اذا انتن ح۔٤٣٠٩۔ ابن ماجه : کتاب الذبائح: باب التسمیة عندالذبح' ح: ٣١٧٧ .

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم شکار کرتے ہیں لیکن ہمارے پاس چھری نہیں ہوتی سوائے دھار والے پتھر اور بانس کے ٹکڑے کے؟ فرمایا: ''جس چیز سے چاہو خون بہاؤ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لو۔''

۲: حلق پر چھری چلائی جائے یا لبہ (گلے کے نچلے حصہ) میں چھرا گھونپ دیا جائے' جس کے نتیجہ میں اس کی موت واقع ہو۔

اور ذبح کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ حلق' کھانے کی نالی اور گلے کے اندر کی دو بڑی رگیں کاٹ دی جائیں۔

بعض فقہاء نے مزید شرائط عائد کی ہیں' لیکن ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے' کیونکہ ان شرائط پر کوئی صریح نص وارد نہیں ہوئی ہے۔ اور ذبح کرنا ایک ایسا فعل ہے جو فطری طور پر معروف ہے اور لوگ عادۃً اس کو جانتے ہیں' لہٰذا تعمق وتشدد کی ضرورت نہیں۔ مثلاً یہ سوال کہ یہ چیزیں پوری طرح کٹ جانی چاہئیں یا ان کے اکثر حصہ کا کٹ جانا کافی ہے؟ اور کیا یہ بھی شرط ہے کہ ذبح کرنے کا کام مکمل ہو جانے سے پہلے ہاتھ نہ اٹھایا جائے؟ وغیرہ۔

حلق (گلے) پر چھری چلانے کی شرط اس صورت میں ساقط ہو جاتی ہے جبکہ ذبح کرنے کا موقع نہ ہو' مثلاً جانور کنویں میں سر کے بل گر گیا ہو اور اس کا حلق ہاتھ نہ آئے۔ یا وہ بھڑ جائے۔ ایسی صورت میں اس کے ساتھ شکار کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ لہٰذا کسی بھی تیز چیز سے اس کے کسی بھی جسم کے حصہ کو زخمی کر دینا کافی ہوگا۔ صحیحین میں سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرِهِ فَنَدَّ بَعِيرٌ مِنْ إِبِلِ الْقَوْمِ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ خَيْلٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا فَعَلَ مِنْهَا هٰذَا فَافْعَلُوْا بِهِ هٰكَذَا.))❶

ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے کہ ایک اونٹ قابو سے باہر ہو گیا۔

---

❶ بخاری' کتاب الذبائح: باب اذا اصاب قوم غنیمة فذبح بعضهم' ح۔۵۵۴۳۔ مسلم' کتاب الاضاحی: باب جواز الذبح بکل ماانهر الدم' ح۔۱۹۶۸۔

لوگوں کے ساتھ گھوڑے نہیں تھے (کہ آگے جا کر اسے پکڑ لیں) ایک شخص نے تیر چلا کر اونٹ کو روک لیا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان چوپایوں کی خصلت وحشی جانوروں کی طرح ہوتی ہے' لہٰذا جب کوئی چوپایہ ایسی حرکت کرے تو تم بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرو۔''

③: اس پر غیر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے' کیونکہ اہل جاہلیت اپنے معبودوں اور بتوں کے تقرب کے لیے جانوروں کو ذبح کرتے تھے' جس کی صورت یہ ہوتی کہ ذبح کرتے وقت ان کا نام لیتے یا استھانوں پر ذبح کرتے۔ قرآن نے ان تمام صورتوں کو حرام قرار دیا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

④: ذبیحہ پر صرف اللہ کا نام لیا جائے جیسا کہ نصوص شرعیہ سے ظاہر ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ﴾

(الانعام: ٦/ ١١٨)

''اگر تم اللہ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو تو جس ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اس کو کھاؤ۔''

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾

(الانعام: ٦/ ١٢١)

''جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اس کو نہ کھاؤ کیوں کہ یہ فسق ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَا أُنْهِرَ الدَّمُ وَذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ فَكُلُوا.))❶

''جس جانور کا خون بہایا گیا ہو اور (ذبح کے وقت) اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے کھاؤ۔''

اس شرط کی تائید اُن احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں شکار کے لیے تیر چلاتے وقت

❶ بخاری' کتاب الذبائح: باب اذا اصاب قوما غنیمة فذبح بعضهم-ح- ٥٥٤٣- مسلم'کتاب الاضاحی: باب جواز الذبح بکل ما انهر الدم'ح١٩٦٨-

یا سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لینے کی ہدایت کی گئی ہے۔ بعض علماء کی رائے میں اللہ کا نام لینا تو ضروری ہے' لیکن یہ ضروری نہیں کہ ذبح کے وقت ہی نام لیا جائے بلکہ کھاتے وقت نام لینا بھی کافی ہے' کیونکہ جو شخص کھاتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے اس پر یہ بات منطبق نہیں ہوتی کہ وہ ایسی چیز کھا رہا ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

((اِنَّ قَوْمًا حَدِیْثِیْ عَھْدٍ بِجَاھِلِیَّةٍ قَالُوْا لِلنَّبِیِّ ﷺ: اِنَّ قَوْمًا یَاتُوْنَنَا بِاللُّحْمَانِ لَاتَدْرِیْ اَذَکَرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْھَا اَمْ لَمْ یَذْکُرُوْا؟ اَنَاْکُلُ مِنْھَا اَمْ لَا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَکُلُوْا .)) ❶

کچھ لوگوں نے' جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے' نبی ﷺ سے پوچھا کہ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں' نہیں معلوم کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں' ایسی صورت میں ہم اسے کھائیں یا نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔''

ذبح کرنے کے اسلامی طریقہ کی حکمت و مصلحت:

اسلامی طریقہ کے مطابق ذبح میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ جانور کی جان ایسے طریقہ سے نکال لی جائے کہ اُسے کم سے کم تکلیف ہو۔ اسی لیے آلہ کے تیز ہونے اور حلق کو ذبح کرنے کی شرط عائد کی گئی ہے۔ ساتھ ہی دانت اور ناخن سے ذبح کرنے کی ممانعت بھی کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان چیزوں سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے اور گلا گھٹنے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ نبی ﷺ نے چھری کو تیز کرنے اور ذبیحہ کو آرام پہنچانے کی ہدایت فرمائی ہے، فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ وَلْیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شُفْرَتَهٗ وَلْیُرِحْ ذَبِیْحَتَهٗ .)) ❷

❶ بخاری' کتاب التوحید: باب ان لله مائة اسم الا واحدۃ' ح۔۷۳۹۸' ۲۰۵۷۔

❷ مسلم' کتاب الصید: باب الامر باحسان الذبح والقتل(ح ۱۹۵۵)

''اللہ نے ہر چیز کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی ہے' لہٰذا جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ تمہارا ہر ایک اپنی چھری کو تیز کرے اور ذبیحہ کو آرام پہنچائے۔''

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بکری کو لٹایا اور پھر چھری تیز کرنے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَتُرِيْدُ اَنْ تُمِيْتَهَا مَوْتَاتٍ؟ هَلَّا اَحْدَدْتَ شُفْرَتَكَ قَبْلَ اَنْ تَضْجَعَهَا؟)) ❶

''اس بکری کو تم کتنی مرتبہ مارنا چاہتے ہو؟ اسے لٹا دینے سے پہلے چھری کیوں نہ تیز کر لی؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بکری کو ذبح کرنے کے لیے اس کے پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے جا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم پر افسوس! اسے اچھے طریقے سے موت کی طرف لے چلو۔'' ❷

اس طرح اسلام نے جانوروں کے ساتھ نرمی برتنے اور ممکن حد تک ان کو تکلیف سے بچانے کا سامان بہم کیا ہے۔ اہلِ جاہلیت زندہ اُونٹ کا کوہان اور دُنبہ کی چکیاں کاٹ لیا کرتے تھے' جس سے ان جانوروں کو بڑی تکلیف ہوتی' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ جانور کے اجزا کاٹ کر کھانے کو بھی حرام قرار دیا۔ فرمایا:

((مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيْمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيْتَةٌ.)) ❸

''زندہ جانور کا جو جزء کاٹ لیا جائے وہ مردار کے حکم میں ہے۔''

ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی مصلحت:

اسلام نے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا ضروری قرار دیا ہے۔ اس میں جو لطیف نکتہ

❶ مستدرك حاكم (٤/ ٢٣١)۔ طبرانی فی الكبير (١١٩١٦)

❷ السنن الكبرىٰ للبيهقي (٩/ ٢٨١) واسناد ضعيف لا نقطاعه بين محمد بن سيرين و عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه.

❸ مسنداحمد (١/ ٢١٨)۔ ابوداود' كتاب الصيد: باب فی صيد قطع منه قطعة' ح: ٢٨٥٨' ترمذی' كتاب الاطعمة: باب ماقطع من الحی فهو ميت' ح ١٤٨٠.

پوشیدہ ہے اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ اسلام میں بت پرست اور اہلِ جاہلیت ذبح کرتے وقت اپنے معبودوں کا نام لیا کرتے تھے۔ اس کی بجائے اللہ کا نام لینے کا طریقہ رائج کر دیا گیا' کیونکہ جب ایک مشرک ذبح کرتے وقت اپنے بت کا نام لیتا ہے تو ایک مؤمن اپنے رب کا نام کیسے اور کیونکر نہ لے؟

دوسری بات یہ ہے کہ جانور بھی انسان کی طرح اللہ کی جاندار مخلوق ہیں۔ انسان کو ان کی جان اللہ کی اجازت ہی سے لینا چاہیے۔ اور اللہ کا نام لینا اذنِ الٰہی کا اعلان کرنے کے مترادف ہے۔ گویا انسان کہتا ہے' میں یہ کام ان کو کمزور پا کر یا ظلم و زیادتی کی بنا پر نہیں کر رہا ہوں' بلکہ اللہ کی اجازت سے اس کا نام لے کر ذبح کرتا ہوں اور اس کا نام لے کر شکار کرتا ہوں اور اس کا نام لے کر کھاتا ہوں۔

اہل کتاب کا ذبیحہ:

اہل کتاب اصلاً توحید کے قائل ہیں' لیکن چونکہ ان کے اندر شرک داخل ہو گیا تھا اس لیے مسلمان یہ گمان کر سکتے تھے' کہ ان کے ساتھ بھی بت پرستوں ہی کی طرح کا معاملہ کیا جا سکتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کھانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ (المائدۃ: ۵/ ۵)

''آج تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں۔ اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے۔''

مختصراً اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آج کے دن تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں' لہٰذا نہ کوئی بحیرہ ہے' نہ سائبہ' نہ وصیلہ اور نہ حام۔ اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا کھانا تمہارے لیے اصلاً حلال ہے۔ اس کو ہرگز حرام نہیں کیا گیا۔ اسی طرح تمہارا کھانا بھی ان کے لیے حلال ہے' لہٰذا تم ان کے ذبیحہ یا شکار کا گوشت کھا سکتے ہو اور اپنے ذبیحہ اور شکار کا گوشت ان کو کھلا سکتے ہوں۔

اسلام نے کھانے کے معاملہ میں مشرکینِ عرب کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا' لیکن اہل

کتاب کے ساتھ نرمی برتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ کتاب وحی' نبوت اور فی الجملہ اصولِ دین کو مانتے ہیں۔ اس بنا پر وہ اہلِ ایمان سے قریب تر ہیں۔ ان کے کھانے میں شرکت' ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ساتھ حسن معاشرت کو مشروع قرار دے کر ان کو یہ موقع فراہم کر دیا گیا ہے' کہ وہ اسلام کو اس کے گھر میں علم وعمل اور اخلاق و معاملات میں اپنی اصل شکل میں دیکھ لیں' تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو اعلیٰ حقائق' کامل ترین صورت اور پاکیزہ صحیفوں پر مشتمل ہے اور شرک و بدعت اور غلو پر مبنی باتوں سے بالکل پاک ہے۔

آیت کے الفاظ ﴿طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ (اہل کتاب کا کھانا) عام ہیں' جو اُن کے تمام کھانوں کو شامل ہیں۔ ان کا ذبیحہ' اناج وغیرہ سب چیزیں ہمارے لیے حلال ہیں جب تک کہ کوئی چیز فی نفسہٖ حرام نہ ہو۔ مثلاً مردار' بہایا ہوا خون اور سور کا گوشت۔ ان چیزوں کا کھانا بالا جماع جائز نہیں ہے' خواہ وہ اہل کتاب کا کھانا ہو یا کسی مسلمان کا۔

جو کینساؤں اور تہواروں کے لیے ذبح کیا جائے:

1:...... کسی کتابی شخص کے بارے میں یہ بات سننے میں نہ آئی ہو کہ اُس نے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام مثلاً مسیح یا عزیر کا نام لیا تھا، تو اس کا ذبیحہ کھانا حلال ہے۔ البتہ جب سننے (یا دیکھنے) میں آیا ہو کہ اُس نے غیر اللہ کا نام لیا تھا تو بعض فقہاء اس ذبیحہ کو حرام کہتے ہیں' کیونکہ یہ ﴿مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ کے حکم میں شامل ہے۔ اور بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کا کھانا ہمارے لیے مباح ٹھہرایا ہے اور اسے معلوم ہے کہ یہ لوگ ذبح کرتے وقت کیا کہتے ہیں۔ [1]

---

[1] المغنی میں ہے کہ اگر کوئی کتابی اللہ کا نام لینا دانستہ طور پر ترک کر دے' یا غیر اللہ کا نام لے تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہی منقول ہے۔ اور امام شافعی' نخعی' حماد' اسحق اور اصحاب الرائ کا بھی یہی قول ہے۔ اہل کتاب کا کھانا حلال ہونے سے متعلق آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کا وہ ذبیحہ حلال ہے جس میں مقررہ شرائط کی تکمیل کی گئی ہو جس طرح کہ مسلمان کو کرنا پڑتی ہے۔ ہاں اگر یہ معلوم نہ ہو کہ ذبح کرنے والے نے اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں' یا غیر اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں تو اس کا ذبیحہ کھانا جائز ہے' کیونکہ اللہ نے ہمارے لیے مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ جائز کر دیا ہے' آنحالیکہ اسے معلوم ہے کہ ہم ہر ذبح کرنے والے کے حال سے واقف نہیں ہو سکتے۔ (المغنی لابن قدامة ج٨ص ٥٧١) مترجم۔

سیّدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے کنیسہ کے لیے ذبح کیے ہوئے مینڈھے کے بارے میں جسے ''جرجس'' کہا جاتا تھا، پوچھا گیا کہ کیا کنیسہ کے اس نذرانہ سے ہم کھا سکتے ہیں؟ آپ نے سائل کو جواب دیا: ''یہ اہل کتاب ہیں، ان کا کھانا ہمارے لیے حلال ہے اور ہمارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔ پھر اس سے کہا ''کھا سکتے ہو۔'' ❶

اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ سے اہل کتاب کے اس ذبیحہ کے بارے میں پوچھا گیا جس کا نذرانہ وہ اپنے تہوار کے موقع پر اور کیناؤں کے لیے پیش کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''میں اسے مکروہ خیال کرتا ہوں' حرام نہیں سمجھتا۔'' آپ رحمہ اللہ کا مکروہ خیال کرنا تورّع سے ہے اور حرام نہ سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک ﴿ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ کا مفہوم اہل کتاب کی نسبت سے یہ ہے کہ جسے انہوں نے اپنے معبودوں کے تقرب کے لیے ذبح کیا ہو اور اسے وہ خود کھاتے نہ ہوں (بلکہ اس کا نذرانہ پیش کرتے ہوں) لیکن جسے ذبح کر کے خود کھاتے ہوں تو اس کا شمار اُن کے کھانے میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ ''اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔''

الیکٹرک شاک کا ذبیحہ اور بند ڈبوں کے گوشت کا حکم:

[۲]:...... دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا یہ ضروری ہے کہ اہل کتاب کے ذبح کرنے کا طریقہ ہمارے طریقے کے مطابق ہو' یعنی حلق کو کسی تیز آلہ سے کاٹ دیا جائے؟ اکثر علماء اسے ضروری سمجھتے ہیں' لیکن مالکیہ کے ایک گروہ کا فتویٰ ہے کہ یہ ضروری نہیں۔ قاضی ابن العربی سورۂ مائدہ کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اہل کتاب کا شکار اور کھانا ان پاک چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ نے جائز ٹھہرایا ہے۔ یہ مطلقاً حلال ہے اور اس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے' تاکہ شکوک وشبہات رفع ہوں اور غلط خیالات کا ازالہ ہو جائے۔ میرے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ نصرانی مرغی کی گردن

❶ تفسیر طبری (۹/ ۵۸۰).

مروڑ دیتے ہیں اور پھر اسے پکا لیتے ہیں۔ ایسی صورت میں کیا ہم ان کے ساتھ کھا سکتے ہیں یا ان کا کھانا کھایا جا سکتا ہے؟ میں نے کہا: "کھایا جا سکتا ہے' کیونکہ یہ نصاریٰ اور ان کے احبار و رہبان کا کھانا ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک ذبح کرنے کا یہ طریقہ درست نہیں ہے' لیکن اللہ نے ان کا کھانا ہمارے لیے مطلقاً❶ جائز کر دیا ہے۔ اور ہر وہ کھانا جس کو وہ اپنے دین میں جائز سمجھتے ہوں وہ ہمارے لیے حلال ہے' ماسوائے ان کھانوں کے جن کے بارے میں اللہ نے انہیں جھوٹا قرار دیا ہے۔ ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ یہ اہل کتاب اپنی عورتیں ہماری زوجیت میں دے دیتے ہیں' جن کے ساتھ مباشرت جائز ہے پھر ہم ان کا ذبیحہ کیوں نہ کھائیں؟ حلت و حُرمت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کھانا مباشرت سے کم درجہ کی چیز ہے۔"

موصوف دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"یہ لوگ ذبح نہیں کرتے بلکہ گلا گھونٹ کر یا سر کچل کر ہلاک کر دیتے ہیں اور پھر اسے کھاتے ہیں، اس لیے یہ حرام مردار ہے لیکن (یہ عدم جواز کی صورت اور اوپر جواز کی جو صورت مذکور ہوئی ان) دو باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے' کیونکہ اہل کتاب جس کے بارے میں یہ سمجھتے ہوں کہ یہ درست ذبیحہ ہے اس کا کھانا ہمارے لیے حلال ہے' اگرچہ ہمارے نزدیک ان کے ذبح کرنے کا طریقہ درست نہ ہو' لیکن جس کے بارے میں وہ خود بھی یہ سمجھتے ہوں کہ یہ ذبیحہ درست نہیں ہے وہ ہمارے لیے بھی حلال نہیں ہے۔ ذبح کا مشترک مفہوم یہ ہے کہ جانور کی

---

❶ یہ بات' کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ ہمارے لیے مطلقاً جائز ہے' ایک شاذ قول ہے' جو محتاج دلیل ہے۔ قرآن کریم نے ان کے جس ذبیحہ کو جائز قرار دیا ہے وہ مشروع ذبیحہ ہے نہ کہ غیر مشروع۔ جس سیاق میں اہل کتاب کے ذبیحہ کو جائز قرار دیا گیا ہے اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہے کہ جس جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کیا گیا ہو اسی کا کھانا جائز ہے' البتہ ذبح کرنے والا اہل کتاب میں سے ہو تو کوئی حرج نہیں۔ مشروع طریقہ پر ذبح کرنے کی شرط معہود ہے' اس لیے اس کو نظر انداز کر کے اہل کتاب کے ہر ذبیحہ کو جائز سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ اس بنا پر اُن کی گردن مروڑی ہوئی مرغی ہمارے لیے حلال نہیں ہے۔ (مترجم)

جان نکالنے کا قصد وارادہ، اس کا کھانا حلال کرنے کی نیت سے کیا گیا ہو۔"

یہ مسلک مالکیہ کے ایک گروہ کا ہے۔ ان باتوں کی روشنی میں ہم محفوظ کیے ہوئے (بند ڈبوں کے) گوشت کا حکم سمجھ سکتے ہیں' جسے اہل کتاب کے یہاں سے درآمد کیا جاتا ہے۔ مثلاً: مرغی کا محفوظ کیا ہوا گوشت جو بعض اوقات الیکٹرک شاک کے ذبیحہ کا ہوتا ہے' لیکن جب تک وہ اسے حلال ذبیحہ سمجھتے ہیں (درج بالا) آیت کے عموم کے مطابق ہمارے لیے حلال ہے۔ ❶ رہا وہ گوشت جو کمیونسٹ ممالک سے درآمد کیا جاتا ہے تو ان کا کھانا ہمارے لیے کسی طرح جائز نہیں ہے' کیونکہ یہ لوگ تمام ادیان نیز اللہ اور رسالت سب کے منکر ہیں، اس لیے ان کا شمار اہل کتاب میں سے ہرگز نہیں ہے۔

مجوسیوں وغیرہ کا ذبیحہ

مجوسیوں کے ذبیحہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء کھانے سے منع کرتے ہیں کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ دیگر اہل علم کہتے ہیں کہ حلال ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((سُنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ .)) ❷

"ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا طریقہ اختیار کرو۔"

اور یہ واقعہ ہے کہ "ہجر" کے مجوسیوں سے جزیہ لیا گیا تھا۔ ❸

---

❶ جب یہ معلوم ہے کہ عام طور سے بند ڈبہ کا گوشت غیر شرعی طریق پر ذبح کیے ہوئے جانور کا ہوتا ہے' مثلاً: جھٹکا کیا ہوا' یا جس کو ذبح کرتے وقت دانستہ اللہ کا نام نہیں لیا گیا، تو ایسا گوشت محض اہل کتاب کی طرف منسوب ہو جانے سے ہمارے لیے کس طرح جائز ہوگا؟ کسی چیز کا حکم عام طریقہ کو دیکھ کر ہی لگایا جاتا ہے اور جو جانور غیر مشروع طریقہ پر ذبح کیا گیا ہو اس کا کھانا جائز نہیں' خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا عیسائی۔ (مترجم)

❷ موطا امام مالك (١/ ٢٨٧) كتاب الزكاة: باب جزية اهل الكتاب والمجوس' ح٤٢' كتاب الام للامام الشافعي (٤/ ١٧٤'٢٤٠).

❸ بخاري' كتاب الجزية : باب الجزية والموادعة مع اهل الحرب' ح٣١٥٦'٣١٥٧.

جمہور علماء کے نزدیک مجوسی کا ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ مثلاً: سیدنا ابن مسعودؓ سیدنا ابن عباسؓ سیدنا علیؓ سیدنا جابر ؓ، امام مالک ؒ' امام زہری ؒ' امام ثوری ؒ' امام شافعی ؒ اصحاب الرائے اور امام احمد ؒ وغیرہ۔ ابن قدامہ کے نزدیک "سُنُّوْا بِهِمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ" (ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا معاملہ کرو) کا تعلق جزیہ سے ہے۔ ذبیحہ اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو: المغنی ج ۸ ص ۵۷۰) ⇦⇦

ابن حزم اپنی کتاب "المحلی" میں ذبح کے باب میں فرماتے ہیں:

"وہ بھی کتاب رکھتے ہیں اس لیے ان تمام باتوں میں وہ اہل کتاب کے حکم میں ہیں۔" (ج ۷ ص ۴۵۶)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صابی بھی اہل کتاب سے ہیں۔

قاعدہ: جو چیز نظروں سے غائب ہے اس کی تفتیش میں نہیں پڑنا چاہیے:

ایک مسلمان کے لیے ضروری نہیں کہ جو چیز اس کی نظروں سے غائب ہو اس کے بارے میں تفتیش کرے، کہ اس کو کس طرح ذبح کیا گیا تھا؟ ذبح کی شرائط پوری کی گئی تھیں یا نہیں؟ اس پر اللہ کا نام لیا گیا تھا یا نہیں؟ بلکہ جو ہماری نظروں سے غائب ہو اور ذبح کرنے والا مسلمان ہو، خواہ وہ جاہل ہو یا فاسق، یا وہ اہل کتاب میں سے ہو تو اس کا کھانا حلال ہے۔

اس سے پہلے ہم بخاری کی یہ حدیث بیان کر چکے ہیں:

((اِنَّ قَوْمًا سَأَلُوْا النَّبِیَّ ﷺ فَقَالُوْا اِنَّ قَوْمًا یَاْتُوْنَنَا بِاللَّحْمِ لَانَدْرِیْ اَذَکَرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اَمْ لَا؟ فَقَالَ علیہ السلام: سَمُّوا اللّٰهَ عَلَیْهِ اَنْتُمْ وَکُلُوْا۔)) ❶

کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ بعض لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اُس پر اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔"

علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ افعال و تصرفات کو صحت و سلامت پر محمول کیا جائے گا، الا یہ کہ فساد و بطلان پر کوئی دلیل قائم ہو۔

⇐ علامہ جصاص حنفی فرماتے ہیں: مجوس کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر فقہاء کہتے ہیں کہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں۔ اور جو اُن کے اہل کتاب ہونے کے قائل ہیں وہ شاذ ہیں۔ ان کے اہل کتاب نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ دو گروہوں کو اہل کتاب قرار دیا ہے۔ قرآن میں ہے ﴿اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْکِتٰبُ عَلٰی طَآئِفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾ اگر مجوس اہل کتاب سے ہوتے تو ذکر تین گروہ کا ہوتا۔ اسی طرح نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجوس اہلِ کتاب میں سے ہیں، بلکہ یہ فرمایا کہ "اُن کے ساتھ اہل کتاب کا سا معاملہ کرو۔" آپ ﷺ نے یہ بات خاص طور پر جزیہ کے بارے میں فرمائی۔ (ملاحظہ ہو أحكام القرآن للجصاص ج۲ ص۴۰۰) (مترجم)

❶ بخاری کتاب التوحید۔ باب ان لله مائة اسم الا واحدة ح ۷۳۹۸، ۲۰۵۷.

شکار

عرب اور دیگر اقوام کے بہت سے لوگ شکار پر گزارہ کرتے تھے' اس لیے قرآن وسنت نے شکار کا ذکر بڑے اہتمام سے کیا ہے۔ اور فقہاء نے مستقل ابواب مخصوص کر کے حلال وحرام اور واجب ومستحب شکار کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ یہ تفصیل اس لیے ضروری ہوئی کہ بہت سے جانور اور پرندے جن کا گوشت پاکیزہ ہے' انسان کے اختیار اور قابو میں نہیں ہوتے' کیونکہ وہ انسان سے غیر مانوس ہوتے ہیں، اس لیے اسلام نے مانوس حیوانات کے حلق اور لبّہ کو ذبح کرنے کی جو شرط رکھی ہے وہ ان غیر مانوس حیوانات کے لیے نہیں رکھی' بلکہ ان کو ذبح کرنے کا آسان طریقہ تجویز کیا۔ یہ انسان کے حق میں تخفیف اور وسعت وکشادگی کا پہلو ہے۔

اسلام نے انسان کی فطری ضرورتوں کا پورا پورا لحاظ کیا ہے اور شکار کے بارے میں جو شرائط عائد کی ہیں ان کا منشاء یہ ہے کہ انسان اسلام کے عقیدہ اور اس کے نظام کے آگے جھک جائے اور جس طرح ایک مسلمان کو ہر معاملہ میں اسلام کا رنگ اختیار کرنا چاہیے' اس معاملہ میں بھی وہ اسلام کا (پورا) رنگ اختیار کرے۔

ان شرائط میں سے بعض وہ ہیں جن کا تعلق شکار کرنے والے سے ہے' بعض کا شکار سے اور بعض کا شکار کے فعل سے۔

یہ باتیں برّی شکار سے متعلق ہیں' کیونکہ دریائی شکار کے بارے میں اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی قید کے سب کو حلال قرار دیا ہے۔

﴿ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ ﴾ (المائدة: ٥/ ٩٦)

''دریائی شکار اور اس کا کھانا تمہارے لیے جائز کر دیا گیا ہے۔''

وہ شرائط جو شکاری سے متعلق ہیں:

خشکی کا شکار کرنے والے کے لیے وہی شرائط ہیں جو ذبح کرنے والے کے لیے ہیں' یعنی اس کا مسلمان' یا اہل کتاب' یا جو اہل کتاب کے حکم میں ہیں ان میں سے ہونا' جیسے مجوسی یا صابی۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ فضول شکار نہ کیا جائے' یعنی شکار کھانے کی غرض سے کیا

جائے یا کسی اور قسم کا فائدہ اٹھانے کی غرض سے۔ اور اس طرح خواہ مخواہ جان تلف کرنے کی کسی طرح بھی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ حدیث میں آیا ہے:

((مَنْ قَتَلَ عُصْفُوْرًا عَبَثًا عجَّ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُوْلُ: يَارَبِّ، اِنَّ فُلَانًا قَتَلَنِيْ عَبَثًا وَلَمْ يَقْتُلْنِيْ مَنْفَعَةً.)) ❶

''جس نے کسی چڑیا کو بے مقصد مار ڈالا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے فریاد کرے گی کہ اے میرے رب! فلاں شخص نے مجھے خواہ مخواہ مار ڈالا تھا۔ یہ کام کسی فائدہ کے لیے نہیں کیا تھا۔''

دوسری حدیث میں ہے:

((مَا مِنْ اِنْسَانٍ يَقْتُلُ عُصْفُوْرًا فَمَا فَوْقَهَا بِغَيْرِ حَقِّهَا اِلَّا سَأَلَهُ اللّٰهُ عَنْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا حَقُّهَا؟ قَالَ اَنْ يَذْبَحَهَا فَيَأْكُلَهَا وَلَا يَقْطَعْ رَأْسَهَا فَيَرْمِيْ بِهِ.)) ❷

''جو شخص کسی چڑیا یا اس سے بھی کمتر کسی جاندار کو ناحق مار ڈالتا ہے، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے ضرور باز پرس کرے گا۔'' کسی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا: ''اس کو ذبح کر کے کھانا' اور یہ نہ ہو کہ اس کا سر کاٹ کر پھینک دے۔''

علاوہ ازیں ضروری ہے کہ شکار کرنے والا حج یا عمرہ کے احرام میں (محرم) نہ ہو' کیونکہ مسلمان جب احرام میں ہوتا ہے تو مکمل امن وسلامتی کی حالت میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾ (المائدة: ٥/ ٩٦)

''خشکی کا شکار' جب تک کہ تم حالتِ احرام میں ہو' تم پر حرام کیا گیا ہے۔''

❶ نسائی' کتاب الضحایا: باب من قتل عصفوراً بغیر حقها' ح ٤٤٥١۔

❷ نسائی' حوالہ سابق' ح ٤٤٥٠۔ (اسناده ضعيف)

جس کا شکار کیا جائے اس سے متعلق شرائط:

ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس جانور کا شکار کیا جائے اس کے حلق یا لَبَّہ کو ذبح کرنے پر انسان قادر نہ ہو۔ اگر اس پر قدرت رکھتا ہو تو پھر لازماً اسی طرح ذبح کرنا ہوگا کیونکہ ذبح کرنے کا اصل طریقہ یہی ہے۔

اسی طرح اگر تیر چلا کر یا سدھائے ہوئے کتے کے ذریعہ شکار کیا ہو اور وہ اس حالت میں مل جائے کہ اس میں قرار پذیر زندگی ہو' تو معمول کے مطابق حلق سے ذبح کرنا ضروری ہوگا' لیکن اگر ایسی حالت میں مل جائے کہ اس میں قرار پذیر زندگی نہ ہو تو بہتر ہوگا کہ اسے ذبح کر لیا جائے' لیکن اگر اسے اپنے حال پر مرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے تو (اُس کے کھانے پر) کوئی گناہ نہ ہوگا۔ صحیحین کی حدیث ہے:

((وَإِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَإِنْ أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَأَدْرَكْتَهُ حَيًّا فَاذْبَحْهُ .)) ❶

''جب تم اپنے کتے کو چھوڑو تو اس پر اللہ کا نام لو۔ پھر اگر وہ شکار کو تمہارے لیے روک رکھے اور تم اسے زندہ پالو تو ذبح کرو۔''

شکار کے ذرائع:

وہ چیزیں جن سے شکار کیا جائے، دو طرح کے ہیں:

(ا):..... جارح آلہ جیسے تیر' تلوار' نیزہ' جیسا کہ قرآن کی آیت سے مترشح ہے:

﴿تَنَالُهُۥٓ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ﴾ (المائدة: ٥/ ٩٤)

''جو تمہارے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں آجائے۔''

(ب):...... شکاری جانور جسے شکار کی تربیت دی گئی ہو' جیسے کتا' چیتا' باز اور شکرہ۔

قرآن میں ہے:

﴿قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ ٱلْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا

❶ بخاري' كتاب الذبائح: باب صيد المعراض' ح٥٤٧٦' ٥٤٨٤۔ مسلم' كتاب الصيد: باب الصيد بالكلاب المعلمة والرمي' ح٦/ ١٩٢٩۔ واللفظ له۔

عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ﴾ (المائدة : ٥/ ٤)

''کہو! تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو یعنی جن کو اللہ کے دیئے ہوئے علم کی بنا پر تم شکار کی تعلیم دیا کرتے ہو۔''

شکار کرنے کے لیے زخمی کرنے والا ہتھیار اور بندوق کے شکار کا حکم:

شکار کے آلہ سے متعلق دو شرطیں ہیں:

ایک یہ کہ آلہ جسم کے اندر نفوذ (داخل) کر جائے کہ یہ نفوذ اور جرح (زخم) شکار کی موت کا باعث بن جائے۔ آلہ کے بوجھ تلے دب کر موت واقع نہ ہوئی ہو۔ عدی بن حاتم نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا:

((اِنِّیْ اَرْمِیْ بِالْمِعْرَاضِ الصَّیْدَ فَأُصِیْبُهٗ قَالَ' اِذَا رَمَیْتَ بِالْمِعْرَاضِ فَخَرَقَ فَكُلْ وَمَا اَصَابَ بِعَرْضِهٖ فَلَا تَأْكُلْ)) ❶

''میں بغیر (بھالے کے) پھل کے تیر سے شکار کرتا ہوں اور وہ نشانہ پر لگ جاتا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم تیر چلاؤ اور شکار کے جسم میں نوک کی طرف سے گھس جائے تو اسے کھاؤ۔ اور عرض کی طرف سے جا کر لگے تو مت کھاؤ۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعتبار ہتھیار کے نفوذ کر جانے کا ہوگا اگرچہ شکار کا قتل کسی بوجھل چیز سے ہوا ہو۔ اس بنا پر بندوق اور ریوالور کی گولی سے کیا ہوا شکار حلال ہے' کیونکہ یہ گولی جسم میں تیر' نیزہ اور تلوار سے بھی زیادہ تیزی سے نفوذ کر جاتی ہے۔ رہی امام احمد کی روایت کردہ حدیث کہ:

((لَا تَأْكُلْ مِنَ الْبُنْدُقَةِ اِلَّا مَا ذَكَّيْتَ .)) ❷

''بندقہ سے کیا ہوا شکار نہ کھاؤ الا یہ کہ تم نے اسے ذبح کر لیا ہو۔''

---

❶ بخاری کتاب الذبائح : باب ما اصاب المعراض بعرضه' ح ٥٤٧٧' ٧٣٩٧' مسلم' کتاب الصید: باب الصید بالکلاب المعلمة والرمی ح ١/ ١٩٢٩۔ واللفظ له .

❷ مسند احمد (٤/ ٣٨٠) (اسناده ضعیف).

اور بخاری نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ بندقہ کا شکار موقوذہ (چوٹ کھا کر مرا ہوا جانور) ہے ❶ تو اس بندقہ سے مراد مٹی کا ڈھیلا ہے جس کو پھینک کر شکار کیا جائے۔ یہ بُندقہ موجودہ بندوق سے بالکل مختلف چیز ہے۔

بندقہ سے مشابہت رکھنے والی چیز کنکری ہے جس کو پھینکنے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت کی ہے اور فرمایا ہے:

((اِنَّهَا لَا تَصِيدُ صَيْدًا وَلَا تَنْكَأُ عَدُوًّا لٰكِنَّهَا تُكْسِرُ السِّنَّ وَتَفْقَأُ الْعَيْنَ .)) ❷

''کنکری سے نہ شکار ہوتا ہے اور نہ دشمن زخمی ہوتا ہے' بلکہ دانت ٹوٹ جاتا ہے اور آنکھ پھوٹ جاتی ہے۔''

دوسرے یہ کہ آلہ پھینکتے یا ہتھیار چلاتے وقت اللہ کا نام لیا جائے' جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو اس کی ہدایت فرمائی تھی ❸ اور اس بات میں ان سے روایت کردہ حدیثیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔

کتوں کے ذریعہ شکار:

جب شکار کتے یا باز وغیرہ کے ذریعہ کیا جائے تو اس صورت میں درج ذیل شرائط کو ملحوظ رکھنا ہوگا:

- ایک یہ کہ جانور کو شکار کی تربیت دی گئی ہو۔
- دوسرے یہ کہ سدھایا ہوا جانور اپنے مالک کے لیے شکار کرے۔ اور قرآن کی تعبیر کے مطابق اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے مالک کے لیے روکے رکھے۔

---

❶ بخاری' کتاب الذبائح: باب صید المعراض قبل ح ٥٤٧٦۔ تعلیقاً فی ترجمه اللباب و وصله البیهقی فی السنن الکبری (٩/ ٢٤٩)

❷ بخاری' کتاب الذبائع: باب الخذف والبدقة' ح ٥٤٧٩' مسلم' کتاب الصید: باب اباحة مایستطعان علی الاصطیار' ح۔ ١٩٥٤۔

❸ بخاری' کتاب الذباع: باب صید المعراض ح۔٥٤٧٦' ٥٤٨٤۔ مسلم' کتاب الصید: باب الصید بالکلاب المعلمة' ح: ١٩٢٩۔

❀ تیسرے یہ کہ اس کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا جائے۔

ان شرائط کی بنیاد درج ذیل آیت ہے:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ﴾ (المائدة: ٥/ ٤)

''تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا کیا چیزیں حلال کر دی گئی ہیں؟ کہو تمہارے لیے تمام پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو یعنی جن کو اللہ کے دیئے ہوئے علم کی بنا پر تم شکار کی تعلیم دیا کرتے ہو وہ جس شکار کو تمہارے لیے روک رکھیں اس کو کھاؤ' البتہ اس پر اللہ کا نام لو۔''

❶ :...... شکاری جانور کو کس حد تک سدھایا جانا چاہیے' یہ ایک معروف بات ہے۔ اس کے مفہوم میں درج ذیل باتیں شامل ہیں:

① اس کا مالک اس پر اپنا حکم چلا سکے۔

② اس کے بلانے پر وہ آجائے۔

③ شکار کرنے پر وہ آمادہ کرے تو وہ اس کی تعمیل کرے۔

④ اور ڈانٹنے پر متنبہ ہو جائے۔

ان میں سے بعض باتوں کے شرط ہونے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ سدھانے کا مطلب عرف سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

❶ :...... مالک کے لیے روک رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ شکار میں سے خود نہ کھائے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِذَا اَرْسَلْتَ الْكَلْبَ فَاَكَلَ مِنَ الصَّيْدِ فَلَاتَاْكُلْ' فَاِنَّمَا اَمْسَكَ عَلٰى نَفْسِهٖ' فَاِذَا اَرْسَلْتَهٗ فَقَتَلَ وَلَمْ يَاْكُلْ فَكُلْ فَاِنَّمَا اَمْسَكَهٗ عَلٰى

صَاحِبِهِ.)) ❶

"جب تم کتے کو شکار کے لیے چھوڑ دو اور وہ شکار میں سے کچھ کھا لے تو تم اسے نہ کھاؤ' کیونکہ اس نے شکار کو اپنے لیے روکا ہے۔ اور اگر تمہارے چھوڑ دینے کے بعد وہ شکار کرے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھائے تو تم اسے کھاؤ' کیونکہ ایسی صورت میں اس نے اپنے مالک کے لیے شکار کو روک رکھا ہے۔"

بعض فقہاء نے درندوں میں فرق کیا ہے۔ ایک وہ جو چوپایوں میں سے ہوں مثلاً: کتے۔ اور دوسرے وہ جو پرندوں میں سے ہوں مثلاً: شکرہ۔ ان کے نزدیک پرندہ کا کھایا ہوا شکار جائز ہے' لیکن کتے کا کھایا ہوا شکار جائز نہیں۔

شکاری جانور کو سدھانے اور اپنے مالک کے لیے شکار کو روک رکھنے کی شرطیں درحقیقت انسان کے مرتبہ کی بلندی کے پیش نظر اور اسے درندوں کے پس خوردہ سے پاک رکھنے کی غرض سے ہیں۔ کیونکہ جب کتا سدھایا ہوا ہو اور وہ اپنے مالک کے لیے شکار کو روک رکھے تو اس کی حیثیت محض ایک آلہ کی ہو جاتی ہے جسے شکاری استعمال کرتا ہے۔ جیسے تیر اور نیزہ۔

❸:...... شکار کے لیے کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لینا ایسا ہی ہے جیسے تیر چلاتے' نیزہ گھونپتے' یا تلوار سے ضرب لگاتے وقت اللہ کا نام لینا۔ قرآن کی آیت ﴿وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ (اس پر اللہ کا نام لو) میں اس کا حکم موجود ہے۔ اور اس سلسلہ میں صحیح اور متفق علیہ حدیثیں وارد ہوئی ہیں' جیسے مذکورہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

اس شرط کے صحیح ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جس کتے کو شکار کے لیے چھوڑا گیا اس کے ساتھ اگر کوئی دوسرا کتا شریک ہو جائے تو ان کا شکار جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب سیدنا عدی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

❶ قال الشيخ الالباني "لم اره عند احمد في المسند بهذا اللفظ ولا عند احد من اصحاب الكتب الستة وقد جاء الحديث في عدة مواطن من المسند بالفاظ مختلفة۔(٤/ ٢٥٦'٢٥٨ـ ٣٧٧ـ ٣٨٨)۔ ليس فيها هذا اللفظ و معناه عند البخاري و مسلم وغيرهما۔(غاية المرام ص ٥١)

انظر البخاري كتاب الذبائح: باب صيد المعراض' ح:٥٤٧٦' مسلم' كتاب الصيد: باب الصيد بالكلاب المعلمة' ح: ١٩٢٩۔

((اِنِّیْ اُرْسِلُ کَلْبِیْ اَجِدُ مَعَهٗ کَلْبًا لَا اَدْرِیْ اَیُّهُمَا اَخَذَهٗ؟ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: فَلَا تَأْکُلْ فَاِنَّمَا سَمَّیْتَ عَلٰی کَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلٰی غَیْرِهٖ.)) ❶

''میں اپنا کتا شکار کے لیے چھوڑ دیتا ہوں پھر اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی موجود ہوتا ہے' معلوم نہیں ہوتا کہ کس کتے نے شکار کیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مت کھاؤ' کیونکہ تم نے اپنے کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا تھا' دوسرے کتے پر نہیں لیا تھا۔''

پھر اگر تیر چلاتے وقت یا کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھول چوک کی صورت میں کوئی مواخذہ نہیں ہے اور اس کا تدارک کھاتے وقت اللہ کا نام لے کر کیا جائے' جیسا کہ ذبح کے باب میں گذر چکا۔

تیر چلانے کے بعد اگر شکار مردہ حالت میں مل جائے

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شکاری تیر چلاتا ہے اور شکار کو لگ جاتا ہے' لیکن وہ بروقت دستیاب نہیں ہوتا' بلکہ ایک دن یا چند دن بعد مردہ حالت میں دستیاب ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ شکار کیا ہوا جانور حلال ہے بشرطیکہ:

① :...... وہ پانی میں نہ گر پڑا ہو' کیونکہ نبی ﷺ کی حدیث ہے:

((اِذَا رَمَیْتَ سَهْمَكَ فَاِنْ وَجَدْتَهٗ قَدْ قُتِلَ فَکُلْ اِلَّا اَنْ تَجِدَهٗ قَدْ وَقَعَ فِیْ مَاءٍ فَاِنَّكَ لَا تَدْرِی الْمَاءُ قَتَلَهٗ اَمْ سَهْمُكَ.)) ❷

''تم تیر چلانے کے بعد شکار کو مردہ حالت میں پالو تو کھاؤ' لیکن اگر پانی میں گرا ہوا پاؤ تو نہ کھاؤ' کیونکہ تمہیں یہ نہیں معلوم کہ وہ پانی کی وجہ سے مر گیا ہے یا

---

❶ بخاری' کتاب الذبائح: باب صید المعراض'ح ٥٤٧٦۔مسلم' کتاب الصید: باب الصید بالکلاب'ح/ ١٩٢٩.

❷ بخاری' کتاب الذبائح: باب الصید اذا غاب عنه یومین او ثلاثة' ح ٥٤٨٤' ٥٤٨٥' مسلم' کتاب الصید: باب الصید بالکلاب'ح: ٧-٦/ ١٩٢٩.

تمہارا تیر لگ کر۔"

۲:...... کسی دوسرے تیر کا نشان اس پر موجود نہ ہو جس سے شبہ ہو کہ شکار کسی اور تیر کے لگ جانے سے مر گیا ہے۔ سیّدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرْمِی الصَّیْدَ فَأَجِدُفِیْهِ سَهْمِی مِنَ الْغَدِ، فَقَالَ: إِذَا عَلِمْتَ أَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهُ وَلَمْ تَرَ فِیْهِ أَثَرَ سَبُعٍ فَكُلْ .)) ❶

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں تیر چلاتا ہوں اور دوسرے دن شکار کو پاتا ہوں جس میں میرا تیر لگا ہوا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تمہیں معلوم ہو کہ تمہارے ہی تیر نے اسے قتل کیا ہے اور کسی درندے کے کھانے کا کوئی نشان موجود نہ ہو تو اسے کھالو۔"

۳:...... شکار میں تعفن (بدبو) نہ پیدا ہوا ہو' کیونکہ طبع سلیم کے نزدیک متعفن چیز ناپاک ہے اور اسے ایسی چیز سے نفرت ہے' نیز اس میں مضرت کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا ابی ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((إِذَا رَمَیْتَ سَهْمَكَ فَغَابَ ثَلَاثَةَ أَیَّامٍ وَأَدْرَكْتَهُ فَكُلْهُ مَالَمْ یُنْتِنْ .)) ❷

"جب تم تیر چلاؤ اور شکار تین دن کے بعد مل جائے، تو اسے کھاؤ بشرطیکہ اس میں تعفن نہ پیدا ہوا ہو۔"

شراب

خمر (شراب) ایک الکوحلی مادہ ہے۔ جو نشہ پیدا کرتا ہے۔

یہ بات محتاج بیان نہیں ہے' کہ شراب کے کتنے مضر اثرات انسان کے عقل و جسم اور

❶ ترمذی' کتاب الصید: باب ماجاء فی الرجل یرمی الصید فیغیب عنه' ح:۱۴۶۸' نسائی' کتاب الصید: باب فی الذی یرمی الصید' فیغیب عنه' ح۴۳۰۷ .

❷ مسلم' کتاب الصید: باب اذا غاب عنه الصید ثم وجده' ح:۱۹۳۱ .

اس کے دین و دنیا پر مرتب ہوتے ہیں۔ اور ایک خاندان کے لیے وہ کیا کیا تباہیاں لاتی ہے۔ اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ قوم اور سماج کی مادی، اخلاقی اور رُوحانی زندگی کے لیے یہ کس قدر خطرناک اور مہلک ہے۔

ایک محقق نے بالکل صحیح کہا ہے کہ انسان کو شراب سے بڑھ کر کسی چیز نے زِک نہیں پہنچائی۔ اگر دنیا کے ہسپتالوں کا جائزہ لے کر ان لوگوں کے اعداد وشمار جمع کیے جائیں جو شراب کی وجہ سے جنون اور لا علاج امراض کا شکار ہو جاتے ہیں، جو قتل وخون کرنے لگ جاتے ہیں اور جو اعصابی بیماریوں اور پیٹ وغیرہ کی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں، نیز جو اپنی اَملاک سے ہاتھ دھو کر مفلس اور قلاش ہو کر رہ جاتے ہیں، تو اعداد وشمار ایسی خطرناک حد کو پہنچ جائیں گے کہ اس کے مقابلہ میں جو نصیحت بھی کی جائے، کم ہی محسوس ہوگی۔

عرب زمانہ جاہلیت میں شراب کے متوالے اور رسیا تھے۔ ان کی زبان میں شراب کے تقریباً ایک سو نام تھے اور ان کی شاعری میں شراب کی اقسام، اس کی خصوصیات اور جام ومینا اور محفلِ سرور کا ذکر بڑی کثرت سے کیا گیا ہے۔ جب اسلام کی آمد ہوئی تو اس نے تربیت کا نہایت حکیمانہ انداز اختیار کیا۔ اور تدریجاً اسے کلیتہً حرام قرار دیا۔

اس نے سب سے پہلے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی۔ اس کے بعد یہ بات ذہن نشین کرائی کہ شراب کا گناہ اس کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔ اور اخیر میں سورۂ مائدہ کی جامع آیت نازل ہوئی جس نے شراب کا قطعی حکم یوں بیان کر دیا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ۝ ﴾ (المائدۃ: ۵/ ۹۰۔۹۱)

''اے ایمان والو! شراب، جُوا، استھان اور پانسے کے تیر بالکل نجس شیطانی کام ہیں۔ ان سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جُوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت اور بُغض ڈالے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز

سے روکے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز آجاؤ گے۔؟"

اس قطعی بیان کے بعد مؤمنوں کا جواب تھا۔" اے رب! ہم اس سے باز آ گئے۔ اے رب! ہم باز آ گئے۔" ❶

انہوں نے اس آیت کے نازل ہونے پر حیرت انگیز نمونہ پیش فرمایا۔ جو شخص ہاتھ میں جام لیے پی رہا تھا، یہ آیت سنتے ہی اس نے منہ سے جام ہٹا دیا اور اسے زمین پر اُنڈیل دیا۔ ❷

بہت سی حکومتوں نے شراب کے نقصانات کو' جو افراد' خاندانوں اور ملکوں کو بھگتنا پڑتے ہیں' تسلیم کر لیا ہے۔ اور بعض حکومتوں نے اسے قانون و اقتدار کے بل پر ممنوع قرار دینے کی بھی کوشش کی۔ چنانچہ امریکہ نے شراب کو قانوناً ممنوع قرار دیا تھا لیکن اس میں اُسے بُری طرح ناکامی ہوئی' لیکن اسلام اور صرف اسلام شراب کے خلاف جنگ لڑنے اور اس کا خاتمہ کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو گیا۔

اہلِ کنیسہ کے درمیان شراب کے بارے میں مسیحی مذہب کا موقف متعین کرنے میں اختلاف ہوا ہے۔ انہوں نے اس کا مأخذ انجیل کی اس عبارت کو قرار دیا ہے کہ "قلیل مقدار میں شراب معدہ کے لیے مفید ہے۔"

اگر یہ کلام صحیح ہو اور واقعی وہ معدے کے لیے مفید ہو، تب بھی قلیل مقدار سے بھی بچنا ضروری ہو گا' کیونکہ قلیل مقدار میں پیتے پیتے آدمی کثیر مقدار میں پینے لگے گا اور ایک جام دوسرے جام کی خواہش پیدا کرے گا۔ اس طرح وہ شراب کا عادی اور رسیا بن جائے گا۔

ہر نشہ آور چیز خمر (شراب) ہے:

نبی ﷺ نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی کہ شراب کس چیز سے بنائی جاتی ہے' بلکہ اس کے اثر یعنی نشہ کو قابل لحاظ سمجھا۔ لہٰذا جس چیز میں نشہ لانے کی قوت ہو وہ خمر (شراب)

---

❶ ابو داود' كتاب الاشربة: باب تحريم الخمر- ح: ٣٦٧٠- ترمذي' كتاب تفسير القرآن: باب ومن سورة المائدة' ح: ٣٠٤٩- نسائي: كتاب الاشربة: باب تحريم الخمر' ح: ٥٥٤٢ .

❷ بخاري' كتاب الاشربة: باب نزل تحريم الخمر ..... ح: ٥٥٨٢- مسلم' كتاب الاشربة: باب تحريم الخمر' ح: ١٩٨٠- المغني .

ہے۔خواہ لوگوں نے اس کا کوئی سا نام رکھا ہو اور خواہ وہ کسی چیز سے تیار کی گئی ہو۔شراب کی اس حقیقت کے پیش نظر بیئر (Beer) اور اس کے مماثل چیز حرام ہیں۔

نبی ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ شہد' مکئی اور جو سے جو شراب بنائی جاتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں بڑی جامع بات ارشاد فرمائی:

((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ .)) ❶

''ہر نشہ آور چیز خمر ہے۔اور ہر خمر (شراب) حرام ہے۔''

اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منبر رسول ﷺ سے اعلان فرمایا:

((اَلْخَمْرُ مَاخَامَرَ الْعَقْلَ .)) ❷

''خمر (شراب) وہ ہے جو عقل کو ڈھانک دے''

نشہ آور چیز حرام ہے' خواہ قلیل ہو یا کثیر

اسلام نے قطعی طور پر شراب حرام کر دی اور کم یا زیادہ مقدار میں پینے کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔ تاکہ اس راہ میں انسان کے قدم ڈگمگا نہ جائیں اور وہ گراوٹ کو اختیار نہ کرے۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَاأَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ .)) ❸

''جو چیز کثیر مقدار میں نشہ لائے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔''

نیز فرمایا:

---

❶ مسلم' کتاب الاشربة/ باب بیان ان کل مسکر خمر' ح: ۷۱/ ۱۷۳۳' ۲۰۰۳۔ واللفظ له واخرجه البخاری فی کتاب المغازی: باب بعث ابی موسی و معاذ الی الیمن - ح:۴۳۴۳' ۶۱۲۴ باختلاف یسیر .

❷ بخاری' کتاب الاشربة: باب ماجاء فی ان الخمر ماخامر العقل' ح:۵۵۸۸۔ مسلم' کتاب التفسیر: باب فی نزول تحریم الخمر' ح: ۳۰۳۲ .

❸ مسند احمد (۳/ ۳۴۳)۔ ابوداؤد' کتاب الاشربة: باب ماجاء فی السکر' ح/ ۳۶۸۱۔ ترمذی: کتاب الاشربة: باب ماجاء ما اسکر کثیرہ فقلیله حرام' ح/ ۱۸۶۵ - ابن ماجه' کتاب الاشربة: باب ما اسکر کثیرہ فقلیه حرام' ح:۳۳۹۳ .

((مَا أَسْكَرَ الْفِرَقُ مِنْهُ فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ .)) ❶

"جو چیز فرق (ایک ناپ کا پیمانہ جو سولہ رطل کا ہوتا ہے) کی مقدار میں نشہ آور ہو اس کی چلّو بھر مقدار بھی حرام ہے۔"

شراب کی تجارت:

نبی ﷺ نے تھوڑی' یا زیادہ مقدار میں شراب پینے کو ہی حرام نہیں ٹھہرایا' بلکہ اس کی تجارت کو بھی حرام قرار دیا' اگرچہ یہ تجارت غیر مسلموں کے ساتھ کی جائے۔ لہٰذا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ شراب کی درآمد و برآمد کا کاروبار کرے' یا شراب خانہ کھول کر بیٹھ جائے' یا اس میں ملازمت کرنے لگ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے شراب کے سلسلہ میں دس افراد پر لعنت فرمائی ہے:

((لَعَنَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الْخَمْرِ عَشْرَةً: عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَآكِلَ ثَمَنِهَا وَالْمُشْتَرِيَ لَهَا وَالْمُشْتَرَاةَ لَهُ .)) ❷

"شراب نچوڑنے والا' نچڑوا لینے والا' پینے والا' اُٹھانے والا' وہ جس کے لیے اُٹھا کر لے جائی جائے' پلانے والا' فروخت کرنے والا' اس کی قیمت کھا جانے والا' خریدنے والا اور وہ جس کے لیے خریدی جائے' ان سب پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔"

جب سورۂ مائدہ کی مذکورہ آیت جس میں شراب کی حرمت بیان ہوئی ہے' نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ الْخَمْرَ فَمَنْ أَدْرَكَتْهُ هٰذِهِ الْآيَةُ وَعِنْدَهُ مِنْهَا شَيْءٌ فَلَا يَشْرَبْ وَلَا يَبِعْ .)) ❸

❶ مسند احمد (٦/ ١٣١) ۔ابوداود' حوالہ سابق' ح/ ٣٦٨٧۔ ترمذی' حوالہ سابق' ح:١٨٦٦۔

❷ ترمذی' کتاب البیوع : باب النهی ان یتخذ الخمر خلاً' ح/ ١٢٩٥ ۔ ابن ماجه' کتاب الاشربة' باب لعنت الخمر علی عشرة' ح:٣٣٨١ .

❸ مسلم' کتاب المساقاة: باب تحریم بیع الخمر' ح:١٥٧٨۔ باختلاف یسیر .

''اللہ نے شراب حرام کردی ہے۔ لہٰذا جس شخص تک یہ حکم پہنچ جائے اور اس کے پاس شراب موجود ہو' تو وہ اسے نہ پیئے اور نہ فروخت کرے۔''

راوی کہتے ہیں کہ جن لوگوں کے پاس شراب موجود تھی اس کو انہوں نے مدینہ کے راستوں پر بہادیا۔ اسلام نے سدِّ ذریعہ کے طور پر یہ بات بھی حرام کردی کہ کوئی مسلمان کسی ایسے شخص کے ہاتھ انگور فروخت کرے' جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ ان کو نچوڑ کر شراب بنائے گا۔ حدیث میں ہے:

((مَنْ حَبَسَ الْعِنَبَ اَيَّامَ الْقِطَافِ حَتّٰى يَبِيْعَهٗ مِنْ يَهُوْدِيٍّ اَوْنَصْرَانِيٍّ اَوْ مِمَّنْ يَتَّخِذُهٗ خَمْرًا فَقَدْ تَقَحَّمَ النَّارَ عَلٰى بَصِيْرَةٍ .)) ❶

''جس نے انگور کو فصل کٹنے پر روک رکھا تا کہ وہ کسی یہودی یا نصرانی یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ بیچ دے گا جو اس سے شراب بناتا ہو' تو وہ جانتے بُوجھتے آگ میں گھس پڑا۔''

مسلمان' شراب کا ہدیہ نہیں دے سکتا:

شراب کو فروخت کرنا اور اس کی قیمت کھا جانا ہی حرام نہیں ہے' بلکہ کسی مسلم یا غیر مسلم کو شراب کا ہدیہ دینا بھی حرام ہے۔ مسلمان پاک ہوتا ہے اور پاک چیز ہی کا ہدیہ دینا اور لینا پسند کرتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ''ایک شخص نے چاہا کہ نبی ﷺ کی خدمت میں شراب ہدیۃً پیش کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

رسول اللہ ﷺ: اللہ نے شراب حرام کردی ہے۔

اجنبی شخص: پھر اسے فروخت کردوں؟

رسول اللہ ﷺ: جس ہستی نے شراب کا پینا حرام کردیا ہے اس نے اس کا فروخت کرنا

❶ بیهقی فی شعب الایمان (٥٦١٨) طبرانی فی الاوسط (٥٣٥٢) کما فی الجمع (٤/ ٩٠)۔ ابن ابی حاتم فی العلل (١١٦٥)، ابن حبان فی المجروحین (١/ ٢٣٦) و قال لا اصل له و ابن الجوزی فی العلل المتناهیة (٢/ ١٨٨) ۔ قال ابو حاتم: هذا حدیث کذب باطل۔

بھی حرام کر دیا ہے۔

اجنبی شخص: پھر یہود کی خدمت میں ہدیۃً پیش کر دوں؟

رسول اللہ ﷺ: جس ہستی نے اسے حرام کیا ہے اس نے یہود کی خدمت میں ہدیۃً پیش کرنا بھی حرام کیا ہے۔

اجنبی شخص: پھر میں اسے کیا کروں؟

رسول اللہ ﷺ: بطحاء کے راستوں پر بہادو۔" ❶

شراب کی مجلسوں کا بائیکاٹ:

اسی طرح مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ شراب کی مجلسوں کا بائیکاٹ کرے اور شراب پینے والوں کا ہم نشین نہ بنے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَقْعُدْ عَلٰى مَائِدَةٍ تُدَارُ عَلَيْهَا الْخَمْرُ .)) ❷

"جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ کسی ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔"

کیونکہ مسلمان اس بات پر مامور ہے کہ جب کسی منکر کو دیکھے تو اسے بدل دے اور اگر

---

❶ ضعیف مسند حمیدی، ۲/ ٤٤٧، رقم الحدیث: ۱۰۳٤، مسند احمد بن حنبل ٤/ ۲۲۷، رقم الحدیث: ۱۷۹۹۵، المطالب العالیة لا بن حجر عسقلانی، ٥/ ۱۳۳، رقم الحدیث: ۱۸۲۰، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ٤۹٤٤، ۱۱/ ۳۱۹، (شواہد کی بناء پر یہ حدیث صحیح ہے) بحوالہ مسند حمیدی، محقق (مفهوماً) صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب تحریم بیع الخمر، رقم الحدیث: ۱۵۷۹۔ (معناً)

❷ صحیح السنن الکبریٰ للبیهقی، ۷/ ۲٦٦، مسند ابی یعلیٰ الموصلی، ۱/ ۱۲۷، رقم الحدیث: ۲٤٦، مسند احمد بن حنبل، ۱/ ۲۰، رقم الحدیث: ۱۲٥، جامع ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی دخول الحمام، رقم الحدیث: ۲۸۰۱، إرواء الغلیل للالبانی، ۷/ ٦، رقم الحدیث: ۱۹٤۹.

اس کا ازالہ نہ کر سکتا ہو تو پھر اس سے دور ہو جانا چاہیے خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ شراب پینے والوں کے ساتھ اس شخص کو بھی کوڑے لگاتے جو ان کی مجلس میں شریک ہوتا' گو اس نے شراب نہ پی ہو۔

شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے:

مذکورہ نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے شراب کے خلاف زبردست جنگ آرائی کی' مسلمانوں کو اس سے یکسر روک دیا اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی۔ اسلام میں نہ تھوڑی سی شراب پینا روا ہے' نہ خرید و فروخت کا معاملہ کیا جا سکتا ہے' نہ ہدیہ کے طور پر شراب پیش کی جا سکتی ہے اور نہ اس کو بنانا جائز ہے۔ اسی طرح اپنی تجارت گاہ یا اپنے گھر میں شراب رکھنا بھی جائز نہیں اور نہ ہی جشن وغیرہ کی محفلوں میں پیش کرنے اور غیر مسلم مہمانوں کی اس سے تواضع کرنے اور ماکولات و مشروبات میں اس کی آمیزش کرنے کے لیے کوئی وجہ جواز ہے۔

رہا دواء کے طور پر شراب کے استعمال کا مسئلہ تو رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے پوچھنے پر اس سے بھی منع فرمایا:

((إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهُ دَاءٌ .)) ❶

''شراب دواء نہیں بلکہ بیماری ہے۔''

نیز فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلَا تَتَدَاوَوْا بِحَرَامٍ .)) ❷

❶ صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب تحريم التداوي بالخمر، رقم الحديث: ١٩٨٤، مسند احمد بن حنبل ٤/ ٣١١، رقم الحديث: ١٨٧٨٧، سنن ابی داؤد، كتاب الطب، باب في الأدوية المكروهة رقم الحديث: ٣٨٧٣، سنن ابن ماجة، كتاب الطب، باب النهي أن يتداوى بالخمر، رقم الحديث: ٣٥٠٠.

❷ ضعيف سنن ابی داود، كتاب الطب، باب في الأدوية المكروهة، رقم الحديث: ٣٨٧٤، السنن الكبرىٰ للبيهقي ١٠/ ٥، نصب الراية للزيلعي ٤/ ٢٨٥، شرح السنة للبغوي، كتاب⇦

''اللہ نے بیماری اور دواء (علاج) دونوں چیزیں نازل کی ہیں اور تمہارے لیے بیماری کا علاج بھی رکھا ہے' لہٰذا علاج کرو لیکن حرام چیز سے علاج نہ کرو۔''

سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نشہ آور چیزوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

((إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَ كُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ .)) ❶

''اللہ نے اپنی حرام کردہ چیزوں میں تمہارے لیے شفاء نہیں رکھی ہے۔''

(البخاری تعلیقاً)

علاج معالجہ کے لیے شراب اور دیگر محرمات کو اسلام نے جو حرام قرار دیا ہے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ کے بقول کسی چیز کی حرمت اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ اس سے بالکل اجتناب اور دُوری اختیار کی جائے۔ اگر بغرضِ علاج اس کو استعمال کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہوتی تو اس سے رغبت اور اختلاط پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا، جو شارع کے منشأ کے بالکل خلاف ہے۔''

موصوف مزید فرماتے ہیں: ''علاج کے لیے اگر شراب کو مباح کر دیا جاتا تو وہ شہوت و لذت کے حصول کا ذریعہ بن سکتی تھی' خصوصاً جبکہ لوگ اسے مفید اور موجبِ شفاء خیال کرتے۔''

ابن قیم رحمہ اللہ نے ایک اہم نفسیاتی پہلو کی طرف بھی متوجہ کیا ہے' فرماتے ہیں:

''دواء سے شفاء حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے قبولیت کے ساتھ استعمال کیا جائے' یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ وہ مفید ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے جو شفاء رکھی ہے اس کی برکت حاصل ہوگی' لیکن ایک مسلمان کا اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ شراب عین حرام ہے اور یہ اعتقاد اس کے مفید اور ذریعہ شفاء ہونے کے

⇐ الطب والرقیٰ، باب الدواء ١٢/ ١٣٩، رقم الحدیث: ٣٢٢٦، کنز العمال للمفتی الهندی ١٠/ ٥٣، رقم الحدیث: ٢٨٣٢٤.

❶ بخاری کتاب الاشربة: باب شراب الحلواء والعسل تعلیقاً قبل ـح:٥٦١٤۔ ووصله احمد فی کتاب الاشربة(ح:١٣٠) والحاکم فی المستدرك (٤/ ٢١٨)

منافی ہے۔ اس اعتقاد کے ساتھ نہ شراب کے بارے میں اچھا گمان پیدا ہوسکتا ہے اور نہ اسے قبولیت کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ بندہ ایمان میں جتنا پختہ ہوگا اتنا ہی وہ شراب سے نفرت کرے گا اور اسے بُرا اور ناگوار خیال کرے گا۔ ایسی صورت میں شراب کا استعمال اس کے لیے بیماری کا باعث ہوگا نہ کہ دواء کا۔'' ❶

اس کے باوجود شریعت کی نظر میں مجبوری ایک حقیقت ہے جس کی مناسبت سے الگ احکام ہیں۔ فرض کیجئے، شراب یا کوئی ایسی چیز جس میں شراب ملائی گئی ہو کسی ایسے مرض کا واحد علاج قرار پائے جس میں انسانی زندگی خطرہ میں پڑ گئی ہو اور کوئی ایسی دواء نہ مل سکتی ہو جو اس سے بے نیاز کردے اور میں نہیں سمجھتا کہ ایسی صورت ممکن ہے اور یہ دوا تجویز کرنے والا مسلمان ماہر طبیب ہو جو دین کے معاملہ میں غیرت مندبھی ہو تو ایسی صورت میں شریعت کے اصول جو آسانی پیدا کرنے اور حرج کو رفع کرنے پر مبنی ہیں، اس کے استعمال سے نہیں روکتے بشرطیکہ یہ استعمال ممکنہ حد تک محدود دائرہ کے اندر ہو۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

(الانعام: ٦/ ١٤٥)

''پھر جو مجبور ہو جائے بغیر اس کے کہ وہ اس کا چاہنے والا ہو' یا حد سے تجاوز کرنے والا' تو تمہارا رب غفور ورحیم ہے۔''

مخدرات (عقل کو بے حس کرنے والی چیزیں)

شراب سے قرآن میں منع کیا گیا ہے، جاننا چاہیے کہ خمر کیا ہے؟

((اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ))

''خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانک دے۔''

ایک درخشندہ بات ہے جسے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے برسرِ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے ہوئے

❶ ملاحظہ ہو: زاد المعاد۔ ج ۳' ص ١١٥ـ ١١٦ .

بیان فرمایا۔ ❶ اس سے خمر کا مفہوم متعین ہو جاتا ہے اور کسی شبہ کے لیے گنجائش نہیں رہتی۔ ہر وہ چیز جو عقل پر پردہ ڈالے اور قوت ممیّزہ' قوت مدرکہ اور قوت فیصلہ کو متاثر کر دے ''خمر'' (شراب) ہے، جسے اللہ اور اس کے رسول نے قیامت تک کے لیے حرام ٹھہرایا ہے۔

مخدرات مثلاً: گانجا' کوکین' افیون وغیرہ بھی اسی قبیل کی چیزیں ہیں۔ یہ عقل پر اس طرح اثر انداز ہوتی ہیں کہ دور کی چیز قریب اور قریب کی چیز دور نظر آنے لگتی ہے۔ جو چیز امر واقع میں موجود ہے اس کے بارے میں ذہول ہونے لگتا ہے اور جو چیز واقعۃً موجود نہیں ہے اس کو آدمی موجود خیال کرنے لگتا ہے۔ اس طرح وہ اوہام و خیالات کے سمندر میں تیرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نفس' اپنے دین اور اپنی دنیا سب کو بھول کر محض خیالات کی وادی میں بھٹکنے لگتا ہے۔

علاوہ ازیں اس سے جسم میں فتور، اعصاب میں بے حسی پیدا ہو جاتی ہے اور صحت کمزور ہو جاتی ہے۔ مزید یہ کہ جو پست ہمتی' اخلاقی گراوٹ' ارادہ کا ڈھیلا پن اور شعور میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے، اس کے نتیجہ میں ان زہریلی اشیاء کے عادی معاشرہ کے جسم کا ناسور بن کر رہ جاتے ہیں۔

ان تمام خرابیوں کے علاوہ ضیاع مال اور گھروں کی تباہی اس پر مستزاد ہے۔ اور بعض اوقات تو ان منشیات کا عادی اپنے بیوی بچوں کی غذا تک کا پیسہ نشے پر خرچ کر بیٹھتا ہے اور کبھی دیگر غیر شریفانہ طریقے اختیار کرتا ہے۔

اسلام کا یہ اُصول ہم بیان کر چکے ہیں کہ حرام چیزیں خباثت اور مضرت کا باعث ہیں اور حقیقتاً یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ صحت کے نقطہ نظر سے نیز نفسیاتی' اجتماعی اور اقتصادی لحاظ سے یہ چیزیں سخت مضر ہیں' جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان خبائث کی حرمت پر اُن تمام فقہاء کا اتفاق ہے جن کے زمانہ میں ان چیزوں کا ظہور ہوا۔ ان کے پیش پیش شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہیں۔

---

❶ بخاري' كتاب الاشربة: باب ماجاء في ان الخمر ماخامر العقل' ح٥٥٨٨۔ مسلم'كتاب التفسير: باب في نزول تحريم الخمر' ح:٣٠٣٢

موصوف فرماتے ہیں:

''یہ حشیش (گانجا) حرام ہے' خواہ اس سے مدہوشی طاری ہو یا نہ ہو...... اس میں نشہ ہوتا ہے' اس لیے اسے فاجر لوگ ہی استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ اپنی خصوصیت کی بنا پر نشہ آور شراب ہی کے قبیل کی چیز ہے۔ شراب محرک ہے اور خصومت (جھگڑے) کے جذبات پیدا کرتی ہے اور گانجا عقل میں فتور پیدا کر کے ذلت کا سامان پیدا کرتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ عقل و مزاج میں خرابی پیدا کرنے کا باعث ہے' نیز اس سے شہوت کو شہ ملتی ہے اور بے غیرتی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان خرابیوں کے پیش نظر گانجا نشہ آور شراب سے بھی بدتر چیز ہے۔ لوگوں میں اس کا رواج تاتاریوں کے ظہور سے ہوا ہے۔ اس کے پینے پر خواہ تھوڑی مقدار میں پیا جائے یا زیادہ مقدار میں' شراب کی حد یعنی اسّی یا چالیس کوڑے لگائے جانے چاہئیں۔''

جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے گانجا پیا ہے تو اس کی یہ حرکت بمنزلۂ شراب نوشی کے ہے' بلکہ بعض وجوہ سے اس سے بھی بدتر ہے۔ اور اسے استعمال کرنے والا شراب نوشی ہی کی طرح کی سزا کا مستحق ہے۔ شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ محرمات میں سے جن چیزوں کی دلوں میں اشتہاء پیدا ہوتی ہے' جیسے شراب اور زنا' ان پر حد جاری کی جائے گی' لیکن جن چیزوں کی اشتہاء پیدا نہیں ہوتی' جیسے مردار' ان پر تعزیر ہے اور گانجا تو پینے والوں کو ایسا مرغوب ہوتا ہے کہ وہ اسے کسی حال میں چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے' حالانکہ کتاب و سنت کی نصوص اس کے حرام ہونے پر اسی طرح دلالت کرتی ہیں جس طرح کہ دوسری قسم کی شراب کی حُرمت پر دلالت کرتی ہیں۔'' [1]

جو چیز بھی ضرر رساں ہو اس کا کھانا پینا حرام ہے

اسلامی شریعت کا عام قاعدہ یہ ہے' کہ مسلمان کے لیے کسی ایسی چیز کا کھانا پینا جائز نہیں ہے' جو اسے فوراً یا آہستہ آہستہ ہلاک کر دے۔ مثلاً: ہر قسم کا زہر یا اور کوئی مضر چیز۔ اسی

[1] فتاوی ابن تیمیة رحمہ اللہ ج ٤ ص ٢٦٢ اور السياسة الشرعية .

اسی طرح بکثرت کھانا پینا بھی جائز نہیں کہ بسیار خوری کے نتیجہ میں بیمار پڑ جائے۔ مسلمان کی تحویل میں صرف اس کا نفس ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کا دین' اس کی ملت' اس کی زندگی' اس کی صحت' اس کا مال اور اللہ کی ساری ہی نعمتیں اس کے پاس امانت ہوتی ہیں' لہٰذا ان کو ضائع کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝٢٩﴾ (النساء: ٤/ ٢٩)

''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو' یقیناً اللہ تم پر مہربان ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَلَا تُلْقُوا۟ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى ٱلتَّهْلُكَةِ ۛ﴾ (البقرة: ٢/ ١٩٥)

''اور اپنے ہاتھوں کو اپنے آپ ہلاکت میں نہ ڈالو۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ)) ❶

''ضرر پہنچانا، اپنی تمام صورتوں کے ساتھ ناجائز ہے۔''

اس اُصول کی مناسبت سے ہم کہتے ہیں کہ تمباکو خبیث ہونے کے علاوہ اگر استعمال کرنے والے کے لیے مضر ثابت ہو رہا ہو تو دو وجوہ سے حرام ہے۔ خاص طور سے جبکہ ڈاکٹر کسی خاص شخص کے بارے میں یہ بتلائے کہ تمباکو کا استعمال اس کے لیے نقصان دہ ہے۔ اگر بالفرض تمباکو مضر صحت نہ ہو، تب بھی وہ مال کا ضیاع ہے جس میں نہ دینی فائدہ ہے' نہ دُنیوی۔ حدیث میں ہے:

((نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ إِضَاعَةِ الْمَالِ)) ❷

''نبی ﷺ نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔''

❶ مسند احمد (١/ ٣١٣' ٥/ ٣٢٧)' ابن ماجه' کتاب الاحکام: باب من بنی فی حقه ما یضر بجاره' ح ٢٣٤٠' ٢٣٤١' من روایة عبد الله بن عباس' عبادة بن الصامت رضی الله عنهما.

❷ بخاری' کتاب الرقاق: باب مایکره من قیل و قال' ح:٦٤٧٣۔ مسلم:کتاب الاقضیة: باب النهی عن کثرة المسائل' ح:١٤/ ٥٩٣.

اور یہ ممانعت اس صورت میں اور مؤکدہ ہو جاتی ہے جبکہ آدمی اپنی ذات یا اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کا ضرورت مند ہو۔

لباس اور زینت

اسلام میں یہ بات نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہے کہ مسلمان اللہ کی پیدا کردہ زینت' پوشاک اور نفیس لباس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی وضع قطع اور شکل وصورت میں بعض علماء سلف نے تمباکو کی حرمت کے لیے سورۃ اعراف کی آیت (۱۵۷) سے استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَٰٓئِثَ﴾ [الاعراف: ۷/ ۱۵۷]

اور وہ (رسول اللہ) ان کے لیے طیب (پاکیزہ) اشیاء کو حلال اور خبیث (گندی) چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ جبکہ دنیا بھر کے انسانوں کے نزدیک خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم' تمباکو ایک خبیث اور مضر صحت جڑی بوٹی ہے۔ جسے کوئی ایک بھی سمجھدار انسان طیب یا پاکیزہ نہیں کہہ سکے گا لہٰذا آیت مبارکہ کی رو سے تمباکو قطعاً حرام ہے۔

حُسن و جمال پیدا کرے۔

اسلام کی نظر میں لباس سے مقصود دو چیزیں ہیں۔

- ❶ ایک ستر کو ڈھانپنا۔
- ❷ اور دوسرے زینت۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے پوشش اور زینت کا جو سامان مہیا کیا ہے، اس کو احسان سے تعبیر فرمایا ہے:

﴿يَٰبَنِىٓ ءَادَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَٰرِى سَوْءَٰتِكُمْ وَرِيشًا﴾

(الاعراف: ۷/ ۲۶)

''اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے جو تمہاری ستر پوشی بھی کرتا ہے اور زینت بھی ہے۔''

لہٰذا ان دونوں باتوں ستر پوشی اور تزئین میں بے اعتدالی اختیار کرنا اسلام کی شاہراہ سے انحراف کر کے شیطان کے راستہ پر جا پڑنا ہے۔ یہ نکتہ قرآن مجید کی ان دو (آیتوں) میں مضمر ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا ہے کہ شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی میں عریانیت اور ترکِ زینت کا طریقہ اختیار نہ کرے:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾

(الاعراف: ۷/ ۳۱)

''اے بنی آدم! شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈالے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا اور ان کے لباس ان پر سے اتروا دیئے تھے' تاکہ ان کی شرم گاہیں اُن کے سامنے کھول دے۔''

اسلام نے مسلمان پر واجب کیا ہے کہ وہ اپنے جسم کے پوشیدہ اعضاء کو جنہیں ایک مہذب انسان فطری طور پر کھولنے میں شرم محسوس کرتا ہے' چھپائے اور ننگے جانوروں سے ممتاز ہو جائے' نیز اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ خلوت میں بھی ستر کو چھپائے رکھے تاکہ شرم و حیاء انسان کی عادت وخصلت بن جائے۔

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ:

((قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! عَوْرَاتُنَا مَانَأْتِيْ مِنْهَا وَمَا نَذَرُ؟ فَقَالَ: اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ۔ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَاِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِيْ بَعْضٍ؟ قَالَ: فَاِنْ اسْتَطَعْتَ اَنْ لَّا يَرَاهَا اَحَدٌ فَلَا يَرَيَنَّهَا' فَقُلْتُ فَاِذَا كَانَ اَحَدُنَا خَالِيًا؟ قَالَ: فَاللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى اَنْ يُّسْتَحْيٰى عَنْهُ)) ❶

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم اپنے ستر کا کس حد تک خیال رکھیں

❶ مسند احمد (۵/ ۳۔۴)' ابو داود' کتاب الحمام: باب فی التعری' ح: ۴۰۱۷' ترمذی' کتاب الادب: باب ماجاء فی حفظ العورۃ' ح/ ۲۷۶۹۔ ابن ماجہ' کتاب النکاح: باب التستر عند الجماع' ح: ۱۹۲۰.

اور کس حد تک نہیں ؟ فرمایا: ''اپنے ستر کی حفاظت کرو بجز اپنی بیوی اور لونڈی کے۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ! جب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ (سفر وغیرہ میں) ہوں تو؟ فرمایا: ''جہاں تک ہو سکے ستر پوشی ضرور کرو۔'' میں نے کہا: جب ہم میں سے کوئی شخص تخلیہ میں ہو تو ؟ فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آدمی اس سے شرمائے۔''

نظافت اور جمال والا دین

اسلام نے زیبائش سے پہلے نظافت کا اہتمام کرنا ضروری قرار دیا ہے کیونکہ نظافت ہر قسم کی زیب وزینت کے لیے اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((تَنَظَّفُوْا فَاِنَّ الْاِسْلَامَ نَظِيْفٌ)) ❶

''نظافت اختیار کرو کہ اسلام نظافت والا دین ہے۔''

((اَلنَّظَافَةُ تَدْعُوْا اِلَى الْاِيْمَانِ وَالْاِيْمَانُ مَعَ صَاحِبِهٖ فِي الْجَنَّةِ)) ❷

''نظافت ایمان کو داعی ہے اور ایمان اپنے ساتھی کو لے کر جنت میں جائے گا۔''

نبی ﷺ نے بدن' لباس' گھر اور راستوں کی صفائی کی ترغیب دی ہے اور خاص طور سے اپنے دانت' ہاتھ اور سر وغیرہ کو صاف ستھرا رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

نظافت کی یہ اہمیت ایک ایسے دین میں تعجب خیز نہیں ہے جس نے طہارت کو نماز جیسی اوّلین عبادت کے لیے کلید کی حیثیت دی ہے' چنانچہ ایک مسلمان کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا بدن' کپڑے اور نماز کی جگہ صاف نہ ہو۔ یہ نظافت غسل اور وضو سے حاصل ہونے والی طہارت کے علاوہ ہے۔

---

❶ ابن حبان في المجروحين (٣/ ٥٧) وابن الجوزي في العلل المتناهية (٢/ ٢٢٤) وفيه نعيم بن مورع قال ابن حبان " شيخ يروى عن الثقات العجائب لايجوز الاحتجاج به بحال' وقال البخاري منكر الحديث نقل عنه العقيلي- طبراني في الاوسط (٧٣٠٧) كما في المجمع (١/ ٢٣٦) والترغيب (١/ ١٦٩) وقال وافقه على ابن مسعود في الكبير باسناد حسن و هو الاشبه.

❷ و اخبار اصبهان (١/ ١٨٣) فيه ابراهيم بن حبان وقال ابن عدى احاديثه موضوعة.

اہلِ عرب دیہات اور صحرائی ماحول میں رہتے تھے' جس کے زیر اثر اکثر لوگ صفائی اور زیبائش کے معاملہ میں بے اعتنائی برتتے تھے' اس لیے نبی ﷺ اُن کے اندر نظافت کا احساس برابر پیدا کرتے رہے اور ان کی تربیت اس طرح کی کہ وہ ترقی کر کے متمدن قوم بن گئے۔ اور جس گھٹیا اور ابتر حالت میں تھے اس سے نکل گئے۔ اوران کی حالت میں موزوں قسم کا جمال پیدا ہوگیا۔

نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جس کے سر اور ڈاڑھی کے بال پراگندہ تھے۔آپ ﷺ نے اس کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا کہ گویا آپ ﷺ اسے بال درست کرنے کا حکم دے رہے ہیں' چنانچہ اس نے بال درست کر لیے اور پھر حاضر خدمت ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

((اَلَیْسَ ھٰذَا خَیْرًا مِنْ اَنْ یَاْتِیَ اَحَدُکُمْ ثَائِرَ الرَّأسِ کَاَنَّہٗ شَیْطٰنٌ)) ❶

''یہ بہتر ہے یا تمہارا اس حال میں آنا کہ شیطان کی طرح بال پراگندہ ہوں؟''

اسی طرح ایک دفع آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے بال پراگندہ ہیں تو فرمایا:

((أَمَا وَجَدَ ھٰذَا مَایُسْکِنُ بِہٖ شَعْرَہٗ؟ وَرَأیٰ اٰخَرَ عَلَیْہِ ثِیَابٌ وَسِخَۃٌ فَقَالَ أَمَا کَانَ ھٰذَا یَجِدُ مَا یَغْسِلُ بِہٖ ثَوْبَہٗ؟)) ❷

''کیا اسے بالوں کو درست کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی؟'' آپ ﷺ نے ایک اور شخص کو جو میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا، دیکھا تو فرمایا: ''کیا اسے اپنے کپڑے دھونے کے لیے کچھ نہیں ملا؟''

ایک اور شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کے جسم پر خراب (میلے کچیلے) کپڑے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ موطا امام مالك (۲/ ۹۴۹) کتاب الشعر: باب اصلاح الشعر' ح' ۷مرسلاً قال الشیخ الالبانی: ضعیف بھذا اللفظ ......ویغنی عنه الحدیث الذی بعده (غایة المرام۔ ص ٦٢)

❷ ابو داود' کتاب اللباس: باب فی الخلقان وفی غسل الثوب' ٤٠٦٢۔ نسائی: کتاب الزینة: باب تسکین الشعر' ح:٥٢٣٨ .

((أَلَكَ مَالٌ؟ قَالَ نَعَمْ' قَالَ: مَنْ اَيِّ الْمَالِ؟ قَالَ: مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ اَعْطَانِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ' قَالَ: فَإِذَا' آتَاكَ اللّٰهُ مَالاً فَلْيُرَاَثَرُ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَكَرَامَتُهٗ)) ❶

''کیا تمہارے پاس مال ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: کس قسم کا مال ہے؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کا مال عطاء فرمایا ہے۔ فرمایا: ''جب اللہ نے تمہیں مال سے نوازا ہے تو وہ تم پر اپنی نعمت اور فضل کا اثر بھی دیکھنا چاہتا ہے۔''

آپ ﷺ نے بالخصوص جمعہ وعیدین جیسے اجتماعات کے موقعوں پر نظافت وزیبائش کا اہتمام کرنے کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا:

((مَا عَلٰى اَحَدِكُمْ اِنْ وَجَدَ سَعَةً۔ اَنْ يَّتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ غَيْرَ ثَوْبَى مِهْنَتِهٖ)) ❷

''اگر ممکن ہو تو کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لیے ایک جوڑا کپڑے مخصوص کر لینے میں کیا مضائقہ ہے۔''

سونا اور خالص ریشم ❸ مردوں پر حرام ہے

اسلام نے جہاں زینت کو جائز بلکہ مطلوب ٹھہرایا ہے اور خود اپنی طرف سے حرام کر لینے کی مذمت کی ہے' جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

❶ أبو داود' كتاب اللباس' باب فى الخلقان' ح: ٤٠٦٣ . نسائى:كتاب الزينة: باب الجلاجل' ح:٥٢٢٦ .

❷ صحيح سنن ابى داود، كتاب الصلاة باب اللبس للجمعة، رقم الحديث: ١٠٨٧ ، سنن ابن ماجه، كتاب اكصلاة، باب ماجاء فى الزينة يوم الجمعة، رقم الحديث: ١٠٩٥ ، صحيح ابن خزيمة رقم الحديث: ١٧٦٥ ، صحيح ابن حبان ٧ . ١٥، ١٦ ، رقم الحديث: ٢٧٧٧ ، صحيح بشاهده .

❸ مصنف کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالص ریشم پہننا مردوں کے لیے حرام ہے جبکہ کسی چیز سے ملا ہوا ریشم پہننا جائز ہے حالانکہ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ اگر ریشم غالب ہو تو اس کا حکم خالص ریشم والا ہے کہ وہ مردوں کے لیے حرام ہے اور اگر ریشم کم ہو اور دوسری چیزیں اس پر غالب ہو تو جمہور کے نزدیک جائز ہے کیونکہ ریشم پر دوسری چیز غالب آ چکی ہے، دیکھیے: الاعلام بنقد كتاب الحلال والحرام للفوزان: ٢٦ ، ٢٨ .

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾
(الاعراف : ۷/ ۳۲)

''کہو! کس نے اللہ کی زینت کو حرام کردیا جسے اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو؟''

وہاں اس نے مر ں پر زینت کی دو چیزیں حرام کردی ہیں' جبکہ عورتوں کے لیے وہ دونوں حلال قرار دی ہیں۔ یعنی سونے کے زیورات اور خالص ریشم پہننا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کو اپنے داہنے ہاتھ میں اور سونے کو اپنے بائیں ہاتھ میں رکھ کر فرمایا:

((إِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ أُمَّتِيْ' وَفي رواية ابن ماجة "حِلٌّ لِإُنَاثِهِمْ.)) ❶

''یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔'' اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ''ان کی (اُمت کی) عورتوں کے لیے حلال ہیں۔

اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيْرَ فَإِنَّ مَنْ لَبِسَهُ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ))❷

''ریشم نہ پہنو' کیونکہ جو شخص دنیا میں ریشم پہنتا ہے وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔''

اور ریشم کے ایک جوڑے کے بارے میں فرمایا:

❶ مسند احمد (۱/ ۱۱۵) ابوداود کتاب اللباس: باب فی الحریر للنساء' ح: ۴۰۵۷۔ نسائی: کتاب الزینة: باب تحریم الذهب علی الرجال' ح/ ۵۱۴۷'۵۱۴۸' ابن ماجة کتاب اللباس: باب لبس الحریر والذهب للنساء'ح/ ۳۵۹۵.

❷ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب لبس الحریر للرجال، رقم الحدیث: ۵۸۳۲۔ سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب ما جاء فی لبس الحریر، رقم الحدیث: ۴۰۴۰۔ سنن ابن ماجه، کتاب اللباس، باب کراهیة لبس الحریر، رقم الحدیث: ۳۵۸۸۔ مسند احمد بن حنبل، ۱/ ۲۰، رقم الحدیث: ۱۳۲۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم استعمال إناء الذهب والفضة، رقم الحدیث: ۲۰۶۹.

((اِنَّمَا هٰذِهٖ لِبَاسُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهٗ.)) ❶

"یہ ان لوگوں کا لباس ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔"

آپ ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو نکال کر پھینک دی اور فرمایا:

((يَعْمِدُ اَحَدُكُمْ اِلٰى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِيْ يَدِهٖ)) ❷

"تم چاہتے ہو کہ اپنے ہاتھ میں (آگ کا) انگارہ رکھ لو؟"

نبی ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد کسی نے اس شخص سے کہا کہ انگوٹھی اٹھا لو اور اپنے کام میں لے آؤ۔ اس شخص نے کہا:

((لَا وَاللّٰهِ لَا اٰخُذُهٗ وَقَدْ طَرَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ)) ❸

"قسم اللہ کی! میں اسے نہیں اُٹھاؤں گا' جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو پھینک دیا ہے۔"

سونے کی انگوٹھی ہی کی طرح وہ چیزیں ہیں' جن کو آج عیش پرست لوگ استعمال کرتے ہیں' مثلاً سونے کا قلم' سونے کی گھڑی' سونے کا سگریٹ لائٹر' سونے کی سگریٹ کی ڈبیہ اور سونے کا سگریٹ ہولڈر وغیرہ۔

البتہ چاندی کی انگوٹھی نبی ﷺ نے مردوں کے لیے جائز قرار دی ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((اِتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ وَكَانَ فِيْ يَدِهٖ ثُمَّ كَانَ بَعْدُ فِيْ يَدِ اَبِيْ بَكْرٍ ثُمَّ كَانَ بَعْدُ فِيْ يَدِ عُمَرَ ثُمَّ كَانَ بَعْدُ فِيْ يَدِ

---

❶ بخاري' كتاب اللباس: باب لبس الحرير للرجال' ح: ٥٨٣٤- مسلم' كتاب اللباس: باب تحريم لبس الحرير' ح: ١١/ ٢٠٦٩ واللفظ له۔

❷ بخاري' كتاب العيدين: باب في العيدين والتجمل فيه' ح/ ٩٤٨- مسلم' كتاب اللباس' باب تحريم لبس الحرير' ح ٨/ ٢٠٦٨.

❸ مسلم' كتاب اللباس: باب تحريم خاتم الذهب على الرجال' ح: ٢٠٩٠.

عُثْمَانَ حَتّٰى وَقَعَ بَعْدُ فِي بِئْرِ أَرِيْسَ)) ❶

''رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوالی تھی' جو آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھی۔ آپ ﷺ کے بعد سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی' پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی اور اخیر میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی یہاں تک کہ اریس نامی کنویں میں گر پڑی۔''

رہی دوسری دھاتوں کی انگوٹھی' مثلاً لوہے وغیرہ کی' تو اس کی حُرمت کسی صحیح نص سے ثابت نہیں ہے' بلکہ صحیح بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے مہر کے بارے میں فرمایا:

((اِلْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ)) ❷

''کوئی چیز تلاش کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔''

اس سے امام بخاری نے لوہے کی انگوٹھی کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ ❸

---

❶ بخاری' كتاب اللباس: باب نقش الخاتم' ح:٥٨٧٣ ، مسلم' كتاب اللباس: باب لبس النبیﷺ خاتماً من ورق ح:٥٤/ ٢٠٩١ .

❷ بخاری' كتاب اللباس: باب خاتم الحديد' ح٥٨٧١خ، مسلم فی كتاب النكاح: باب الصداق'ح:١٤٢٥ .

❸ سنن میں سیّدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لوہے کی انگوٹھی پہنے حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا' کیا ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو نے دوزخیوں کا زیور پہن رکھا ہے؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے چاندی کی انگوٹھی پہننے کا کہا۔ (ابو داود' كتاب الخاتم: ماجاء فی خاتم الحديد: ح ٤٢٢٣' ترمذی' كتاب اللباس: باب ماجاء فی خاتم الحديد' ح: ١٧٨٥' نسائی' كتاب الزينة : باب مقدار ما يجعل فی الخاتم من الفضة' ح: ٥١٩٨) یہ حدیث حسن لذاتہ ہے اور اس سے لوہے کی انگوٹھی کی ممانعت نکلتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال درست نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا اس شخص سے کہنا کہ تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے۔ اگر نبی ﷺ ریشم و دیباج تلاش کرنے کا کہتے تو کیا ان کا پہننا بھی درست ہو جاتا؟ بلکہ اس سے کم سے کم قیمت والی حقیر چیز کا تلاش کرنا اور لانا مراد ہے۔ اور شعب الایمان میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ "نهى رسول الله ﷺ عن خاتم الذهب وعن خاتم الحديد" (صحيح الجامع الصغير:٦٩٥٥ والصحيحة: ١٢٤٢ شعب الایمان: ٦٣٤٩) اس حدیث سے صراحتاً لوہے کی انگوٹھی کا پہننا ممنوع قرار پاتا ہے۔ واللہ اعلم! ⇦⇦

اور ریشم کا کپڑا پہننے کا جواز اس صورت میں ہے جبکہ اس کی واقعی ضرورت ہو' چنانچہ نبی ﷺ

⇦ نیز دیکھئے: فتح الباري تحت الحديث المذكور' آداب الزفاف (ص:۱۳۳'۱۳٤) غاية المرام (ص:٦٠) وغيرها (نصیر احمد کاشف)

تنبیہ: مصنف رحمہ اللہ نے اس حدیث سے لوہے کی انگوٹھی پہننے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ اس کے آگے فرماتے ہیں: دیگر معدنیات مثلاً: لوہا' پیتل' سلور وغیرہ اس کو حرام قرار دینے میں کوئی بھی صحیح نص (حکم) وارد نہیں ہوئی' بلکہ صحیح بخاری میں وارد اس مذکورہ حدیث ہی کے ذریعہ بخاری رحمہ اللہ نے لوہے کی انگوٹھی پہننے کی اجازت پر استدلال کیا ہے۔

میں کہتا ہوں:...... اس پر دو طرح مزید غور کرنے کی ضرورت ہے:

❶ ...... یہ ہے کہ فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ استدلال کی تردید کی ہے۔ فرماتے ہیں: ''اس میں لوہے کی انگوٹھی کی اجازت کی حجت نہیں۔ کیونکہ لوہے کی انگوٹھی بنانے کے جواز سے اس کے پہننے کا جواز لینا لازم نہیں آتا۔ اس میں احتمال ہے کہ لوہے کی انگوٹھی کے حاصل کرنے کا آپ ﷺ نے اس لیے کہا ہو کہ اس کی قیمت سے بیوی فائدہ اٹھا سکے۔''

❷ ...... یہ ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پہننے کی ممانعت صحیح سند سے وارد ہے۔ امام بخاری نے الادب المفرد رقم نمبر ۱۰۲۱ میں روایت بیان کی ہے' جو کہ امام احمد نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے باپ سے اور دادا سے بیان کی ہے۔ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اس نے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی' تو نبی ﷺ نے اس سے اعراض کیا' جب آدمی نے آپ کی ناپسندیدگی ملاحظہ کی تو انگوٹھی پھینک دی اور لوہے کی انگوٹھی بنوائی' اسے پہن کر نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ اس سے بھی بدتر ہے یہ تو دوزخ کے باسیوں کا زیور ہے۔'' پھر اس نے وہ بھی پھینک دی اور چاندی کی انگوٹھی پہن لی' پھر نبی ﷺ خاموش رہے۔ تنقید نہ فرمائی۔

میں کہتا ہوں: اس کی سند جید ہے۔ امام بخاری نے صحیح کے علاوہ دیگر مقامات پر اس قسم کی سند سے حجت لی ہے۔ امام احمد' ابن راھویہ اور ترمذی وغیرہم نے اسے قابل حجت سمجھا ہے۔

اور اسی پر زیادہ تر فقہی احکام کا دارومدار ہے جیسا کہ اعلام الموقعین میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے واضح کیا ہے' جبکہ اس حدیث کی دوسری سند میں اور تائیدی احادیث بھی ہیں جنہیں میں نے (آداب الزفاف رقم ۱۴۵) میں ذکر کیا ہے۔ پس یہ حدیث بالکل صحیح ہے' اسی کی روشنی میں ائمہ فقہاء کی ایک جماعت نے عمل اپنایا ہے۔

اسحق بن منصور مروزی۔ اپنی کتاب ''مسائل'' میں امام احمد اور امام اسحق بن راھویہ سے بیان کرتے ہیں، سونے یا لوہے کی انگوٹھی پہننا ناجائز ہے (صفحہ نمبر ۲۲۴) اور کہتے ہیں۔ اللہ کی قسم! جیسا فتویٰ امام احمد نے دیا ہے' اسی طرح امام اسحق نے بھی دیا ہے اور اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ نے کہا ہے جیسا کہ عبداللہ بن وہب نے ''جامع'' کے صفحہ نمبر ۱۰۱۔۱۰۱ میں بیان کیا ہے اور ابن سعد نے طبقات الکبریٰ صفحہ نمبر ۴/۱۱۴ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے اور اسی طرح عبدالرزاق اور بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح الجامع الکبیر میں سیوطی نے بیان کیا ہے۔ (۱۹۱/ج) (ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

نے عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو خارش کی وجہ سے ریشم کے کپڑے پہننے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ ❶

مردوں پر ریشم حرام کرنے کی مصلحت

ریشم اور سونا مردوں پر جن مصالح کی بنا پر حرام کر دیا گیا ہے وہ نہایت اہم تربیتی اور اخلاقی مصالح ہیں۔ اسلام جو جہاد اور قوت کا دین ہے' ان مظاہر کے مقابلہ میں جو کردار میں کمزوری' ڈھیلا پن اور گراوٹ پیدا کرتے ہیں۔ مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورت سے مختلف جسمانی ساخت عطا کی ہے' اس لیے یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ وہ حسین عورتوں کا مقابلہ کرنے لگے اور زیورات سے آراستہ ہونے اور خوبصورت پوشاک زیب تن کرنے میں ان کی ہمسری کرنے لگے۔

علاوہ ازیں اس حرمت کے پیچھے اجتماعی مصلحتیں بھی کارفرما ہیں۔ اسلام نے تعیش کے خلاف جنگ کا جو پروگرام بنایا اس کا ایک جزء سونے اور ریشم کی حرمت بھی ہے۔ قرآن کی نظر میں عیش پرستی وہ اخلاقی گراوٹ ہے جس نے کتنی ہی قوموں کو تباہی کے گھاٹ اتارا۔ یہ عیش پرستی اجتماعی ظلم کا مظہر ہے' کیونکہ ایک قلیل التعداد طبقہ کثیر التعداد اور مفلوک الحال طبقہ کے بل پر مزے اڑاتا ہے۔ یہ طبقہ ہمیشہ حق' خیر اور اصلاح کا مخالف رہا ہے۔

قرآن کہتا ہے:

﴿ وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ۝ ﴾ (الاسراء: ١٧/ ١٦)

''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اُس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں' تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اُسے بالکل تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔''

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَا فِى قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَآ إِنَّا بِمَآ أُرْسِلْتُم بِهِۦ

❶ بخاری' کتاب الجهاد: باب الحرير في الحرب' ح/ ٢٩١٩' ٢٩٢٠' مسلم' کتاب اللباس: باب اباحة لبس الحرير للرجل' ح: ٢٠٧٦ .

كَفِرُوْنَ ﴿٣٤﴾ (السباء: ٣٤/ ٣٤)

''ہم نے جس بستی میں بھی کوئی خبر دار کرنے والا بھیجا تو اس بستی کے عیش پرست لوگوں نے یہی کہا کہ تم جو پیغام لے کر آئے ہو اُس سے ہم انکاری ہیں۔''

قرآن کی اس اسپرٹ کے پیش نظر نبی ﷺ نے مسلمان کی زندگی میں تعیش کے جملہ مظاہر کو حرام قرار دیا۔ جس طرح سونا اور ریشم مردوں کے لیے حرام کیا اسی طرح سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لیے حرام ٹھہرایا۔ ❶

ان تمام مصالح کے علاوہ اقتصادی لحاظ سے بھی اس میں کافی وزن ہے' کیونکہ سونا نقدی کے لیے بین الاقوامی طور پر محفوظ سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے' اس لیے اس کا استعمال مرد کے زیور یا برتن جیسی چیزوں کے لیے ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

عورتوں کے لیے مباح ہونے کی مصلحت

اس حکم سے عورتوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ یہ استثناء عورت کے حق میں رعایت بھی ہے اور نسوانیت کا تقاضا بھی' نیز یہ ان کی زینت پسند فطرت کے عین مطابق بھی ہے' بشرطیکہ اس سے مقصود غیر مردوں کو راغب کرنا اور شہوانی جذبات کو برانگیختہ کرنا نہ ہو۔ حدیث میں ہے:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ عَلَى قَوْمٍ لِيَجِدُوْا رِيْحَهَا فَهِيَ زَانِيَةٌ وَكُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ۔)) ❷

''جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے تاکہ اس کی مہک ان تک پہنچے پس وہ زانیہ ہے اور ہر نظرِ بد زانیہ ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

---

❶ بخاری' كتاب الاشربة: باب آنية الفضة' ح: ٥٦٣٣۔ مسلم' كتاب اللباس: باب تحريم استعمال اناء الذهب والفضة: ح: ٢٠٦٧۔

❷ ابو داود' كتاب الترجل: باب في طيب المرأة للخروج' ح: ٤١٧٣۔ ترمذي' كتاب الادب: باب ماجاء في كراهية خروج المرأة متعطرة' ح: ٢٧٨٦۔ نسائی' كتاب الزينة: باب مايكره للنساء من الطيب' ح: ٥١٢٩۔ صحيح ابن حبان (الاحسان' ٤٤٠٧) واللفظ له۔

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ﴾ (النور: ٢٤/ ٣١)

"وہ اپنے پاؤں زور سے مارتی ہوئی نہ چلیں' تا کہ انہوں نے اپنی جس زینت کو چھپا رکھا ہے' وہ معلوم ہو جائے۔"

مسلمان خاتون کا لباس

اسلام نے عورت کے لیے ایسے کپڑے پہننا حرام کر دیا ہے' جن کے اندر سے بدن نظر آئے یا جھلکے۔ اسی طرح وہ کپڑا بھی حرام ہے جس سے بدن کے خدو خال اور خاص طور سے وہ اعضا نمایاں ہوں جن سے فتنہ کا اندیشہ ہوسکتا ہے' مثلاً چھاتی' کمر' سرین وغیرہ۔

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا' قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ' يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ' وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيْلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ' لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا' وَإِنَّ رِيْحَهَا لَيُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ كَذَا وَكَذَا)) [1]

"دو گروہ دوزخی ہیں جنہیں میں نے دیکھا نہیں ہے۔ ایک وہ جن کے ساتھ گائے کی دُم کی طرح کوڑے ہوں گے' جن کو وہ لوگوں پر برسائیں گے (یعنی ظالم حکمران)۔ اور دوسرے وہ عورتیں جو کپڑے پہن کر بھی برہنہ رہیں گی۔ وہ اپنی طرف مردوں کو مائل کریں گی اور خود مردوں کی طرف مائل ہوں گی۔ ان کے سر اُونٹ کے جھکتے ہوئے کوہان کی طرح ہوں گے۔ وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پا سکیں گی حالانکہ اس کی خوشبو دور دور تک پھیلی ہوئی ہوگی۔"

وہ کاسیات (یعنی کپڑے پہنے ہوئے) ہوں گی۔ اس کے باوجود عاریات (یعنی برہنہ) ہوں گی' کیونکہ انکے کپڑے اس قدر باریک اور شفاف ہوں گے کہ بدن اندر سے ظاہر ہو رہا ہوگا اور وہ ستر پوشی کا کام نہیں دے سکیں گے۔ موجودہ زمانہ کی عورتیں زیادہ تر ایسا ہی لباس پہنتی ہیں۔

[1] مسلم' كتاب اللباس: باب النساء الكاسيات العاريات' ح: ٢١٢٨.

اور اُن کے سر کو اُونٹ کے کوہان سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ وہ اپنے بالوں کا جوڑا سر کے درمیانی حصہ میں اونچا کر کے باندھیں گی۔ جس میں عورتوں کے بال سنوارنے اوران کو فیشن ایبل (Fashionable) بنانے کے لیے خاص مراکز قائم ہوگئے ہیں۔ ان مراکز کو ''بیوٹی پارلر'' کہا جاتا ہے اور ان کی نگرانی زیادہ تر مرد کرتے ہیں اور اپنی اس خدمت کی خوب خوب اُجرت طلب کرتے ہیں۔ اس پر بس نہیں بلکہ عورتوں کا عام طور سے جمال یہ ہوتا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قدرتی بالوں کو ناکافی خیال کرتے ہوئے مصنوعی بال خرید کر اپنے بالوں میں لگالیتی ہیں۔

ایک طرف مرد ہیں جو ملائمت ونزاکت اور حسن و جمال میں عورتوں سے بڑھ جانے کے خواہشمند ہیں اور دوسری طرف عورتیں ہیں جو زیادہ سے زیادہ پُرکشش بن کر مردوں کو اپنی طرف راغب کرنا چاہتی ہیں۔

مذکورہ حدیث میں ایک عجیب نکتہ یہ ہے کہ سیاسی استبداد اور اخلاقی گراوٹ کے درمیان ایک قسم کا ربط ہے جس کی تصدیق حالات حاضرہ نے کردی ہے۔ استبداد کرنے والے ہمیشہ قوم کو شہوت انگیز کاموں میں مصروف رکھ کر اور لوگوں کو ذاتی دلچسپی کے کاموں میں اُلجھا کر ان کی توجہ اہم مسائل کی طرف سے ہٹاتے رہتے ہیں۔

عورت اور مرد کا ایک دوسرے کی مشابہت کرنا

نبی ﷺ نے واضح طور سے بیان فرمایا ہے کہ عورت کے لیے مرد کا لباس پہننا اور مرد کے لیے عورت کا لباس پہننا ممنوع ہے۔ ❶

نیز آپ ﷺ نے عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ ❷

مشابہت کے مفہوم میں بات چیت' حرکت' چال اور لباس رویہ شامل ہیں۔

❶ مسند احمد (۲/ ۳۲۵) ابوداود' کتاب اللباس: باب لبسة النساء' ح: ۴۰۹۸۔ مستدرک حاکم(۴/ ۱۹۴)۔

❷ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال، ⇦⇦

انسانی زندگی میں شر کے پیدا ہونے اور معاشرہ کے بگاڑ میں مبتلا ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت سے انحراف اور طبعی اُمور کے خلاف رویہ اختیار کرتا ہے۔ مرد ایک مخصوص مزاج کا حامل ہوتا ہے اور عورت بھی ایک مخصوص مزاج کی حامل ہوتی ہے۔ یعنی ہر ایک کی خصوصیات الگ الگ ہیں۔ لیکن جب مرد مخنث بننے کی کوشش کرنے لگتا ہے اور عورت، مرد بن جانے کی خواہش تو اس کا نتیجہ بگاڑ اور اخلاقی گراوٹ کی شکل میں ظاہر ہونے لگتا ہے۔

نبی ﷺ نے ایسے شخص کو ملعون قرار دیا ہے جس نے اپنے کو مؤنث بنا لیا اور عورتوں کی مشابہت کرنے لگا' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مرد بنایا تھا۔ اور اس عورت کو بھی جسے اللہ نے مؤنث بنایا تھا لیکن وہ مذکر بن کر مردوں کی مشابہت کرنے لگی۔ ❶

اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے مردوں کو زرد رنگ کے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((نَهَانِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ وَعَنْ لِبَاسِ الْقِسِيِّ ......وَعَنْ لِبَاسِ الْمُعَصْفَرِ .)) ❷

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے سونے کی انگوٹھی پہننے اور قسی (ایک قسم کا ریشم) کا لباس پہننے ....اور زرد رنگ کے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے۔''

⇐ ⇐ رقم الحديث: ٥٨٨٥، مجمع الزوائد للهيثمی، ٧/ ١٠٢، رقم الحديث: ١٣١٧٩، المعجم الكبير للطبرانی، ١١/ ٢٠١، رقم الحديث: ١١٦٤٦، مسند احمد بن حنبل، ٢/ ٢٠٠ رقم الحديث: ٦٨٧٥، سنن أبی داود، كتاب اللباس، باب فی لباس النساء رقم الحديث: ٤٠٩٧، جامع ترمذی، كتاب الأدب، باب ماجاء فی المتشبهات بالرجال من النساء، رقم الحديث: ٢٧٨٤.

❶ طبرانی فی الكبير (٨/ ٢٤١) واسناده ضعيف' قال الهيثمی فی المجمع (٨/ ١٠٣) فيه علی بن يزيد الالهانی وهو متروك۔

❷ مسلم' كتاب اللباس: باب النهی عن لبس الرجل الثوب المعصفر' ح: ٣١/ ٢٠٧٨.

سیّدنا ابن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((رَأَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيَّ ثَوْبَيْنَ مُعَصْفَرَيْنِ فَقَالَ: اِنَّ هٰذِهِ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلاَ تَلْبَسْهَا .)) ❶

رسول اللہ ﷺ نے میرے جسم پر زرد رنگ کے دو کپڑے دیکھے تو فرمایا: ''یہ کفار کا لباس ہے اسے نہ پہنو۔''

شہرت اور تکبر کا لباس

پاکیزہ چیزوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے' خواہ وہ کھانے پینے کی ہوں یا پہننے کی' عام شرط یہ ہے کہ اس معاملہ میں اسراف اور تکبر نہ کیا جائے۔ اسراف یہ ہے کہ حلال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حد سے تجاوز کیا جائے۔ اور تکبر کا تعلق ظاہر کی بہ نسبت دل اور نیت سے زیادہ ہے۔ اور تکبر (اختیال) یہ ہے کہ آدمی اپنے کو دوسروں سے بڑا سمجھتے ہوئے غرور میں مبتلا ہو جائے اور لوگوں کے مقابلہ میں فخر کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴾ (الحدید : ۵۷/ ۲۳)

''اللہ کو ایسے لوگ پسند نہیں ہیں جو اترانے والے اور فخر کرنے والے ہوں۔''

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ❷

''جو اپنے کپڑے تکبر سے گھسیٹتے ہوئے چلے گا تو اللہ قیامت کے دن اُس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔''

چونکہ مسلمان کو ایسی چیز سے' جس میں تکبر کا اندیشہ ہو' اجتناب کرنا چاہیے' اس لیے نبی ﷺ نے شہرت کے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے' جن سے فخر' ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی خواہش اور مقابلہ کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے:

❶ مسلم' کتاب اللباس: باب النهی عن لبس الرجل الثوب المعصفر' ح: ۲۰۷۷.

❷ بخاری' کتاب اللباس: باب قول الله تعالیٰ (قل من حرم زینة الله ...) ح:۵۷۸۳' ۵۸۷۴۔ مسلم' کتاب اللباس: باب تحریم جرالثوب خیلاء' ح: ۲۰۸۵.

((مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذِلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ❶

''جو شخص شہرت کا لباس پہنے گا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا۔''

ایک شخص نے سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ میں کس قسم کے کپڑے پہنوں؟ آپ نے کہا: ''جس کے پہننے سے نادان لوگ تمہیں بے وقعت خیال نہ کریں (یعنی گھٹیا قسم کے اور بدنما نہ ہوں) اور اہل دانش اس میں عیب نہ نکالیں (یعنی حد اعتدال سے متجاوز نہ ہوں)۔'' ❷

زینت میں غلو کے لیے خلق اللہ میں تغیر:

زینت میں ایسا غلو کہ اللہ کی پیدا کردہ ساخت میں تغیر واقع ہو' اسلام کے نزدیک مردود ہے۔ قرآن نے اسے ''شیطان کی وحی'' سے تعبیر کیا ہے اور قرآن نے شیطان کا یہ قول اس کے پیروؤں کے بارے میں نقل کیا ہے:

﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ (النساء: ٤/ ١١٩)

''اور میں انہیں ضرور حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت میں ردو بدل کریں گے۔''

گودنا' دانتوں کو نوکدار بنانا اور خوبصورتی کے لیے آپریشن کرانا

منجملہ ان ممنوعات کے بدن کا گودنا اور دانتوں کو نوکدار بنانا بھی ہے۔

((لَعَنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَالْوَاشِرَةَ وَالْمُسْتَوْشِرَةَ)) ❸

---

❶ مسند احمد (٢/ ٩٣' ١٣٩) ابوداود' كتاب اللباس: باب فی لبس الشهرة' ح٤٠٢٩' ٤٠٣٠) ابن ماجه' كتاب اللباس: باب من لبس شهرة من الثياب' ح: ٣٦٠٦' ٣٦٠٧.

❷ مجمع الزوائد (٥/ ١٣٥) وقال الهيثمی: رواه الطبرانی (١٢/ ٢٠٣ ـ ح ١٣٠٥١) ورجاله رجال الصحيح.

❸ بخاری' كتاب اللباس: باب الموصولة' ح/ ٥٩٤٠' ٥٩٢٢ـمسلم' كتاب اللباس: باب تحريم فعل الواصلة المستوصلة ح: ٢١٢٤ـلكن ليس فيه' "الواشرة والمستوشرة" وفی مسند ⇐

''رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے: گودنے والی پر' گودوانے والی پر' دانتوں کو نوکدار بنانے والی پر اور اُس پر جو دانتوں کو نوکدار بنوالے۔''

گودنے کے لیے نیلا رنگ استعمال کیا جاتا ہے اور بدنما نقوش بنائے جاتے ہیں' جس سے چہرے اور ہاتھوں میں مضحکہ خیز بدصورتی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس معاملہ میں بعض عربوں نے اور خاص طور سے عورتوں نے تو حد کر دی ہے کہ اپنے پورے جسم پر نقوش بنالیتے ہیں اور بعض اہلِ مذاہب تو اپنے دیوی دیوتاؤں اور مذہبی شعائر کی تصویریں بنا لیتے ہیں' چنانچہ نصاریٰ اپنے ہاتھ اور سینہ پر صلیب کی تصویر بناتے ہیں۔

ان مفاسد کے علاوہ ایک بڑا مفسدہ یہ بھی ہے کہ بدن میں سوئی چبھونے سے انسان کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے یہ کام کرنا، کرانا موجبِ لعنت ہونے کے ساتھ ساتھ باعثِ اذیت بھی ہے۔

رہا ''وشر'' یعنی دانتوں کو نوک دار اور کوتاہ بنانا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کام کو انجام دینے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے اور اس عورت پر بھی جو کسی سے یہ خدمت لے۔ اگر کوئی مرد یہ خدمت انجام دے تو وہ لعنت کا بدرجہ اولیٰ مستحق ہے۔

نبی ﷺ نے جس طرح اس بات کو حرام کر دیا کہ دانتوں کو نوکدار بنایا جائے، اسی طرح اس بات کو بھی حرام ٹھہرایا کہ دانتوں کے درمیان درزیں بنائی جائیں۔

((وَلَعَنَ الْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ)) ❶

''آپ ﷺ نے خوبصورتی (فیشن) کے لیے دانتوں میں درزیں بنانے والیوں پر جو درحقیقت اللہ کی بنائی ہوئی ساخت میں ردو بدل کرتی ہیں' لعنت فرمائی ہے۔''

⇦ عمر بن عبدالعزیز لابن الباغندی(٢٦) فی حدیث معاویہ ﷺ لعن اللّٰہ..... الواشرۃ والمتوشرہ۔ و اسنادہ ضعیف واخرجہ احمد من حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وفیہ "نهی عن النامصة والواشرة......" (١/ ٤١٥)

❶ بخاری' کتاب اللباس: باب الموصولۃ'ح:٥٩٤٣خ ٥٩٤٨۔مسلم' کتاب اللباس: باب تحریم فعل الواصلۃ والمستوصلۃ'ح/ ٢١٢٥ .

درزیں بنانے سے مقصود دانتوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرنا ہے۔ بعض عورتوں کے دانتوں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے اور بعض کے نہیں۔ تو جن کے دانتوں کے درمیان فاصلہ نہیں ہوتا وہ مصنوعی طور پر درزیں بنالیتی ہیں۔ یہ جعل سازی اور آرائش (فیشن) میں غلو ہے جس سے اسلام کا مزاج انکاری ہے۔

مذکورہ بالا حدیثوں کے ذریعہ جو صحیح ہیں' ہم خوبصورتی پیدا کرنے کی غرض سے کیے جانے والے آپریشنوں کا حکم بھی معلوم کر سکتے ہیں جسے جسم وشہوت کی پرستار تہذیب نے رائج کیا ہے' یعنی دور حاضر کی مادہ پرستانہ مغربی تہذیب نے۔ چنانچہ اپنی ناک یا پستان وغیرہ کی شکل درست کرانے پر' مرد ہو یا عورت' ہزاروں روپے خرچ کر ڈالتے ہیں۔ یہ سب کام موجبِ لعنت ہیں' کیونکہ یہ تکلیف دہ بھی ہیں اور اللہ عزوجل کی بنائی ہوئی ساخت میں بلاضرورت ردو بدل کے مترادف بھی۔ پھر یہ تبدیلی عارضی ہوتی ہے حقیقی نہیں اور یہ ردو بدل جسم میں ہوتا ہے رُوح میں نہیں۔

''البتہ اگر کسی شخص کے جسم میں کوئی ایسا عیب موجود ہو جو ایک زائد چیز کی حیثیت رکھتا ہو اور اس سے تکلیف محسوس ہوتی ہو' یا اس سے ذہنی کوفت ہوتی ہو تو اس کا علاج کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں' بشرطیکہ مقصود اس حرج کو دور کرنا ہو جس میں وہ مبتلا ہے اور جس سے عرصہ حیات اس پر تنگ ہو رہا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے دین میں کوئی مشقت حرج نہیں رکھا۔''

(المرأة بين البيت والمجتمع' ص ١٠٥)

اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حدیث ''لَعَنَ الْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ'' (خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے دانتوں میں درزیں بنانے والیوں پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے) کے الفاظ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ کام اس صورت میں مذموم ہے جب یہ جھوٹی خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے کیا جائے' لیکن اگر کسی تکلیف یا ضرر کو دور کرنے کی غرض سے واقعی اس کی ضرورت ہو' تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم۔

بھویں باریک کرنا:

غلو آمیز زینت کی ایک شکل' جسے اسلام نے حرام کیا ہے' نمص (بال نوچنا) ہے۔ نمص سے مراد بھوؤں کے بال نکال ڈالنا ہے' تاکہ ان کو صاف یا ہموار کیا جاسکے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ النَّامِصَةَ وَالْمُتَنَمِّصَةَ)) ❶

"رسول اللہ ﷺ نے بال نوچنے والی پر اور اُس عورت پر جو کسی سے یہ خدمت لے' لعنت فرمائی ہے۔"

بال نوچنے کی حُرمت اس صورت میں اور شدید ہو جاتی ہے جبکہ یہ بدکار عورتوں کا شعار ہو۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ چہرے کے بال صاف کرنا' سرخی لگانا' نقش و نگار بنانا اور ناخنوں کو پالش لگانا' جائز ہے' بشرطیکہ شوہر کی اجازت سے یہ کام کیے جائیں' کیونکہ یہ چیزیں بھی زینت میں شامل ہیں۔ لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے چہرے کے بال صاف کرنے کی شدید مخالفت کی ہے اور اس کا شمار نمص ❷ میں کیا ہے، جو حرام ہے۔ ❸

---

❶ ابوداود کتاب الترجل: باب فی صلة الشعر' ح: ٤١٧٠ بلفظ "لعنت .... النامصة" ۔ و حدیث بن مسعود رضی الله عنه السابق شاهدله۔ (شرح صحیح مسلم ١٤۔١٠٦)

❷ **تنبیہ:** سنن میں وارد امام ابوداود کے اس قول سے مصنف ﷾ نے استدلال کیا ہے کہ نامصہ (چہرے کے بال اکھاڑنے والی) وہ عورت ہے' جو اپنے ابروؤں کی تراش خراش کرتی ہے' حتی کہ انہیں باریک کر دیتی ہے۔ اس کی زد میں داڑھی کے پراگندہ بال داخل نہیں اور نہ ہی چہرہ کے بال دور کرنا شامل ہے۔

میں کہتا ہوں:...... مجھے اس میں چند باتوں پر اعتراض ہے۔

❶...... یہ موقف اس کے خلاف ہے جس پر مطلق احادیث دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے جسے میں نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے۔ (جو کہ نامصہ اور متنمصہ والی ہے) یہ حدیث جسم کی ہر اس جگہ کو مشتمل ہے جس سے بھی بال اکھاڑے جائیں۔ اور اس قسم کے اثر (قول) کے ساتھ اس کی تخصیص کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ اثر پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتا۔

❷......دوسری بات یہ ہے کہ یہ تفسیر لغت عرب کے بھی خلاف ہے، قاموس میں ہے نمص کا معنی بال اکھاڑنا ہے اور جو نامصہ کو لعنت کی گئی ہے' نامصہ وہ عورت ہے جو بال اکھاڑ کر عورتوں کو آراستہ کرتی ہے' متنمصہ' وہ عورت ہے جو بال اکھاڑ کر آراستہ ہوتی ہے۔

⇦⇦

البتہ ابوداود نے ''سنن'' میں نامصۃ کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو بھووں میں نقش و نگار بنا کر اسے باریک کر دیتی ہے۔ اس سے امام نووی کی رائے کی تردید ہوتی ہے' کیونکہ نمص کے مفہوم میں چہرہ کے بال صاف کرنا شامل نہیں ہے۔ طبری کی

⇦⇦ ❷ ... تیسری بات یہ ہے کہ ابو داود کا مذکورہ قول عام رواج کے تحت بیان ہوا ہے' اس میں نمص (بال اکھاڑنا) صرف ابروؤں کو بنانے تک ہی محدود نہیں۔ اپنی کتاب سنن میں ابو داود کی مکمل گفتگو ہماری اس توجیہ پر دلالت کرتی ہے جو مصنف نے اس سے نقل کیا ہے۔ وہ بیان کرتے کہ بعض کہتے ہیں۔ واشمہ (گودنا کرنے والی) وہ عورت ہے' جو اپنے چہرے میں سرمہ یا کیمیکل کے ذریعہ تل بناتی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے جب وہ یہ تل اپنے ہاتھ میں بنائے گی تو گودنا بنانے والی شمار نہ ہوگی؟ کیوں نہیں، ضرور شمار ہوگی؟ اس کی تائید حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمائی ہے۔ ابوداود کا قول ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''گودنا بنانے میں چہرے کا ذکر غلبہ کے طور پر کیا گیا ہے حالانکہ یہ گودنے کا تل زیادہ تر ہونٹ پر بناتی ہیں۔ (۳۱۳/ ج ۱۰)

اس کے بعد والے باب سے سیدنا نافع رحمہ اللہ کا بیان آئے گا کہ گودنا زیادہ تر مسوڑے میں بناتی ہیں چہرے پر گودنا بنانے کی قید نہیں، یہ کبھی جسم کے دیگر اعضاء پر بنتا ہے' مثلاً ہاتھ وغیرہ پر بھی بنا لیتی ہیں۔

اس وضاحت کے بعد نامصہ (بال اکھاڑنے والی) کے بارے میں ابو داود کے گزشتہ قول اور ابن اثیر کے نہایہ میں آنے والے قول کے درمیان کوئی اختلاف نہیں' نامصہ وہ جو اپنے چہرے کے بال اکھاڑتی ہے۔ اس میں حصر و قید نہیں بلکہ اس میں ابرو کے بال اور چہرے کے بال اکھاڑنا مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری میں اس بات کو ضعیف قرار دیا ہے جس میں نمص سے مراد صرف ابرو کے بال اکھاڑنا، لیے گئے ہیں۔ جو نہایہ کے حوالہ سے میں نے ذکر کیا ہے اسے ذکر کرنے کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ایک قول یہ ہے کہ نمص (بال اکھاڑنا) صرف ابروؤں کے بالوں کو زائل کرنے کے ساتھ خاص ہے انہیں اوپر کو اٹھائیں یا برابر کریں۔'' (۳۱۷/۱۰) پھر آگے ابو داود والا قول نقل کیا جس میں اسے (النمص) کو ابرو کے بال برابر کرنے کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔

اگر حافظ صاحب مرحوم ابوداود کے اس قول کے بارے میں یہ کہتے کہ ابرو کے بال اکھاڑنے کا ذکر بطور قید نہیں' جس طرح چہرے کے بارے میں کہا ہے تو یہ زیادہ بہتر تھا کیونکہ علمائے کرام کی گفتگو کو صحیح معنی پر قیاس کرنا ہی بہتر ہے' غلط معنی پر قیاس کر کے ان کو خطا کار قرار دینے پر مجبور ہونے سے یہی بہتر ہے کہ معنی ہی صحیح مراد لیا جائے۔

مختصر بات یہ ہے کہ مصنف نے جو امام نووی سے چہرے کے بال اور داڑھی کے بال کٹوانے ناجائز ہونے کا جو حکم بیان کیا ہے اگرچہ بعض حنبلی اس سے اختلاف رکھتے ہیں بہرصورت علمی تحقیق کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہونا ہی صحیح ہے۔ واللہ الموفق۔ (ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

❶ شرح صحيح مسلم ١٤-١٠٦.

روایت ہے کہ ابواسحق کی بیوی جو نوجوان تھی اور خوبصورتی کی شائق تھی' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور پوچھا' عورت اپنے شوہر کے لیے اپنے رُخسار کے بال صاف کر سکتی ہے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''اذیت کو ممکن حد تک دُور کرو۔'' ❶

بال جوڑنا

عورت کا دوسرے بالوں کو جوڑ کر زینت کرنا بھی حرام ہے' خواہ بال اصلی ہوں یا نقلی' (مصنوعی) یعنی جسے آج کل ''وگ'' کہا جاتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ' اسماء رضی اللہ عنہما' ابن مسعودؓ ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت بیان کی ہے:

((اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَعَنَ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ)) ❷

''رسول اللہ ﷺ نے بال جوڑنے والی اور بالوں کو جڑوانے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔''

اس حُرمت کا اطلاق اُن مردوں پر بدرجہ اولیٰ ہوتا ہے جو یہ کام انجام دیں خواہ وہ دوسروں کے سر میں بال لگانے کی خدمت انجام دیں جنہیں آج کل ''بیوٹی پارلر'' کہا جاتا ہے یا اپنے سر میں دوسرے بال لگوالیں' جیسے نوجوان زنخے (ہیجڑے)۔

نبی ﷺ نے اس قسم کی جعلسازی کی سخت مخالفت کی ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے کسی ایسی عورت کو بھی دوسرے بال لگوانے کی اجازت نہیں دی جس کے بال بیماری کی وجہ سے گر گئے ہوں' خواہ وہ پہلی شب کی دلہن کیوں نہ ہو۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انصار کی ایک لڑکی کی شادی اس حال میں ہوئی کہ بیماری کی وجہ سے اس کے بال گر چکے تھے۔ لوگوں نے چاہا کہ (مصنوعی طور پر) دوسرے بال لگائیں' لیکن جب نبی ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ فتح الباري (١٠/ ٣١٧).

❷ بخاري' كتاب اللباس: باب وصل الشعر' ح٥٩٣٣ـ الى ـ ٥٩٣٩ واخرجه ايضاً مسلم فى كتاب اللباس: باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة' ح:٢١٢٢ـ الى ـ ٢١٢٥ـ الا حديث ابى هريرة رضى الله عنه لان البخارى انفردبه ـ

((لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ)) ❶

''اللہ نے بال جوڑنے والی اور جڑوانے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔''

سعید بن المسیب کہتے ہیں:

((قَدِمَ مُعَاوِيَةُ الْمَدِيْنَةَ اٰخِرَ قَدْمَةٍ قَدِمَهَا فَخَطَبَنَا فَاَخْرَجَ كُبَّةً مِنْ شَعْرٍ قَالَ مَا كُنْتُ اَرٰى اَحَدًا يَفْعَلُ هٰذَا غَيْرَ الْيَهُوْدِ. اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَمَّاهُ الزُّوْرَ. يَعْنِي الْوَاصِلَةَ فِي الشَّعْرِ)) ❷

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ تشریف لائے اور مدینہ میں ان کی یہ تشریف آوری آخری مرتبہ تھی۔ آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور دوران خطبہ بالوں کا گچھا نکال کر فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ یہودیوں کے علاوہ اور کوئی یہ فیشن کرتا ہوگا۔ نبی ﷺ نے اسے زور (جھوٹ' فریب) سے تعبیر فرمایا ہے' یعنی بال جوڑنے کا فیشن۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ سے کہا:

((اَيْنَ عُلَمَاءُكُمْ؟ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَنْهٰى عَنْ مِثْلِ هٰذِهٖ وَيَقُوْلُ: اِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُوْا اِسْرَائِيْلَ حِيْنَ اتَّخَذَ هٰذِهٖ نِسَاءُهُمْ)) ❸

''تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس قسم کی چیزوں سے روکتے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں نے جب اس (فیشن) کو اختیار کیا تو وہ ہلاک ہوگئے۔'' ❹

---

❶ بخاري' كتاب اللباس: باب وصل الشعر' ح: ٥٩٣٤۔ مسلم' كتاب اللباس: باب تحريم فعل الواصلة ...ح:٢١٢٣۔

❷ بخاري' كتاب اللباس: باب وصل الشعر' ح / ٥٩٣٨۔ مسلم' كتاب اللباس: باب تحريم فعل الواصلة ...' ح: ٢١٢٧۔

❸ بخاري' حواله سابق' ح:٥٩٣٣' مسلم' حواله سابق۔

❹ میں کہتا ہوں: ..... یہ روایت اس بارے میں صریح ہے کہ بالوں میں کپڑا وغیرہ ملانا منع ہے۔ مصنف حفظہ اللہ نے جو موقف اختیار کیا ہے' یہ حدیث اس کے خلاف ہے۔ شاید انہیں اس کا پتہ نہ تھا۔ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے جو حدیث آئی ہے وہ اس کی تائید کرتی ہے جسے میں دو احادیث کے بعد ذکر کروں گا۔ ان شاء اللہ!

تنبیه: ..... امام سیوطی رحمہ اللہ نے جامع میں یہ حدیث کہ ''نبی ﷺ نے جھوٹ سے منع کیا ہے'' تنہا نسائی کی ⇦

رسول اللہ ﷺ نے اس عمل (فیشن) کو زور (جھوٹ) سے تعبیر فرمایا ہے جس سے تحریم کی اہمیت و مصلحت واضح ہوتی ہے۔ یہ ایک قسم کا فریب' جعلسازی اور تصنع ہے۔ اسلام فریب کاری کو سخت ناپسند کرتا ہے اور تمام معاملات کو خواہ وہ مادی ہوں یا معنوی' کھوٹ سے پاک دیکھنا چاہتا ہے' چنانچہ فرمایا: ((مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا)) ❶ ''جس نے ہمارے ساتھ فریب دہی کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

امام خطابی کہتے ہیں:

''ان چیزوں کے بارے میں سخت وعید اس لیے وارد ہوئی ہے کہ ان میں کھوٹ

⇐ جانب نسبت کی ہے کہ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے اس میں جو کوتاہی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

حدیث جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں (صفحہ نمبر ۸۹) یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے مسلم اور ان کے علاوہ سنن اور مسانید کتابوں والوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بیان کیا ہے۔ یہ ارواء' صفحہ نمبر ۱۳۱۹ میں بیان کی گئی ہے۔ یہ حدیث رقم ۳۴۰ میں اپنے سبب کے ساتھ ذکر کی جائے گی۔ ان شاء اللہ!

(حدیث نمبر ۱۰۲) ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو تبدیل کرنے والیاں ہیں صفحہ ۹۰ (۸۹) یہ صحیح ہے۔ یہ جو پہلے میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث بیان کی ہے اس کے آخر میں آ چکی ہے۔ (۹۴)

(حدیث نمبر ۱۰۳) سیدنا سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ مو باف لگانے میں کوئی حرج نہیں۔

ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں اسے ابوداود نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (صفحہ ۹۰۔۸۹)

❺ مگر یہ ضعیف ہے۔ اسے ابوداود نے شریک کی سند سے پھر سالم سے پھر سعید بن جبیر سے بیان کیا ہے۔ (رقم نمبر ۴۱۷۱)

میں کہتا ہوں:...... یہ شریک بن عبداللہ قاضی نخعی ہے۔ ذہبی نے اسے ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ اور قطان نے کہا ہے کہ یہ خلط ملط ہو گیا تھا' اور ابو حاتم کہتے ہیں یہ بہت غلطیاں کرتا ہے' جب سے یہ کوفہ میں قاضی مقرر ہوا تو اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔

میں کہتا ہوں:...... یہ سند ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ پہلے مذکورہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کے بھی خلاف ہے (رقم نمبر ۱۰۰) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بعض صحیح روایات میں آتا ہے کہ ایک آدمی ایک لاٹھی لے کر آیا' اس کے سرے پر اس نے کپڑا باندھ رکھا تھا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خبردار یہ جھوٹ میں شامل ہے۔'' سیدنا قتادہ فرماتے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ زیادہ تر عورتیں اپنے بال ان کپڑے کے ٹکڑوں سے بڑھاتی ہیں۔ اسے مسلم اور احمد نے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اثر سعید بن جبیر والے اثر کے خلاف ہے' اس سے مولف کا پہلو تہی کرنا اور اس اثر پر اعتماد کرنا مناسب نہیں' شاید کتابت کے وقت یہ یاد نہ رہا ہو۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اسے ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: یہ حدیث جمہور کی حجت ہے کہ بالوں کو کسی دوسری چیز سے ملانا نہیں چاہیے' بال ہوں یا کوئی اور چیز ہو۔ (۳۱۵/ج ۳)

(ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

❶ مسلم' کتاب الایمان : باب قول النبی ﷺ "مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔" ح/ ۱۰۱ .

اور فریب ہے۔ اگر ان کو ناجائز کر دیا جاتا تو کھوٹ اور فریب کی دوسری صورتیں بھی جائز ہوتیں' نیز ان چیزوں میں قدرتی ساخت میں ردوبدل کا پہلو بھی ہے۔ ابن مسعود کی حدیث اَلْمُغَیِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ ❶ (اللہ کی بنائی ہوئی ساخت میں ردوبدل کرنے والیاں) سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے۔'' ❷

جو حدیثیں حرمت پر دلالت کرتی ہیں ان میں بالوں کو جوڑنے کا حکم بیان ہوا ہے' خواہ وہ اصلی ہوں یا مصنوعی۔ اس میں جعل سازی اور فریب دہی کا پہلو ہے' لیکن اگر بال نہ جوڑے جائیں بلکہ کپڑے کی دھجی یا دھاگا وغیرہ جوڑ دیا جائے تو یہ چیز ممانعت کے حکم میں شامل نہیں ہوگی' اس سلسلہ میں سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں:

((لَا بَأْسَ بِالتَّوَامُلِ)) ❸

''تو امل لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

''تو امل'' سے ریشم' اون وغیرہ کے دھاگے (پونیاں) مراد ہیں جن کو عورتیں بالوں میں جوڑ کر چوٹیاں بنالیتی ہیں۔ امام احمد اس کے جواز کے قائل ہیں۔ ❹

خضاب لگانا

زینت کے موضوع سے متعلق سر اور داڑھی کو خضاب لگانے کا مسئلہ بھی ہے۔ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ خضاب لگا کر بالوں کا رنگ بدل دینے کے قائل نہیں تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ زیب و زینت، دینداری اور عبادت الٰہی کے امور کے منافی ہے' چنانچہ راہبوں اور دین میں غلو کرنے والے زاہدوں کا یہی شعار رہا' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی تقلید کرنے اور ان کے طریقے اپنانے سے منع فرمایا تا کہ مسلمان ظاہر و باطن میں اپنی مستقل

❶ فتح الباری' باب وصل الشعر.

❷ بخاری' کتاب اللباس: باب الموصولة' ح:٥٩٤٣۔ مسلم' کتاب اللباس: باب تحریم فعل الواصلة'...... ح: ٢١٢٥۔

❸ ابوداود' کتاب الترجل: باب فی صلة الشعر' ح. ٤١٧١۔ (اسناده ضعیف).

❹ ابوداود' حواله سابق' وهو صحیح.

امتیازی حیثیت کو برقرار رکھ سکیں۔ سیّدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى لَا يَصْبَغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ)) ❶

''یہود و نصاریٰ خضاب نہیں لگاتے' لیکن تم ان کے خلاف طرز عمل اختیار کرو۔''

یہ حکم یعنی خضاب لگانا مستحب ہے' جیسا کہ صحابہ کرام کے عمل سے واضح ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ مثلاً سیّدنا ابو بکر' سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ خضاب لگایا کرتے تھے۔ ❷ لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً سیّدنا علی' ❸ سیّدنا اُبی بن کعب ❹ اور سیّدنا انس رضی اللہ عنہم نہیں لگایا کرتے تھے۔ ❺

لیکن سوال یہ ہے کہ خضاب کس قسم کا ہو؟ سیاہ یا کسی بھی رنگ کا خضاب استعمال کیا جاسکتا ہے؟ یا سیاہ خضاب سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جو شخص بہت بوڑھا ہوگیا ہو اور اس کے سر اور داڑھی کے بال بالکل سفید ہو گئے ہوں، اس کو سیاہ خضاب نہیں لگانا چاہیے۔ چنانچہ سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے والد ابو قحافہ کو فتح مکہ کے دن اُٹھا کر لائے تھے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بٹھا دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر کہ ان کے سر کے بال بالکل سفید ہو گئے ہیں' فرمایا:

((غَيِّرُوْا هٰذَا وَجَنِّبُوْهُ السَّوَادَ)) ❻

''ان بالوں کا رنگ بدل دو' لیکن سیاہ خضاب سے پرہیز کرنا۔''

لیکن جس کا حال ابو قحافہ جیسا نہ ہو اور نہ وہ ان کی عمر کا آدمی ہو تو اس کے سیاہ خضاب لگانے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں:

''جب تک ہمارا چہرہ تروتازہ تھا ہم سیاہ خضاب استعمال کرتے تھے' لیکن جب سے

---

❶ بخاری' کتاب اللباس: باب الخضاب' / ٥٨٩٩۔ مسلم' کتاب اللباس: باب فی مخالفة الیهود فی الصبغ ح: ٢١٠٣.

❷ مسلم' کتاب الفضائل: باب شیبه' ح: ٢٣٤١۔

❸ طبقات ابن سعد (٣/ ٢٥).

❹ مستدرك حاكم (٣/ ٣٠٢) ۔ طبقات ابن سعد (٣/ ٤٤٩)

❺ فی طبقات ابن سعد (٧/ ٢٣'٢٤) خلافه ۔ واللہ اعلم۔

❻ مسلم' کتاب اللباس: باب استحباب خضاب الشیب بصفرة' ح: ٢١٠٢.

چہرے اور دانتوں میں تغیر آ گیا ہے لہٰذا ہم نے اس کا استعمال ترک کر دیا ہے۔" ❶

❶ مقطوع مسند احمد، ۲/ ۲۰۹ قال معمر: وكان الزهري يخضب بالسواد رقم الحديث: ۸۰۸۳، طبقات ابن سعد، ذكر صفة علي بن ابي طالب ۳/ ۲۵.

(۱) میں کہتا ہوں: ... یہ روایت مقطوع ہے لہٰذا یہ بالکل حجت کے قابل نہیں ۔ مصنف نے اسے سابقہ حدیث میں جو حکم ہے اس پر بطور تائید وارد کیا ہے۔

"اسے سیاہی سے بچاؤ" یہ حکم اس بوڑھے کے ساتھ خاص ہے جو بہت ہی عمر رسیدہ ہو' جس کے سر اور داڑھی پر مکمل بڑھاپا اور سفیدی چھا جائے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

اور جو ابو قحافہ کی مانند یا ہم عمر نہ ہو وہ اگر سیاہی سے رنگ لے تو کوئی حرج نہیں' اسی کے بارے میں زہری قائل تھے اور اسے ذکر کیا ہے۔

یہ قابل حجت نہ ہونے کے ساتھ جو مؤلف اختیار کیا ہے اور تفصیل بیان کی ہے اس بارے میں یہ دلالت نہیں کرتی ۔ زہری کی رائے تھی کہ سفید بالوں والا سیاہی سے نہ رنگے یہ حرام ہے۔

یہ خالی خبر ہے ۔ اس کا طلب سیاہی رنگ چھوڑنا بھی نکلتا ہے اور کرنا بھی نکلتا ہے۔ اس سے حرام قرار دینے کی دلالت نہیں۔ بلکہ ظاہر یہی ہے کہ زہری کے پاس اسے حرام قرار دینے کی بالکل حدیث نہ تھی ۔ وہ اس معاملے کو اپنے ذوق کے مطابق لیتے تھے۔ جب سر ابھی نیا نیا سفیدی اختیار کرتا تو خضاب لگا لینے کے حکم پر عمل کرتے اور اس کے بعد چھوڑ دیتے۔

معمر بیان کرتے ہیں جو کہ زہری کے شاگرد ہیں کہ زہری سیاہ رنگ کا خضاب لگاتے ۔ انہوں نے مطلق کہا ہے نہ تو تخصیص کی ہے اور نہ ہی تفصیل بیان کی ہے۔ اسے امام احمد نے بیان کیا ہے (صفحہ ۳۰۹/ ج ۲) سند صحیح ہے' مجھے یہ معلوم نہیں کہ ابن ابی عاصم کی سند زہری تک درست ہے یا نہیں۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے عمل اور قول میں حجت نہیں۔ اور پہلے گزری ہوئی حدیث زہری وغیرہ کے خلاف حجت ہے جو شروع کی سفیدی اور بزرگی والی سفیدی میں تفریق کرتے ہیں' کیونکہ آپ کا یہ فرمان: کہ "اسے سیاہ رنگ سے دور رکھو" اس سے یہ تفریق ثابت نہیں ہوتی۔ خصوصاً جبکہ یہاں دو حدیثیں اور بھی موجود ہیں ۔ جو عموم پر دلالت کرتی ہیں۔

(نمبر ۱) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

آخر زمانہ میں لوگ ہوں گے جو سیاہ رنگ سے بال وغیرہ رنگین کریں گے' جیسا کہ کبوتروں کے حلقے ہوتے ہیں' یہ جنت کی خوشبو نہ پائیں گے ۔ (ابو داود' نسائی' احمد اور ضیاء مقدسی نے اسے مختارہ میں بیان کیا ہے ۳۵' ۲۴۴) ان کے علاوہ بھی محدثین نے بیان کیا ہے' (۱۴۹/ ج ۲) اس کی سند میں کمزوری ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۳۰۰/ ج ۱۰) میں بیان کیا ہے اور اسے طبرانی اور ابن ابی عاصم کی جانب منسوب کیا ہے۔ اور ابن ابی عاصم نے اپنے باپ سے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ⇦⇦

سلف کا ایک گروہ جن میں سعد بن ابی وقاص' عقبہ بن عامر' سیّدنا حسن' سیّدنا حسین اور جریر رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں' سیاہ خضاب کے جواز کا قائل ہے۔ لیکن علماء کے دوسرے گروہ کے نزدیک سیاہ خضاب لگانا جائز نہیں ہے الا یہ کہ جہاد کے موقع پر دشمن کو مرعوب کرنے کی غرض سے لگایا جائے' تاکہ دشمن جب اسلام کے لشکر کو دیکھے گا کہ وہ تمام تر نوجوانوں پر مشتمل ہے تو اس کی دھاک دلوں میں بیٹھ جائے گی۔ ❶ (فتح الباری' ۱۰۔ ۳۵۵' ۳۵۶)

اور ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

((اِنَّ اَحْسَنَ مَاغَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ الْحِنَاءُ وَالْكَتَمُ)) ❷

''بہترین چیز جس سے تم سفید بالوں کا رنگ بدل سکتے ہو وہ حناء اور کتم ہے۔''

''کتم'' (وسمہ) یمن کی نباتات سے ہے جس کا رنگ سیاہی مائل بہ سُرخ ہوتا ہے اور حناء کا رنگ سُرخ ہوتا ہے' سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حناء

⇐ ⇐ یہاں ایک تیسری حدیث بھی ہے لیکن وہ بہت ہی کمزور ہے جسے ابوحسن قمینی نے اپنی حدیث (صفحہ ۱۱/ ج ۲) میں عمر بن قیس کی حدیث سے جو انہوں نے رجاء بن ابی حارث سے' اس نے مجاہد سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بیان کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں۔

میری امت میں سے زمانہ کے آخر میں کچھ لوگ ہوں گے جو سیاہی استعمال کریں گے' روز قیامت اللہ تعالیٰ انہیں دیکھیں گے بھی نہیں' اس کی سند میں عمر بن قیس جو کہ ابوجعفر ہے۔ المعروف سندل' یہ متروک راوی ہے۔ (تقریب)

مصنف نے جو تفریق کا طریقہ اپنایا ہے اگرچہ ان کا تنہا نظریہ نہیں' مگر یہ دلیل کے لحاظ سے قوی نہیں۔ کیونکہ یہ بخاری و مسلم میں وارد ابوقحافہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دو حدیثوں کے خلاف ہے۔

ابن ابی عاصم نے پہلی حدیث کی تاویل کی ہے کہ یہ اس آدمی کے حق میں ہے' جس کے سر کے بال کلی طور پر سفید ہوں' یہ ہر ایک کے بارے میں مناسب نہیں' اور دوسری حدیث کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اس میں سیاہ رنگ کرنے کی کراہت پر دلالت نہیں' جبکہ اس میں قوم کی اطلاع دی گئی ہے جس کی یہ حالت ہوگی' یہ بات حافظ ابن حجر نے فتح (صفحہ ۱۰۰/ ج ۱۰) پر نقل کی ہے۔ پھر اس کا تعاقب کیا ہے کہ ابن ابی عاصم کا یہ قول ان دو حدیثوں کے منشاء کے خلاف ہے۔ (تعلیق از: ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

❶ ابوداود' کتاب الترجل: باب فی الخضاب' ح:۴۲۰۵۔ ترمذی' کتاب اللباس: باب ماجاء فی الخضاب' ح:۱۷۵۳۔ نسائی' کتاب الزینة: باب الخضاب بالحناء والکتم' ح: ۵۰۸۱۔ ابن ماجه' کتاب اللباس: باب الخضاب بالحناء' ح: ۳۶۲۲۔

اور کتم کا خضاب لگایا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خالص حناء کا۔ ❶

ڈاڑھی بڑھانا

ہمارے موضوع سے متعلق ایک مسئلہ ڈاڑھی بڑھانے کا بھی ہے۔ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَفِّرُوا اللُّحىٰ وَاَحْفُوا الشَّوارِبَ)) ❷

''مشرکین کے خلاف طرز عمل اختیار کرو۔ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ۔''

اس روایت میں توفیر (وفروا) کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اور دوسری روایت میں اعفاء کا صیغہ آیا ہے۔ ❸ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی داڑھی کو چھوڑ دینا اور باقی رہنے دینا۔ اس کی علت بھی حدیث نے واضح کر دی ہے' یعنی مشرکین کی مخالفت کرنا مقصود ہے۔ مشرکین سے مُراد یہاں آتش پرست مجوسی ہیں۔ یہ لوگ ڈاڑھی کترواتے تھے۔ البتہ کچھ لوگ منڈاتے بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت کا حکم دے کر مسلمانوں کی تربیت اس انداز سے کرنا چاہی ہے کہ وہ اپنا تشخص قائم رکھ سکیں اور صوری اور معنوی' ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے دوسروں کے مقابلہ میں ممتاز ہوں۔ علاوہ ازیں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ڈاڑھی منڈانا ایک ایسا فعل ہے جو فطرت کے خلاف ہے اور اس میں عورتوں سے مشابہت کا پہلو بھی ہے۔ دراصل داڑھی رجولیت (مردانگی) کی تکمیل ہے اور اس سے مرد کا امتیاز قائم ہوتا ہے۔

داڑھی کو چھوڑ دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سرے سے بال کم نہ کیے جائیں۔ ❹ ایسی صورت میں داڑھی اس قدر لمبی ہو جائے گی کہ بے ڈھنگا پن ظاہر ہونے لگے گا اور اس سے

---

❶ مسلم' كتاب الفضائل: باب شيبه' ح: ٢٣٤١.

❷ بخاري' كتاب اللباس: باب تقليم الاظفار' ح: ٥٨٩٢- مسلم' كتاب الطهارة: باب خصال الفطرة' ح: ٢٥٩.

❸ بخاري' كتاب اللباس: باب اعفاء اللحى' ح:٥٨٩٣-مسلم' حواله سابق' ح:٥٣/ ٢٥٩.

❹ داڑھی کو معاف کرنے (یعنی چھوڑنے) کا مطلب یہی ہے کہ اس کی کانٹ چھانٹ نہ کی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا داڑھی بڑھانے کا حکم دینا پانچ مختلف الفاظ سے کتب احادیث میں مذکور ہے۔ جن الفاظ کے مجموعی معانی اور مدلول کے بارے امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان تمام الفاظ کا یہی مطلب ہے کہ داڑھی کو اس کی حالت پر چھوڑ ⇐

داڑھی رکھنے والے کو کوفت بھی ہوگی۔ اس لیے یہ مطلب لینا صحیح نہیں' بلکہ (داڑھی کو بڑھانے کے باوجود) اس کے طول وعرض سے کچھ بال کم کیے جاسکتے ہیں جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں ہے۔ ❶ ❷

اور بعض سلف سے بھی ایسا کرنا ثابت ہے۔ قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں:

"داڑھی منڈانا' اس کو چھوٹا بنانا اور ہموار کرنا مکروہ ہے' البتہ جب داڑھی بڑھ جائے تو اس کے طول وعرض میں سے بال کتر لینا اچھا ہے۔"

اور ابوشامہ کہتے ہیں

"ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں جو داڑھی منڈاتے ہیں حالانکہ مجوسیوں کے بارے

⇐ دیا جائے" [شرح النووی: ۱/ ۱۲۹] [داڑھی کی کانٹ چھانٹ ... صحابہ کرام ﷺ کے عمل سے لیا جاتا ہے ان کا عمل اگرچہ ہماری نسبت بہت اعلیٰ درجہ فہم وفراست پر مبنی تھا لیکن انہوں نے کسی کو داڑھی کٹوانے کا فتویٰ یا حکم تو نہیں دیا۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بھی عمومی طور پر داڑھی کو بڑھانا ہی بہتر سمجھتے تھے۔ علمائے سلف وغیرہ کے عمل کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے، جبکہ یہ بات مسلمہ حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سنت اور فرمان کے مقابل کسی کا بھی عمل یا قول کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ مصنف نے اگلی سطور میں ترمذی کی ایک روایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس سے داڑھی کی کانٹ چھانٹ کو نبی کریم ﷺ کے عمل سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم وہ روایت قارئین کے سامنے بیان کر کے اس کی استنادی حیثیت اور اس روایت سے استدلال کرنے کے نقصانات سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ روایت اس طرح ہے: "أن النبي ﷺ كان يأخذ من لحيته من عرضها و طولها" (نبی کریم ﷺ اپنی داڑھی مبارک کی طول وعرض سے کانٹ چھانٹ کرلیا کرتے تھے) [سنن الترمذي: كتاب الأدب، باب ما جاء في الأخذ من اللحية، حديث: ۲۷٦۲۔ اس روایت کو علامہ البانی ؒ نے موضوع، من گھڑت قرار دیا ہے۔ دیکھئے: السلسلة الضعيفة: ۱/ ٤٥٦۔ علامہ حافظ زبیر علی زئی ؒ نے بھی اس روایت کو شدید ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے: انوار الصحیفة: ص: ۲٦۹۔ ابوالحسن مبشر احمد ربانی]

❶ ترمذی کی حدیث یہ ہے:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ طُولِ لِحْيَتِهِ وَعَرْضِهَا .)) (ابواب الآداب)

"نبی ﷺ اپنی داڑھی کے طول وعرض سے بال کتر لیا کرتے تھے۔"

امام ترمذی نے اس حدیث کو بیان کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (مترجم)

❷ ترمذی' كتاب الادب' باب ماجاء في الاخذ من اللحية' ح:۲۷٦۲۔ وقال الالباني موضوع۔ (غاية المرام (۱۱۰)۔ ضعيف سنن الترمذي (۲۹۲٤/ ۵۲۵).

میں مشہور ہے کہ وہ کترواتے تھے۔" ❶

اس سلسلہ میں' میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت اپنے دین کے دشمنوں اور یہود و نصاریٰ جیسے سامراجیوں کی تقلید کرتے ہوئے داڑھی مُنڈانے لگی ہے۔ اور مغلوب قوم ہمیشہ غالب قوم کی تقلید کرتی ہے' مسلمان اس بات سے غافل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار کی مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کی مشابہت کرنے سے منع فرمایا ہے' حدیث میں ہے:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) ❷

"جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے گا وہ اُن ہی میں سے ہوگا۔"

بہت سے فقہاء کے نزدیک اِعفائے لحیہ (داڑھی بڑھاؤ) والی حدیث کے پیش نظر داڑھی منڈانا حرام ہے' کیونکہ حکم اصلاً وجوب پر دلالت کرتا ہے اور خاص طور سے یہ حکم تو کفار کی مخالفت کی علت کے ساتھ ہے اور ان کی مخالفت واجب ہے' نیز سلف میں سے کسی کا اس واجب کو ترک کرنا ثابت نہیں ہے۔ لیکن موجودہ دور کے بعض علماء حالات سے متاثر ہو کر اور عموم بلویٰ (عام ابتلاء کی حالت) کے آگے سپر ڈالتے ہوئے داڑھی منڈانے کو جائز کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ داڑھی رکھنا رسول اللہ ﷺ کے افعالِ عادیہ میں سے ہے اور شرعی اُمور سے متعلق نہیں ہے کہ اس کو عبادت کی حیثیت دی جائے۔

لیکن حقیقت میں اِعفائے لحیہ (ڈاڑھی رکھنا) نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہے' بلکہ آپ ﷺ نے اس کا صراحت کے ساتھ حکم بھی دیا ہے اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ کفار کی مخالفت کرنا چاہیے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ "ان کی مخالفت شارع کے نزدیک مقصود ہے کیونکہ ظاہری چیزوں میں مشابہت کرنے سے باطنی طور پر مؤدت و محبت اور موالات کی صورت پیدا ہو جاتی ہے' جس طرح باطن کی محبت ظاہر میں مشابہت پیدا کرتی ہے۔ محسوسات اور تجربات اس پر شاہد ہیں۔"

---

❶ فتح الباری' ۱۰۔۳۵۱۔ ❷ ابوداود' کتاب اللباس' باب فی لبس الشھرۃ' ح:۴۰۳۱۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ کفار کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی فی الجملہ مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔ جس چیز میں کسی خرابی کے مضمر ہونے کا احتمال ہوگا اُس پر حرام کا اطلاق ہوگا۔ کفار کی ظاہری افعال میں مشابہت مذموم اخلاق و افعال کی مشابہت کا باعث ہوگی' بلکہ اندیشہ ہے کہ مشابہت کا یہ سلسلہ اعتقادات تک دراز نہ ہو جائے۔ اس کے اثرات گرفت میں نہیں آسکتے کیونکہ اس سے جو اصل خرابی پیدا ہوتی ہے وہ بظاہر دکھائی نہیں دیتی لیکن اس کا ازالہ بہت مشکل ہے۔ لہٰذا جو چیز بھی خرابی کا موجب ہو اس کو شارع نے حرام قرار دیا ہے۔'' ❶

اس طرح ہمارے نزدیک داڑھی منڈانے کے بارے میں تین اقوال ہیں:

① ایک قول یہ ہے کہ داڑھی منڈانا حرام ہے۔ یہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ کا مسلک ہے۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ داڑھی منڈانا مکروہ ہے۔ یہ قول فتح الباری میں قاضی عیاض رحمہ اللہ کا بیان کیا گیا ہے اور ان کے ساتھ کسی اور کا نام مذکور نہیں ہے۔

③ اور تیسرا قول جواز کا ہے اور موجودہ زمانہ کے بعض علماء اسی کے قائل ہیں۔ ❷

❶ اقتضاء الصراط المستقیم (ص ٢٧'٢٨)

❷ مصنف نے کہا ہے کہ بعض علماء داڑھی منڈوانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جبکہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ مصنف نے یہ بات کہہ کر علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ اسلامی تعلیمات سے واقف ہونے کے بعد کوئی بھی مسلم سکالر داڑھی منڈوانے کو جائز نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ احادیثِ رسول ﷺ، آثار صحابہ اور اقوال واعمالِ سلف کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ داڑھی منڈوانا حرام ہے۔ کسی بھی عالم دین نے اس کو جائز قرار نہیں دیا۔ داڑھی منڈوانا تو اس قدر قبیح عمل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے مرتکب دو آدمیوں سے (جو آپ ﷺ کو ایران سے ملنے آئے تھے) منہ پھیر لیا تھا۔ داڑھی منڈوانا عورتوں سے مشابہت ہے جبکہ عورتوں سے مشابہت کرنا مردوں کے لیے حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی ہے۔ [صحیح البخاری: کتاب اللباس، باب المتشبهین بالنساء......، حدیث:٥٨٨٥۔ سنن أبی داؤد: کتاب اللباس، باب لباس النساء، حدیث:٤٠٩٧] داڑھی مرد کی شان اور فطری امور میں سے ہے۔ اس لیے اسے منڈوانا غیر فطری عمل اور حرام ہے۔ [ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ]

لیکن غالباً سب سے زیادہ معتدل، قرین قیاس اور مبنی برصحت قول کراہت و ناپسندیدگی کا ہے، کیونکہ داڑھی رکھنے کا حکم قطعی طور پر وجوب پر دلالت نہیں کرتا، گو اس کی علت کفار کی مخالفت کو قرار دیا گیا ہے۔ اسی کے مثل خضاب لگانے کا حکم ہے جس کی علت بھی یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرنا ہے، لیکن بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خضاب نہیں لگایا کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ خضاب لگانا بس مستحب ہے۔ (واجب نہیں)۔ ❶

یہ بات صحیح ہے کہ سلف میں سے کسی کا داڑھی منڈانا ثابت نہیں ہے، لیکن اس کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ انہیں داڑھی منڈانے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی ہو، کیونکہ وہ لوگ داڑھی رکھنے کے عادی تھے۔

گھر

مسکن یا گھر آدمی کے لیے محفوظ مقام اور پناہ گاہ کی حیثیت رکھتا ہے' جہاں وہ خانگی زندگی بسر کرتا ہے اور سماج کی قیود سے اپنے کو آزاد محسوس کرنے لگتا ہے۔ گھر میں جسم کو آرام ملتا اور نفس کو سکون۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا﴾ (النحل: ١٦/ ٨٠)

''اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو جائے سکون بنایا۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کشادہ گھر پسند تھا اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیوی سعادت خیال فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

❶ داڑھی رکھنے کو خضاب لگانے پر قیاس کرنا بعید از عقل بات ہے۔ مصنف نے ایسا ہی کیا ہے اور اس قیاس کے ذریعے داڑھی رکھنے کو وجوب سے گرا کر استحباب کے درجے میں لانے کی کوشش کی ہے۔ داڑھی کی مقدار میں اگرچہ کسی حد تک اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس موقف پر تمام علماء وفقہاء متفق ہیں کہ داڑھی رکھنا واجب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھنے اور مونچھیں کتوانے کا حکم دیا ہے۔ اور داڑھی صرف کفار کی مخالفت کے نقطہ نظر سے نہیں رکھی جاتی بلکہ داڑھی (رکھ کر) بڑھانا امورِ فطرت میں شامل ہے۔ جو انسان داڑھی کے وجوب کا منکر ہے وہ درحقیقت امورِ فطرت میں سے ایک فطری امر کا انکار کرتا ہے۔ لہٰذا درست اور راجح بات یہی ہے کہ داڑھی رکھنا فرض ہے اور اس سے کسی طور انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مصنف نہ جانے ایسی بے بنیاد باتیں کر کے کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ان باتوں کی کوئی دلیل مصنف کے پاس نہیں ہے۔ [ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ]

((اَرْبَعٌ مِنَ السَّعَادَةِ: اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، وَالْمَسْكَنُ الْوَاسِعُ، وَالْجَارُ الصَّالِحُ، وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيُّ.)) ❶

''چار چیزیں باعث سعادت ہیں: نیک بیوی، وسیع مسکن، اچھا پڑوسی اور عمدہ سواری۔''

آپ ﷺ یہ دُعا بہ کثرت مانگا کرتے:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ))

''اے اللہ! میرے گناہ بخش دے، میرے گھر میں کشادگی پیدا فرما اور میرے رزق میں برکت عطاء کر۔''

کسی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا بات ہے آپ ﷺ اکثر یہ دُعا مانگا کرتے ہیں؟ فرمایا:

((وَهَلْ تَرَكْنَ مِنْ شَیْءٍ)) ❷

''اس دُعا نے کسی چیز کو بھی چھوڑا ہے؟۔''

آپ ﷺ نے گھروں کو صاف ستھرا رکھنے کی ترغیب دی ہے تاکہ یہ صفائی، نظافت پسند دینِ اسلام کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہو اور ایک ایسا عنوان ہو جو مسلمانوں کو اُن لوگوں سے ممتاز کرے جن کے مذہب میں گندگی تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے، چنانچہ فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ، نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ، كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ، جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُوْدَ، فَنَظِّفُوْا اَفْنِيَتَكُمْ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ.)) ❸

''اللہ تعالیٰ پاک ہے پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، نظیف ہے نظافت کو پسند کرتا ہے، کریم ہے کرم کو پسند کرتا ہے، فیاض ہے فیاضی کو پسند کرتا ہے۔ لہٰذا اپنے گھروں

---

❶ صحیح ابن حبان (الاحسان: ٤٠٣٢)۔ مستدرك حاكم (٢/ ١٦٢) مسند احمد (١/ ١٦٠٩)

❷ نسائی فی الكبری (٦/ ٢٤، ح: ٩٩٠٨)۔ ابن السنی فی عمل اليوم و الليلة۔ (٢٨) رواه احمد (٤/ ٣٩٩) مختصراً۔ (اسناده ضعيف لا نقطاعه)۔

❸ ترمذی، كتاب الادب: باب ماجاء فی النظافة، ح/ ٢٧٩٩۔ (واسناد ضعيف)

کے صحن صاف رکھا کرو اور یہود کی مشابہت نہ کرو۔"

تعیش اور بت پرستی کے مظاہر

اپنے گھر کو رنگ و روغن' نقش ونگار اور جائز قسم کی زیب و زینت سے آراستہ کرنے میں کوئی حرج نہیں:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ﴾ (الاعراف: ۷/ ۳۲)

"کہو! کس نے حرام ٹھہرایا اللہ کی اُس زینت کو جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے؟"

جی ہاں! ایک مسلمان کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر' کپڑے اور جوتے وغیرہ کے معاملہ میں جمال کو پسند کرے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ۔ فَقَالَ رَجُلٌ: اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَنَعْلُهٗ حَسَنًا۔ فَقَالَ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ .)) ❶

جس شخص کے دل میں ذرہ برابر کبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے پوچھا: آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں (تو کیا یہ بھی کبر ہے؟) فرمایا: "اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔"

دوسری روایت میں ہے:

((اِنَّ رَجُلاً جَمِيْلاً اَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: اِنِّيْ اُحِبُّ الْجَمَالَ وَقَدْ اُعْطِيْتُ مِنْهُ مَا تَرٰى' حَتّٰى مَا اُحِبُّ اَنْ يَفُوْقَنِيْ اَحَدٌ بِشِرَاكِ نَعْلِيْ' أَفَمِنَ الْكِبْرِ ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: لاَ وَلٰكِنَّ الْكِبْرَ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسَ .)) ❷

"ایک خوبصورت شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں

❶ مسلم' كتاب الايمان: باب تحريم الكبر و بيانه' ح: ۹۱ .

❷ ابوداود' كتاب اللباس: باب ماجاء في الكبر ح:۴۰۹۲ .

جمال کو پسند کرتا ہوں اور مجھے جو جمال عطا ہوا ہے اس کا مشاہدہ آپ ﷺ فرما ہی رہے ہیں۔ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص جوتے کے تسمہ کے معاملہ میں بھی مجھ پر فوقیت لے جائے' تو اے اللہ کے رسول ﷺ کیا یہ بھی تکبر ہے؟ فرمایا: ''نہیں' بلکہ کبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکراؤ اور لوگوں کو حقیر خیال کرنے لگو۔''

البتہ غلو اسلام کو کسی چیز میں بھی پسند نہیں ہے۔ اور نبی ﷺ نے اس بات کو بھی پسندیدہ نہیں قرار دیا کہ ایک مسلمان کا گھر تعیش اور اسراف کا مظہر ہو جس کی قرآن نے سخت مذمت کی ہے' یا بت پرستی کا مظہر ہے جس سے اس توحید والے دین نے پوری قوت کے ساتھ جنگ کی ہے۔

سونے چاندی کے برتن

اسی لیے اسلام نے اس بات کو حرام ٹھہرایا ہے کہ مسلمان کے گھر میں سونے چاندی کے برتن' یا خالص ریشم کا بستر ہو۔ اس سے انحراف کرنے والے کو نبی ﷺ نے سخت وعید سنائی ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((اِنَّ الَّذِیْ یَاْکُلُ وَیَشْرَبُ فِیْ اٰنِیَةِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ اِنَّمَا یُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِهٖ نَارَ جَھَنَّمَ)) ❶

''جو شخص سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا ہے' بلاشبہ وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔''

سیّدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((نَھَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نَشْرَبَ فِیْ اٰنِیَةِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ وَاَنْ نَاْکُلَ فِیْھَا وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِیْرِ وَالدِّیْبَاجِ وَاَنْ نَجْلِسَ عَلَیْهِ وَقَالَ: ھُوَلَھُمْ فِی الدُّنْیَا وَلَنَا فِی وَالْاٰخِرَةِ)) ❷

❶ بخاری' کتاب الاشربة: باب آنیة الفضة' ح: ٥٦٣٤۔ مسلم' کتاب اللباس : باب تحریم استعمال اوانی الذھب...... ' ح: ٢٠٦٥.

❷ بخاری' کتاب الاشربة: باب الشرب فی آنیة الذھب' ح: ٥٦٣٢ واللفظ له رواہ مسلم' کتاب اللباس: باب تحریم استعمال اناء الذھب' ح: ٢٠٥٧۔ نحوہ۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے اور پینے سے منع فرمایا ہے' نیز حریر و دیباج کے کپڑے پہننے اور ان پر بیٹھنے کی بھی ممانعت کی ہے اور فرمایا: ''یہ چیزیں کفار کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہوں گی۔''

اور جب یہ سب چیزیں حرام ہیں تو ان کو تحفہ میں دینا اور سجاوٹ کے طور پر استعمال کرنا بھی حرام ہے۔ سو... چاندی کے برتنوں اور ریشم کے بستر وغیرہ کی یہ حُرمت مرد اور عورت دونوں کے لیے (یکساں) ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کو اس لیے حرام کر دیا گیا ہے کہ گھر کو ناپسندیدہ سامان تعیش سے پاک رکھا جائے۔ امام ابن قدامہ نے اس پر بڑے اچھے انداز سے روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:

''حدیث کے حکم کی عمومیت کے پیش نظر مرد اور عورت دونوں کے لیے یہ حکم یکساں ہے' کیونکہ ان چیزوں کو حرام کر دینے کی علت اسراف' تکبر اور غریبوں کی دل شکنی ہے جس کا تعلق دونوں فریق سے ہے۔ رہا عورتوں کے لیے زیورات کا جواز' تو وہ اس بنا پر ہے کہ وہ اپنے شوہر کے لیے سنگھار کر سکیں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر اسے مُباح کر دیا گیا۔

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر حُرمت کی علت یہی ہے تو پھر یاقوت وغیرہ کے برتن کیوں نہیں حرام کیے گئے جو سونے چاندی سے بھی زیادہ قیمتی چیز ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غریب لوگ ان چیزوں سے آشنا نہیں ہوتے' اس لیے دولتمندوں کے اس چیز کو استعمال کرنے سے غریبوں کی دل شکنی نہیں ہوتی' نیز یہ جواہرات اتنی قلیل مقدار میں پائے جاتے ہیں کہ ان کے برتن بنانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لہٰذا ان کو حرام قرار دینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی' لیکن سونے اور چاندی کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔''[1]

---

[1] المغنی' ج ۸ ص ۳۲۳.

ان وجوہ کے علاوہ ایک وجہ اقتصادی پہلو بھی ہے جس کی طرف ہم اس سے پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔ دراصل سونے اور چاندی کی حیثیت نقدی کے لیے بین الاقوامی محفوظ سرمایہ کی ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے اموال کی قیمت کے لیے معیار بنایا ہے۔ اس میں ایک قسم کی حاکمانہ قوت موجود ہے جو قیمتوں میں صحیح توازن پیدا کرتی ہے اور زرمبادلہ کا کام دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس کے استعمال کی رہنمائی فرما کر انسان کو اپنی نعمت سے نوازا ہے تاکہ وہ اس کو گردش میں رکھیں اور یہ نعمت انہیں اس لیے نہیں عطا کی گئی ہے کہ وہ اس کو نقد خزانہ کی شکل میں گھر میں بند کر رکھیں یا برتن اور سامانِ زینت کی شکل میں بے کار بنا کر رکھ دیں۔ امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں یہ بات کس قدر خوبی کے ساتھ بیان فرمائی ہے:

''جس نے درہم و دینار سے سونے چاندی کے برتن بنائے اس نے کفرانِ نعمت کیا' اور اُس کا حال اس شخص سے بھی بدتر ہے جو خزانہ جمع کر کے رکھتا ہے' کیونکہ اس کا معاملہ اس شخص کا سا ہے جس نے حاکم شہر کو کپڑا بننے' جھاڑو دینے جیسی خدمت میں لگایا جس کو معمولی لوگ انجام دیتے ہیں۔ اس کو اس طرح استعمال کرنے کے مقابلہ میں جمع کر رکھنا اچھا ہے' کیونکہ مٹی' لوہا' سیسہ اور تانبا سیال چیزوں کو محفوظ کرنے کے لیے سونے چاندی کے قائم مقام ہیں اور برتن سیال چیزوں کو محفوظ کرنے ہی کے لیے ہوتے ہیں' لیکن پکی ہوئی مٹی اور لوہے وغیرہ سے نقدی کا مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا' اور جو شخص اس حقیقت سے نا آشنا ہو اس پر تشریح ربانی کے ذریعہ یہ بات واضح ہو جانی چاہیے اور اُسے یہ حدیث سنانا چاہیے:

((مَنْ شَرِبَ فِي اٰنِيَةٍ مِنْ ذَهَبٍ اَوْفِضَّةٍ فَكَاَنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهٖ نَارَجَهَنَّمَ)) ❶

''جو شخص سونے یا چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ گویا اپنے پیٹ میں جہنم کی

❶ بخاری' کتاب الاشربة: باب آنیة الفضة' ح: ٥٦٣٤۔ مسلم' کتاب اللباس: باب تحریم استعمال اوانی الذهب......' ح: ٢٠٦٥۔

آگ بھرتا ہے۔'' ❶

یہ خیال کرنا صحیح نہ ہوگا کہ اس (مذکورہ اشیاء کی) حرمت کے نتیجہ میں مسلمانوں کے لیے گھر کے معاملات میں تنگی پیدا ہو جاتی ہے، نہیں! بلکہ پاک اور حلال چیزوں کا دائرہ (اس کے علاوہ بھی) کافی وسیع ہے۔ کانچ' مٹی' چینی' تانبے اور بہت سی دوسری دھاتوں کے برتن کتنے بہترین ہیں! اور روئی اور کتان وغیرہ کے بستر اور تکیے کتنی عمدہ چیزیں ہیں!

اسلام میں مجسّموں کی حُرمت

کسی دینی گھر میں مجسمہ کا وجود اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے' یعنی وہ مجسم تصویریں جو بے وقعت نہ ہوں۔ اس قسم کے مجسّموں کی گھر میں موجودگی ملائکہ کی دوری کا باعث ہے حالانکہ وہ اللہ کی خوشنودی کا مظہر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ الْمَلٰئِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ تَمَاثِيْلُ)) ❷

''جس گھر میں مجسمے ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔'' ❸

علماء کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصویر آویزاں کرنے والا کفار کی مشابہت کرتا ہے۔ کفار اپنے گھروں میں تصویریں لگاتے اور ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ یہ بات چونکہ فرشتوں کو ناپسند ہے اس لیے وہ ایسے گھر کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس میں داخل نہیں ہوتے۔

---

❶ احیاء العلوم۔ کتاب الشکر و الصبر۔ ٤۔٨٩.

❷ بخاری' کتاب بدء الخلق: باب اذا قال احدکم آمین...... ح: ٣٢٢٥۔ مسلم' کتاب اللباس: باب تحریم تصویر صورة الحیوان' ح ٨٧/ ٢١٠٦ بلفظ مختلف ورواہ احمد (٣/ ٩٠) والترمذی فی کتاب الادب : باب ماجاء ان الملائکة لا تدخل بیتا......' ح: ٢٨٠٥۔ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ بھذا اللفظ ۔ واللہ اعلم.

❸ **تنبیہ:**...... مذکورہ حدیث یا جو بھی احادیث اس کتاب میں بیان ہوں گی یہ جسم والی یا غیر جسم والی تمام تصویروں کو شامل ہیں' لیکن مصنف نے انہیں صرف جسم والی تصویروں پر قیاس کیا ہے۔ یہ ایک عجیب نظریہ ہے۔ جبکہ میرے خیال کے مطابق وہ جانتا ہے کہ ان احادیث کے وارد ہونے کا سبب غیر جسم والی تصویریں ہیں۔ جیسا کہ جبریل علیہ السلام اس گھر میں داخل نہ ہوئے تھے جس پر تصویروں والا پردہ لٹکا ہوا تھا۔ عنقریب اس کی تخریج (رقم نمبر ١٢١) میں ہوگی۔ اس پر دوسری احادیث بھی دلالت کرتی ہیں' جیسا کہ اس کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے۔

اسلام نے مجسمہ سازی کو حرام کر دیا ہے خواہ مجسمے غیر مسلمین کے لیے کیوں نہ بنائے جائیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ مِنْ اَشَدِّ النَّاسِ عَذَاباً یَوْمَ الْقِیَامَةِ الَّذِیْنَ یُصَوِّرُوْنَ هٰذِهِ الصُّوَرَ)) ❶

''قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اُن لوگوں کو ہوگا جو اس قسم کی تصویریں بناتے ہیں۔''

ایک اور روایت میں ہے:

((اَلَّذِیْنَ یُضَاهِئُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ))

''جو اللہ کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں۔''

نیز نبی کریم ﷺ نے آگاہ کیا ہے:

((مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً کُلِّفَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَنْ یَنْفُخَ فِیْهَا الرُّوْحَ وَلَیْسَ بِنَافِخٍ فِیْهَا اَبَدًا)) ❷

''جس کسی نے تصویر بنائی اسے قیامت کے دن اُس میں رُوح پھونکنے کے لیے کہا جائے گا اور وہ کبھی اُس میں رُوح پھونک نہ سکے گا۔'' ❸

❶ بخاری' کتاب الادب: باب مایجوزمن الغضب...... ح: ٦١٠٩۔ مسلم' کتاب اللباس: باب تحریم تصویر صورة الحیوان' ح :٢١٠٧۔

❷ بخاری' کتاب اللباس: باب ماوطی من التصاویر' ح:٥٩٥٤۔مسلم حواله سابق' ح: ٩٢/ ٢١٠٧۔

❸ بخاری' کتاب اللباس: باب من صور صورة کلف......' ح: ٥٩٦٣۔ مسلم حواله سابق' ح: ٢١١٠۔

تنبیہ: ......حدیث بیان کرنے کے سبب یہ معلوم ہوا کہ جن تصویروں کا اس میں ذکر کیا گیا ہے یہ جسم رکھنے والی تصویروں کے علاوہ ہیں ۔ پہلی روایت میں اسی جانب اشارہ کیا ہے۔ انہیں جسم رکھنے والی تصویروں پر قیاس کرنا درست نہیں ۔ واللہ المستعان

ان تصاویر کی نوعیت کا بیان جو پردہ پر تھیں' وہ اس روایت میں آتا ہے جو ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے اور انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ سفر سے تشریف لائے تو میں نے اپنے ⇦⇦

یعنی اس میں حقیقی رُوح ڈالنے کی ذمہ داری ڈالی جائے گی اور یہ ذمہ داری ڈالنے کا مطلب اس کو بے بس کرنا اور سرزنش کرنا ہے۔

مجسّموں کو حرام قرار دینے کی مصلحت

(1) مجسّموں کو حرام قرار دینے کی مصلحتیں کئی ایک ہیں۔ من جُملہ ان سے ایک مصلحت توحید کا تحفظ اور بت پرستوں کے طرزِ عمل کی مشابہت سے اجتناب کرنا ہے' کیونکہ بت پرست اپنے ہاتھ سے تصویر اور بت بناتے ہیں' پھر اس کو مقدس قرار دے کر اس کے سامنے خشوع کے انداز میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اسلام توحید کے معاملہ میں بڑا حساس ہے اور اس کا اس معاملہ میں حساس اور محتاط ہونا بالکل بجا ہے' کیونکہ جن امتوں نے اپنے پیش روؤں اور نیک لوگوں کی تصویریں یادگار کے طور پر بنائیں وہ ایک مدت گزر جانے پر ان شخصیتوں کو مقدس قرار دے بیٹھے اور انہیں معبود

⇦ دروازے پر غالیچے کا پردہ لٹکا رکھا تھا جس میں پروں والے گھوڑے کی تصویریں تھیں۔ آپ ﷺ نے مجھے اسے اتارنے کا حکم دیا تو میں نے اسے پھاڑ دیا۔

اسے مسلم (۶/ ۱۵۸) اور نسائی (۲/ ۳۰۱) اور احمد (۶/ ۲۰۸' ۲۸۱) نے بیان کیا ہے۔

یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ صرف وہی تصویریں حرام قرار نہیں دی گئیں جن کی خصوصی تقدیس و تعظیم کی جاتی ہے' کیونکہ پروں والا گھوڑا کوئی مقدس چیز نہیں مگر آپ نے دیکھا نہیں کہ نبی ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مذکورہ گھوڑے کے بنے ہوئے کھلونوں سے کھیلنے کی اجازت دی تھی۔ عنقریب حدیث نمبر ۱۲۸ میں ذکر ہوگا۔

میں کہتا ہوں:...... یہ حدیث غیر مجسم تصویروں کو بھی شامل ہے' کیونکہ یہ مطلق ہے اور اس کے راوی سیّدنا ابن عباس نے آپ ﷺ سے یہی سمجھا۔ اگر یہ مجسم تصویروں کے ساتھ ہی خاص ہوتی تو آپ سائل پر اتنی سختی نہ فرماتے بلکہ اس کے لیے غیر مجسم تصویریں' جو ذی روح چیزوں کی ہیں' بھی جائز قرار دیتے جیسا کہ یہ بالکل عیاں ہے۔

اور صحابی کا فہم حجت ہوتا ہے' خصوصاً جبکہ وہ حدیث کا راوی بھی ہو۔ اور علم اصول کے قواعد بھی اس کی پرزور تائید کرتے ہیں اور دوسری نصوص بھی اس کی ہم نوا ہیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے اس مذہب کو غلط قرار دیا ہے' جس میں ان تصویروں کی اجازت دی گئی ہے' جن کا سایہ نہیں' یعنی غیر مجسم ہیں۔ مزید گفتگو حدیث ۱۳۴ کے تحت بیان کروں گا۔ (ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

بنا کر ان کی پرستش شروع کر دی' ان سے ڈرنے اور امیدیں وابستہ کرنے لگے اور حصولِ برکت کے لیے ان کے دربار میں حاضر ہونے لگے' چنانچہ وَدّ' سواع' یغوث' یعوق اور نسر بزرگوں کے پجاری یہی کچھ کرتے رہے۔ ❶

اسلام کا اس معاملہ میں حساس ہونا کوئی قابل تعجب اور اچنبھے بات نہیں ہے' کیونکہ وہ ایک ایسا دین ہے جو بگاڑ کے جملہ ذرائع کا سدباب کرنا چاہتا ہے اور ان تمام رخنوں کو بند کرنا چاہتا ہے جن سے شرک جلی' یا شرک خفی، دل و دماغ میں نفوذ کر جاتا ہے' یا جس سے بُت پرستوں اور مذہب میں غلو کرنے والوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اسلام کا اس معاملہ میں سخت ہونا اس وجہ سے بھی بالکل بجا ہے کہ یہ شریعت کسی ایک دور کے لوگوں کے لیے نہیں ہے' بلکہ تمام انسانوں کے لیے ہے' خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں بستے ہوں۔ اور کسی خاص وقت کے لیے نہیں' بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔

(ب) تصویر کی حُرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مجسمہ ساز یا مصور اس زُعم باطل میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ گویا وہ عدم سے اس مجسمہ یا تصویر کو وجود میں لایا ہے' یا مٹی سے ایک جاندار مخلوق بنائی ہے۔ اس کی تصدیق واقعات سے ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک واقع یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے طویل عرصہ تک مسلسل محنت کے بعد ایک مجسمہ تراشا۔ جب مجسمہ پوری طرح تیار ہو گیا تو اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس کے خدو خال اور اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر ناز کرنے اور اترانے لگا' یہاں تک کہ فخر و غرور کے نشہ میں اس کو مخاطب کر کے بول اُٹھا: بات کر! بات کر!

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِنَّ الَّذِیْنَ یَصْنَعُوْنَ هٰذِهِ الصُّوَرَ یُعَذَّبُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یُقَالُ لَهُمْ اَحْیُوْا مَاخَلَقْتُمْ .)) ❷

❶ بخاري' كتاب التفسير : باب تفسير سورة نوح'ح: ٤٩٢٠۔

❷ بخاري' كتاب اللباس: باب عذاب المصور ين يوم القيامة' ح: ٥٩٥١۔ مسلم' كتاب اللباس: باب تحريم تصوير صورة الحيوان' ح/ ٢١٠٨۔

"جو لوگ اس قسم کی تصویریں بناتے ہیں ان کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے جو کچھ تخلیق کیا ہے ان میں جان ڈالو"

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً فَلْيَخْلُقُوا شَعِيرَةً)) ❶

"اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو میری تخلیق کی طرح تخلیق کرنے لگے!!! یہ لوگ ایک ذرہ یا جَو کا ایک دانہ ہی پیدا کر دکھائیں۔"

(ج) جو لوگ اس فن کو اختیار کر کے اپنے مقصد کی طرف چل پڑتے ہیں پھر وہ کسی حد پر رُکتے نہیں۔ وہ عورتوں کی عُریاں اور نیم عُریاں تصویریں بنانے لگتے ہیں۔ اور بت پرستی کے مظاہر نیز دیگر مذاہب کے شعائر' مثلاً صلیب' بت وغیرہ بنانے سے بھی نہیں چوکتے۔ حالانکہ اس قسم کی تصویریں بنانا ایک مسلمان کے لیے کسی طرح روا نہیں۔

(د) مزید برآں یہ بھی حقیقت ہے کہ مجسمہ عیش پرستی کے مظاہر میں سے ہے۔ اربابِ عیش وعشرت کا ہمیشہ یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ اپنے محلات کو مجسموں سے آباد کرتے ہیں اور کمروں کو تصویروں سے مزین کرتے ہیں' نیز مختلف دھاتوں کے مجسمے بنوا کر فنکاری کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے جس دین نے عیش پرستی کے جملہ مظاہر و اقسام کے خلاف جنگ کی ہے اس کا مسلمانوں کے گھروں میں مجسموں کے وجود کو برداشت نہ کرنا اوران کو حرام قرار دینا بعید از قیاس نہیں ہے۔

اسلام میں شخصیتوں کی یادگار کا طریقہ

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جن بڑی شخصیتوں نے تاریخ کے شاندار اوراق پر اپنے کارنامے ثبت کیے ہیں ان کے احسانات کا بدلہ اُمت ان کے مادی مجسمے کھڑے کر کے ادا نہ کرے کہ یہ مجسمے ان کے فضل وشرافت کی یاد آنے والی نسلوں کو دلاتے

❶ بخاری' کتاب اللباس: باب نقض الصور' ح: ۵۹۵۳۔ مسلم حوالہ سابق' ح/ ۲۱۱۱.

رہیں؟ قوموں کے ذہن سے اکثر یادیں محو ہوتی رہتی ہیں اور لیل ونہار کا چکر انہیں بھلاوے میں ڈال دیتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام شخصیتوں کی تعظیم کے معاملہ میں غلو کو ناپسند کرتا ہے خواہ ان کا مرتبہ کتنا ہی بلند ہو اور خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((اَلَا لَا تُطْرُوْنِی کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ قُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ .)) ❶

''میری تعریف میں غلو نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کی غلو آمیز تعریف کی، میں تو محض اس کا بندہ ہوں۔ لہٰذا تم کہو: اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کے لیے احتراماً کھڑے ہونا چاہتے تھے لیکن آپ ﷺ نے انہیں اس سے منع کر دیا اور فرمایا:

((لَا تَقُوْمُوْا کَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ یُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا)) ❷

''عجمیوں کی طرح کھڑے نہ ہو جایا کرو وہ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔''

آپ ﷺ نے امت کو متنبہ فرمایا کہ آپ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد وہ آپ ﷺ کی شان میں غلو نہ کریں۔ فرمایا:

((لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا)) ❸

''میری قبر کو جشن گاہ نہ بنانا۔''

اور خود اپنے رب سے اس طرح دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُعْبَدُ)) ❹

---

❶ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: باب قول الله تعالیٰ (واذکر فی الکتاب مریم......)، ح: ٣٤٤٥، ٦٨٣٠.

❷ ابوداود، کتاب الادب: باب الرجل یقوم للرجل یعظمه بذلك، ح: ٥٢٣٠۔ (واسناده ضعیف)

❸ ابوداود، کتاب المناسك: باب زیارة القبور، ح: ٢٠٤٢۔

❹ موطا امام مالك (١/ ١٧٢) کتاب قصر الصلوة فی السفر: باب جامع الصلوة، ح: ٨٥ مرسلاً۔ ورواه احمد (٢/ ٢٤٦) وغیره، من حدیث ابی هریرة رضی الله عنه۔

''اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا کہ اس کی پرستش کی جانے لگے۔''

کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس طرح مخاطب ہوئے: ''اے اللہ کے رسول! اے ہماری بہترین شخصیت! اے ہماری بہترین شخصیت کے صاحبزادے! اے ہمارے سردار اور اے ہمارے سردار کے صاحبزادے!'' آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا بِقَوْلِكُمْ أَوْ بَعْضِ قَوْلِكُمْ، وَلَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ، أَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ، مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُوْنِيْ فَوْقَ مَنْزِلَتِيَ الَّتِيْ أَنْزَلَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ.)) [1]

''لوگو! جس طرح تم مجھے خطاب کرتے رہے ہو اسی طرح کرو۔ شیطان تمہیں فریب میں مبتلا نہ کرے۔ میں محمد اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں۔ میں نہیں پسند کرتا کہ جو مقام مجھے اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے بلند مقام تم میرے لیے تجویز کرو۔''

انسان کی تعظیم کے سلسلہ میں اسلام کا موقف یہ نہیں ہے کہ شخصیتوں کے مجسّمے بت کی طرح نصب کیے جائیں اور ان پر ہزارہا روپیہ خرچ کیا جائے' تا کہ لوگ ان کی طرف تعظیم اور احترام کے ساتھ اشارہ کریں۔ عظمت کے جھوٹے دعویدار اور باطل تاریخ سازی کرنے والے اس ہتھکنڈے سے کام لے کر قوموں کو گمراہ کرتے ہیں اور انہیں اپنے حقیقی زعماء سے آشنا ہونے نہیں دیتے۔

حقیقی دوام جس کے مؤمن منتظر ہوتے ہیں وہ اللہ کے پاس ہے جو تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور جس سے بھول چوک سرزد نہیں ہوتی۔ اور کتنی عظیم شخصیتوں کے نام اس کے نزدیک دوام کے رجسٹر میں لکھے گئے لیکن مخلوق کے نزدیک وہ غیر معروف رہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو نیک' متقی اور گمنام ہوں۔ جب وہ کسی مجلس میں موجود ہوں تو انہیں پہچانا نہ جا سکے' اور جب غائب ہوں تو اُن کو کوئی تلاش کرنے والا نہ ہو۔ اگر لوگوں کے پاس دوام مطلوب ہی ہے تو یہ مجسّمے کھڑے کر دینے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

[1] مسند احمد (٣/ ١٥٣) - نسائی فی الکبری (٦/ ٧٠، ٧١ ح: (١٠٠٧٧، ١٠٠٧٨) وفی عمل الیوم واللیلة (ح: ٢٤٨، ٢٤٩)۔ مسند عبد بن حمید (١٣٣٧، ١٣٠٩)

اس کا واحد طریقہ' جو اسلام کے نزدیک پسندیدہ بھی ہے، یہ ہے کہ ان شخصیتوں کی یاد دل و دماغ میں راسخ ہو اور زبانوں پر جاری ہو جائے۔ انھوں نے جو نیک کام کیے اور جو نیک آثار چھوڑے ان کے پیش نظر آنے والی نسلوں میں ان کے لیے سچائی کی زبانیں بلند ہوتی رہیں گی۔

رسول اللہ ﷺ' خلفائے راشدین' قائدین اسلام اور ائمہ عظام کی یادگاریں مادی تصاویر کے ذریعہ قائم نہیں کی گئیں اور نہ اُن کے لیے پتھر کے مجسّمے تراشے گئے' بلکہ خلف اپنے سلف اور اولاد اپنے آباء سے اُن کے کارنامے اور مناقب سینہ بہ سینہ منتقل کرتی رہی' زبانوں پر اُن کا ذکر خیر ہوتا رہا' محفلیں ان کے تذکروں سے مہک اٹھیں اور دل و دماغ ان کے کارناموں سے مسحور ہو گئے۔ کتنی عظیم یادگاریں تصویر اور مجسمہ کے بغیر ہی قائم ہو گئیں! ❶

بچوں کے کھلونے جائز ہیں

کچھ مجسّمے ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہ تعظیم مقصود ہوتی ہے اور نہ تعیش اور نہ ان سے وہ اندیشے لاحق ہوتے ہیں جن کا ذکر اس سے پہلے گذر چکا۔ ایسے مجسّموں کے بارے میں اسلام نے کسی تنگی کا ثبوت نہیں دیا۔

اس کی مثال چھوٹے بچوں کے کھلونے ہیں جو گڑیا' بلی وغیرہ جانداروں کی شکل میں بنائے جاتے ہیں۔ یہ بے وقعت بھی ہوتے ہیں اور ان کو بچے بس کھیلنے کے کام میں لاتے ہیں۔ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كُنْتُ اَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَ يَأْتِيْنِيْ صَوَاحِبُ لِيْ' فَكُنَّ يَنْقَمِعْنَ خَوْفًا مِّنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يُسَرِّبُهُنَّ اِلَيَّ' فَيَلْعَبْنَ مَعِيَ)) ❷

---

❶ ایسے جانبازوں اور سربکف تاریخ کے روشن چہرے پر کارنامے ثبت کرنے والے اور اخلاص کا بیج بونے والے، ان کی یادگار ان کی چھوڑی ہوئیں کتابیں، ان کی سوانح پر لکھی گئی کتابیں بھی بہترین یادگار ہوتی ہیں، ان کے قائم کردہ علمی مراکز بھی ان کی یادگار کے منہ بولتے ہیں، جس کی مثالیں احاطہ تحریر و بیان سے باہر ہیں۔

❷ بخاری' كتاب الادب: باب الانبساط الى الناس' ح: ٦١٣٠۔ مسلم' كتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل ام المؤمنين عائشة رضی اللہ عنہا ح: ٢٤٤٠۔

"میں لڑکیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کھیلا کرتی تھی۔ میری سہیلیاں آتیں اور رسول اللہ ﷺ کے خوف سے چھپ جاتیں۔ حالانکہ آپ ﷺ ان کو میرے پاس بھیج دیتے۔ پھر وہ میرے ساتھ کھیلا کرتیں۔"

دوسری روایت میں ہے:

((اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا يَوْمًا: مَا هٰذَا؟ قَالَتْ بَنَاتِي۔ قَالَ: مَا هٰذَا الَّذِيْ فِيْ وَسَطِهِنَّ؟ قَالَتْ' فَرَسٌ' قَالَ: مَا هٰذَا الَّذِيْ عَلَيْهِ؟ قَالَتْ جَنَاحَانِ۔ قَالَ:فَرَسٌ لَهٗ جَنَاحَانِ؟ قَالَتْ: اَوَمَا سَمِعْتَ اَنَّهٗ كَانَ لِسُلَيْمٰنَ بْنِ دَاوٗدَ خَيْلٌ لَهَا اَجْنِحَةٌ؟ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ)) ❶

"نبی ﷺ نے ایک دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ میری گڑیاں ہیں۔ پوچھا: ان کے درمیان میں کیا چیز ہے؟ کہا: یہ گھوڑا ہے۔ پوچھا: اس گھوڑے کے اوپر کیا چیز ہے؟ کہا: دو پر ہیں۔ فرمایا: گھوڑا اور اس کے پر بھی! سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا سیّدنا سلیمان بن داود کے گھوڑے پَر والے تھے؟ یہ سن کر نبی ﷺ ہنس پڑے' یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک دکھائی دینے لگے۔"

ان گڑیوں سے، جن کا ذکر حدیث میں ہوا بچے کھیلا کرتے ہیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو شادی کے وقت بالکل کم سن تھیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں:

"مذکورہ حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ بچوں کو اس قسم کے مجسّموں سے کھیلنے دینا جائز ہے' البتہ امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ بچوں کے لیے اس کو خرید کر لانا مکروہ خیال کرتے تھے۔ اور قاضی عیاض کا قول ہے کہ چھوٹی بچیوں کا گڑیوں سے کھیلنا جائز ہے۔" ❷

---

❶ ابوداود' کتاب الادب: باب اللعب بالبنات' ح:٤٩٣٢۔

❷ نیل الاوطار٦۔٢٣٢ .

اور بچوں کے کھلونوں میں وہ مجسمے بھی شامل ہیں جو مٹھائی سے بنائے جاتے ہیں اور تہواروں وغیرہ کے موقع پر فروخت کیے جاتے ہیں۔ بچے تھوڑی دیر ان سے کھیلتے ہیں اور اس کے بعد اُن کو کھالیتے ہیں۔

ناقص اور مسخ شدہ مجسّمے

حدیث میں آیا ہے کہ سیّدنا جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے گھر میں داخل ہونے سے اس لیے رُک گئے تھے کہ آپ ﷺ کے گھر کے دروازہ پر ایک مجسمہ تھا۔ دوسرے دن بھی داخل نہیں ہوئے' یہاں تک کہ آپ ﷺ سے کہا:

((مُرْ بِرَأْسِ التِّمْثَالِ فَلْيُقْطَعْ حَتّٰى يَصِيرَ كَهَيْئَةِ الشَّجَرَةِ)) ❶

''مجسمہ کا سر کٹوا دیجیے اس طرح کہ درخت کی شکل میں مجسمہ رہ جائے۔''

علماء کے ایک گروہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ حرام تصویر وہ ہے جو مکمل ہو' لیکن جس تصویر کا ایسا عضو غائب ہو جس کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں ہے تو وہ جائز ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ سیّدنا جبریل علیہ السلام نے مجسمہ کا سر اُڑا دینے کے لیے کہا تھا کہ وہ درخت کی شکل میں رہ جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعتبار کسی ایسے عضو کے ختم کرنے کا نہیں ہے جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں' بلکہ اعتبار مسخ کر دینے کا ہے تاکہ وہ ایسی شکل میں باقی ہی نہ رہے کہ اسے دیکھ کر تعظیم کے جذبات پیدا ہونے لگیں۔

اگر ہم غور وفکر کریں اور انصاف سے کام لیں تو کسی شک وشبہ کے بغیر کہہ سکتے ہیں کہ نصف مجسّمے جن کو بادشاہوں اور لیڈروں کی یادگار کے طور پر میدانوں میں نصب کیا جاتا ہے حرمت میں ان چھوٹے اور مکمل مجسّموں سے بڑھ کر ہیں جو گھروں میں زینت کے لیے رکھے جاتے ہیں۔

---

❶ ابوداود' كتاب اللباس: باب في الصور' ح: ٤١٥٨۔ ترمذي'كتاب الادب: باب ماجاء ان الملائكة لا تدخل بيتا...' ح: ٢٨٠٦۔ نسائي' كتاب الزينة: باب ذكر اشد الناس عذابا۔ ح: ٥٣٦٧.

غیر مجسم تصویریں

یہ تو ہوا تماثیل (مجسموں) کے بارے میں اسلام کا موقف۔ اب سوال یہ ہے کہ ان فنی تصویروں کا کیا حکم ہے جو کاغذ' کپڑے' پردہ' دیوار' فرش اور نقدی وغیرہ پر بنائی جاتی ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے اس کا حکم معلوم کرنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ تصویر فی نفسہ کس چیز کی ہے؟ اسے کہاں رکھا جائے گا؟ کس طرح استعمال کیا جائے گا؟ اور مصور نے اس کو کس غرض سے بنایا ہے؟

اگر یہ فنی تصویریں معبودان غیر اللہ کی ہیں' مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر جن کو نصاریٰ نے معبود بنالیا ہے' یا گائے کی تصویر جس کو ہندو پوجتے ہیں تو اس قسم کی تصویریں بنانے والا جو اسی مقصد سے تصویریں بناتا ہے' کافر ہے اور کفر و گمراہی کی اشاعت کرنے والا ہے۔ ایسے ہی مصوروں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے شدید وعید سنائی ہے:

((اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ)) ❶

''قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب مصوروں کو ہوگا۔''

امام طبری فرماتے ہیں:

''یہاں مراد وہ مصور ہے جو کسی ایسی چیز کی تصویر بناتا ہے جس کی پرستش کی جاتی ہے۔ اس کا دانستہ طور پر اسی غرض کے لیے تصویر بنانا کفر کے مترادف ہے۔ لیکن جو شخص اس مقصد سے نہیں بلکہ کسی اور مقصد سے تصویر بناتا ہے تو وہ صرف گنہگار ہے۔'' ❷

اسی طرح اس شخص کا معاملہ جو تصویر کو مقدس سمجھ کر آویزاں کرتا ہے۔ یہ حرکت کسی مسلمان سے صادر نہیں ہوسکتی الّا یہ کہ وہ اسلام کو پس پشت ڈال دے۔

اس سے مماثلت رکھنے والی شکل یہ ہے کہ تصویر کسی ایسی چیز کی بنائی جائے جس کی

---

❶ بخاری' کتاب اللباس: باب عذاب المصور ین یوم القیامۃ' ح: ۵۹۵۰۔ مسلم' کتاب اللباس: باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان' ح: ۲۱۰۹ .

❷ فتح الباری ۱۰۔۳۸۳ .

پرستش نہیں کی جاتی لیکن مقصود اللہ کی تخلیق کی مشابہت ہو یعنی تصویر بنانے والا اس بات کا مدعی ہو کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرح تخلیق و ایجاد کا کام کرتا ہے۔ ایسا شخص اپنے اس قصد و ارادہ کی بنا پر دین توحید سے خارج ہو جاتا ہے اور ایسے ہی مصوروں کے بارے میں حدیث میں آیا ہے:

((اِنَّ اَشَدَّ النَّاسَ عَذَابًا الَّذِیْنَ یُضَاھُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰہِ)) ❶

"سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں۔" (مسلم)

یہ معاملہ صرف مصور کی نیت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور غالباً اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

((وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَھَبَ یَخْلُقُ کَخَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا حَبَّۃً اَوْ ذَرَّۃً .))

"اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو میری تخلیق کی طرح تخلیق کرنے لگے۔ یہ لوگ ایک دانہ یا ایک ذرہ ہی پیدا کر دکھائیں۔" ❷

یہ الفاظ مشابہت کا قصد کرنے اور الوہیت کی خصوصیت (یعنی تخلیق و ایجاد) میں ہمسری کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں چیلنج کیا ہے کہ وہ ایک دانہ یا ایک ذرہ ہی پیدا کر دکھائیں۔ اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ کام اسی قصد کے ساتھ انجام دیا تھا' اسی لیے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو اس کا بدلہ یہ دے گا کہ علی رؤس الاشہاد (تمام لوگوں کے سامنے) ان سے اپنی تخلیقات میں جان ڈالنے کے لیے کہا جائے اور وہ ان میں کبھی جان نہیں ڈال سکیں گے۔

من جملہ ان تصاویر کے جن کا بنانا اور رکھنا حرام ہے' ان شخصیتوں کی تصویریں بھی ہیں جنہیں مذہبی لحاظ سے مقدس سمجھا جاتا ہے' یا دنیوی (و سیاسی) لحاظ سے جن کو قابل تعظیم

❶ بخاری' کتاب اللباس: باب ماوطئی من التصاویر' ح: ٥٩٥٤۔ مسلم' حوالہ سابق' ح: ٩٢/ ٢١٠٧۔

❷ بخاری' کتاب اللباس: باب نقض الصور' ح: ٥٩٥٣' مسلم' حوالہ سابق' ح/ ٢١١١

خیال کیا جاتا ہے۔ پہلی قسم کی تصویروں کی مثال انبیاء، ملائکہ اور صالحین کی تصویریں ہیں، جیسے سیّدنا ابراہیم، سیّدنا اسحٰق، سیدنا موسیٰ، سیدہ مریم اور سیدنا جبرائیل علیہم السلام کی تصویریں۔ ان کا رواج نصاریٰ کے ہاں ہے اور ان کی تقلید بعض مسلمان بدعتیوں نے بھی کی ہے، چنانچہ سیّدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کی تصویریں انہوں نے بنا ڈالی ہیں۔

اور دوسری قسم کی تصویروں کی مثال بادشاہوں، زعماء اور فن کاروں کی تصویریں ہیں۔ ان کا گناہ پہلی قسم کی تصویریں بنانے کی بہ نسبت کم ہے۔ لیکن گناہ کی شدت اس صورت میں بڑھ جاتی ہے جبکہ کافروں، ظالموں اور فاسقوں کی تصویریں بنائی جائیں، مثلاً ان حاکموں کی تصویریں جو اللہ کی نازل کردہ ہدایت کے بغیر فیصلے کرتے ہیں، ان زعماء کی تصویریں جو اللہ کے پیغام کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور ان فن کاروں کی تصویریں جو باطل کو فروغ دیتے اور لوگوں کے اندر بے حیائی اور بداخلاقی پھیلاتے ہیں۔

عہدِ رسالت اور بعد کے زمانے میں تصویریں زیادہ تر تقدیس و تعظیم کے لیے ہوتی تھیں، اور یہ اکثر روم اور فارس یعنی نصاریٰ اور مجوس کی بنائی ہوئی ہوتی تھیں، اس لیے وہ مذہبی عقیدت اور حکمرانوں کی تقدیس کے اثرات سے پاک نہیں ہوتی تھیں۔ سیّدنا ابو الضحیٰ فرماتے ہیں:

((كُنْتُ مَعَ مَسْرُوْقٍ فِيْ بَيْتٍ فِيْهِ تَمَاثِيْلُ فَقَالَ لِيْ مَسْرُوْقٌ هٰذِهِ تَمَاثِيْلُ كِسْرٰى؟ فَقُلْتُ لَا، هٰذِهِ تَمَاثِيْلُ مَرْيَمَ، كَانَ مَسْرُوْقًا ظَنَّ اَنَّ التَّصْوِيْرَ مِنْ مَجُوْسٍ، وَكَانُوْا يُصَوِّرُوْنَ صُوَرَ مُلُوْكِهِمْ حَتّٰى فِي الْاَوَانِيْ، فَظَهَرَ اَنَّ التَّصْوِيْرَ كَانَ مِنْ نِصَارٰى وَفِيْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ مَسْرُوْقٌ، سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ يَقُوْلُ: اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ الْمُصَوِّرُوْنَ)) [1]

''میں مسروق کے ساتھ ایک گھر میں تھا جس میں تماثیل تھیں۔ ان کو دیکھ کر مسروق نے مجھ سے کہا: کیا یہ کسریٰ کی تماثیل ہیں؟ میں نے کہا: نہیں، بلکہ سیدہ

---

[1] مسلم، كتاب اللباس: باب تحريم تصوير صورة الحيوان، ح: ٢١٠٩.

مریم کی تماثیل ہیں۔ گویا مسروق کا خیال تھا کہ یہ تصویریں مجوس کی بنائی ہوئی ہوں گی کیونکہ مجوس برتنوں وغیرہ پر اپنے بادشاہوں کی تصویریں بنایا کرتے تھے لیکن معلوم ہوا کہ یہ تصویریں نصرانیوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ اس قصہ میں مسروق نے کہا: میں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عذاب کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو تصویریں بناتے ہیں۔''

ان کے علاوہ جو تصویریں غیر ذی رُوح کی ہوں مثلاً نباتات' درخت' دریا' جہاز' پہاڑ' چاند' سورج' ستارے وغیرہ قدرتی مناظر کی تو ان کے بنانے اور رکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے اور اس معاملہ میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔

اور اگر تصویر کسی ذی روح کی ہو اور اس سے شرک وغیرہ کے کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو جس کا بیان اوپر گزر چکا' یعنی کوئی ایسی تصویر نہ ہو جس کی تقدیس وتعظیم کی جاتی ہے اور نہ اس سے تخلیق الٰہی کی مشابہت مقصود ہو، تو راقم السطور کی رائے میں ایسی تصویر حرام نہیں ہے اور اس کی تائید صحاح کی درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

((عَنْ اَبِی طَلْحَةَ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ الْمَلٰئِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ۔ قَالَ بُسْرٌ ثُمَّ اشْتَكٰى زَيْدٌ بَعْدُ، فَعُدْنَاهُ فَاِذَا عَلٰى بَابِهٖ سَتْرٌ فِيْهِ صُوْرَةٌ۔ قَالَ فَقُلْتُ لِعُبَيْدِ اللّٰهِ الْخُوْلَانِىِّ رَبِيْبِ مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِىِّ ﷺ اَلَمْ يُخْبِرْنَا زَيْدٌ عَنِ الصُّوَرِ يَوْمَ الْاَوَّلِ؟ فَقَالَ عُبَيْدُاللّٰهِ اَلَمْ تَسْمَعْهُ حِيْنَ قَالَ "اِلَّا رَقْمًا فِىْ ثَوْبٍ" ❶

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ملائکہ ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو۔'' بسر کہتے ہیں: بعد میں جب

❶ بخاری' کتاب اللباس: باب من کره القعود علی الصور' ح:٥٩٥٨۔ مسلم' حوالہ سابق' ح: ٢١٠٦/٨٥

زید بیمار ہوگئے اور ہم ان کی عیادت کے لیے گئے تو ان کے دروازہ کے پردہ پر تصویر تھی۔ میں نے عبید اللہ خولانی سے جو سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ربیب (زیر کفالت) تھے' کہا کہ زید نے ہمیں تصویروں کے بارے میں پہلے دن کیا بات بتائی تھی؟ عبید اللہ نے جواب دیا: ''جس وقت انہوں نے حرمت کی بات کہی تھی اس وقت اس استثناء کا بھی تو ذکر کیا تھا کہ ''الا یہ کہ کپڑے میں نقش ہو۔''

((عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰى اَبِيْ طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيِّ يَعُوْدُهٗ فَوَجَدَ عِنْدَهٗ سَهْلَ بْنَ حَنِيْفٍ' قَالَ: فَدَعَا اَبُوْ طَلْحَةِ اِنْسَانًا يَنْزِعُ نَمَطًا تَحْتَهٗ' فَقَالَ لَهٗ سَهْلٌ: لِمَ تَنْزِعُهٗ؟ قَالَ: لِاَنَّ فِيْهِ تَصَاوِيْرُ وَقَالَ فِيْهِ النَّبِيُّ ﷺ مَا قَدْ عَلِمْتَ' قَالَ سَهْلٌ اَوَلَمْ يَقُلْ: اِلَّا مَا كَانَ رَقْمًا فِيْ ثَوْبٍ؟ فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ: بَلٰى' وَلٰكِنَّهٗ اَطْيَبُ لِنَفْسِيْ)) [1]

''سیّدنا عتبہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو موجود پایا۔ سیّدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے کہا کہ وہ نیچے سے دری نکال لیں۔ یہ سن کر سہل نے کہا' اسے کیوں نکالتے ہو؟ انہوں نے کہا: اس لیے کہ اس میں تصویریں بنی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویروں کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس سے آپ واقف ہی ہیں۔ سہل نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تو فرمایا ہے ''الا یہ کہ کپڑے میں نقش ہو۔'' ابوطلحہ نے کہا' صحیح ہے لیکن میں سمجھتا ہوں اس کو ہٹا دینا بہتر ہوگا۔''

کیا یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ حرام تصویروں سے مراد مجسّمے ہیں جن کو تماثیل کہتے ہیں!

لیکن جو تصویریں تختیوں پر بنائی جاتی ہیں' یا کپڑے' فرش' دیوار وغیرہ پر، جن کو منقش کیا

---

[1] ترمذی' کتاب اللباس: باب ماجاء فی الصورۃ' ح/ ۱۸۵۰۔ نسائی: کتاب الزینۃ: باب التصاویر' ح/ ۵۳۵۱۔

جاتا ہے ان کی حرمت کسی ایسی حدیث سے ثابت نہیں ہے جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی' نیز وہ کسی دوسری حدیث سے متعارض بھی نہ ہو۔

البتہ ایسی صحیح حدیثیں موجود ہیں جن میں نبی ﷺ نے اس قسم کی تصاویر کے بارے میں ناگواری کا اظہار فرمایا ہے کیونکہ اس میں عیش پسندوں اور دُنیوی مفاد کے پرستاروں کے ساتھ مشابہت کا پہلو ہے۔

((عَنْ اَبِی طَلْحَةَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: لاَ تَدْخُلُ الْمَلٰئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلاَ تَمَاثِيْلُ' قَالَ فَاَتَيْتُ عَائِشَةَ فَقُلْتُ: اِنَّ هٰذَا يُخْبِرُنِی اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: لاَ تَدْخُلُ الْمَلٰئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلاَ تَمَاثِيْلُ' فَهَلْ سَمِعْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ذَكَرَ ذٰلِكَ؟ فَقَالَتْ لاَ ..... وَلٰكِنْ سَاُحَدِّثُكُمْ مَارَأَيْتُهُ فَعَلَ' رَأَيْتُهُ خَرَجَ فِی غُزَاتِهٖ فَاَخَذْتُ نَمْطًا فَسَتَرْتُهُ عَلَی الْبَابِ فَلَمَّاقَدِمَ فَرَأَی النَّمْطَ عَرَفْتُ الْكَرَاهِيَةَ فِی وَجْهِهٖ فَجَذَبَهُ حَتّٰی هَتَكَهُ اَوْ قَطَعَهُ وَقَالَ:اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَأْمُرْنَا اَنْ نَكْسُوَ الْحِجَارَةَ وَالطِّيْنَ۔ قَالَتْ فَقَطَعْنَا مِنْهُ وِسَادَتَيْنِ وَحَشَوْتُهُمَا لِيْفًا فَلَمْ يَعِبْ ذٰلِكَ عَلَیَّ)) [1]

''سیّدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا مجسّمے ہوں۔ راوی زید بن خالد کہتے ہیں میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا کہ ابوطلحہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''ملائکہ کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا مجسّمے ہوں۔ کیا آپ نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟ فرمایا: نہیں ...... لیکن میں نے آپ ﷺ کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھا ہے وہ بیان کرتی ہوں۔ آپ ﷺ کسی غزوہ پر تشریف

[1] مسلم' كتاب اللباس: باب تحريم تصوير صورة الحيوان' ح: ۸۷/ ۲۱۰۶' ۲۱۰۷.

لے گئے تھے، میں نے ایک چادر لی اور دروازہ کو پردہ لگا دیا۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے اور چادر کو دیکھا تو آپ ﷺ کے چہرہ سے ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے پھر آپ ﷺ نے چادر کو کھینچ کر اسے پھاڑ ڈالا اور فرمایا: ''اللہ نے ہمیں پتھر اور مٹی کو کپڑوں سے آراستہ کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ہم نے اس سے دو تکیے بنا لیے اور اس میں کھجور کی چھال بھر دی۔ پھر آپ ﷺ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔'' ❶

---

❶ **تنبیہ**:... مصنف کی ذکر کردہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث دو چیزوں پر دلالت کرتی ہے:

یہ کہ تصویریں لٹکانا حرام ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے اس پردہ کو پھاڑ دیا تھا۔ اور یہ واضح ہے کہ کپڑا پھاڑ دینے سے مال تلف ہوتا ہے اور یہ تب ہی جائز ہوسکتا ہے جب کوئی چیز حرام ہو اور اس سے زجر وتوبیخ اور ترہیب کرنا (مقصود ہو)۔

یہ ہے کہ دیواروں کو پردوں سے ڈھانپنا ناپسندیدہ عمل ہے۔ خواہ وہ پردے تصویر والے نہ بھی ہوں۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پتھروں اور مٹی کو پوشش پہنانے کا حکم نہیں دیا۔ معمولی غور وفکر سے اس حدیث سے یہی معنی ظاہر ہوتا ہے۔ اور آداب زفاف میں اس حدیث کی شرح میں جو ہم نے لکھا ہے علماء نے بھی یہی مفہوم لیا ہے۔ (صفحہ نمبر ۱۱۹ رقم ۱۲۵)

لیکن مؤلف رحمہ اللہ پر دونوں معاملات گڈ مڈ ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ان دونوں کو ایک ہی قرار دے دیا ہے اور نبی ﷺ کا مذکورہ فرمان انہوں نے ان پردوں پر قیاس کر لیا ہے جن پر تصویریں ہوں۔ اس پر یقین رکھتے ہوئے تصویریں لٹکانے کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے۔ اور اس پردے کو پھاڑنے کا عمل جو نبی ﷺ نے کیا ہے، ادھر توجہ مبذول نہیں فرمائی۔ اور نہ ہی نبی ﷺ کے اس قول کی جانب التفات کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں پتھروں اور مٹی ڈھانپنے کا حکم نہیں دیا۔'' کہ یہ مطلق حکم ہے اور اس کا مطلب ہے کہ نبی ﷺ کی مراد یہ بھی ہے کہ تصویروں کے بغیر بھی دیواروں پر پردے نہ ڈالیں۔

پھر مؤلف اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسے بعض ائمہ کی جانب منسوب کیا ہے جو کہ انہوں نے کہا نہیں بلکہ ان کے قول کے خلاف ہے۔ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ کراہت تنزیہی ثابت ہوتی ہے کیونکہ ان دیواروں کو لباس پہنانے کی ممانعت ہے۔ یہ وہ ہیں جن پردوں پر تصاویر ہوں۔''

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم نہیں دیا'' یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ نہ تو واجب ہے، نہ ہی مندوب ہے اور نہ ہی تحریم کا تقاضا کرتا ہے۔''

میں کہتا ہوں امام نووی رحمہ اللہ نے یہ کسی اور معاملہ میں کہا ہے کہ دیواروں کو پردوں سے ڈھانپنا منع ہے۔ یہ تصویروں کے بارے میں نہیں۔ اور تصویروں کے بارے میں آپ کا قول صریح طور پر حرام ہونے کا تقاضا ⇐⇐

اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ جو حکم اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ دیواروں وغیرہ کو تصویر والے پردوں سے آراستہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

⇦⇦ کرتا ہے۔ میں نے ان کی گفتگو حدیث نمبر (۱۳۴) کے تحت نقل کی ہے۔ انہوں نے بہت تاکید کے ساتھ اس حدیث کی شرح میں دونوں باتوں کے درمیان تفریق کی ہے۔

کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا ''کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ پھاڑ دیا'' اس کا مطلب ہے کہ اسے کاٹ دیا اور تصویریں تلف کر دیں۔ یہ بعد والی روایات اس کی وضاحت کرتی ہیں کہ اس پردہ میں پروں والے گھوڑے کی تصویریں تھیں۔ اس میں برائی کو ہاتھ سے روکنے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ اور اس پر بھی کہ حرام تصویریں پھاڑ دی جائیں۔ اور یہ بھی دلیل ہوئی کہ برائی پر اظہار غضب و ناراضی درست ہے۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پردہ کھینچا اور اسے دور کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پتھروں اور مٹی کو لباس پہنانے کا حکم نہیں دیا، اس حدیث سے علمائے کرام نے استدلال کیا ہے کہ دیواروں پر پردے ڈالنا اور گھروں کو کپڑوں سے سنوارنا منع ہے' یہ ممانعت تنزیہی ہے' تحریمی نہیں۔ یہی صحیح بات ہے۔

ہمارے اصحاب میں سے شیخ ابو فتح نصر مقدسی فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے۔ حالانکہ حدیث میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس کے حرام ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ کیونکہ حقیقی الفاظ بتا رہے ہیں کہ اللہ نے ہمیں پتھروں اور مٹی کو ڈھانپنے کا حکم نہیں دیا۔

تنبیہ نمبر ۱:..... حدیث بیان کرنے کے بعد مؤلف فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویروں والے پردے کاٹنے کا حکم نہیں دیا صرف ہٹانے کا حکم دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے پردے کا وجود گھر میں برقرار رکھا ہے جس میں پرندے وغیرہ کی تصویریں تھیں۔

میں کہتا ہوں:..... پردہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار نہ رکھا تھا بلکہ اسے پھاڑ دیا تھا' جیسا کہ اس سے پہلی حدیث میں گزر چکا ہے' لیکن وہ پردہ جس میں مورتیاں تھیں، یہ صحیح ہے کہ اسے برقرار رکھا تھا' لیکن یہ کب ہوا تھا اس کے حرام ہونے سے پہلے تھا' یا بعد میں تھا، اگر حرام قرار دیئے جانے سے پہلے تھا تو اس سے فقط کراہت پر استدلال کرنا درست نہیں۔ جیسا کہ مؤلف کا مذہب ہے۔ کیونکہ یہ تحریم سے پہلے تھا۔ اگر اس کے بعد کا تھا تو پھر کراہت پر استدلال کرنا درست ہے۔ لیکن اسے ثابت کرنا ممکن نہیں۔

تو پھر جمع و تطبیق کی صورت ہی باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ قاعدہ ہے کہ تعارض کی صورت میں یا جہالتِ تاریخ کی صورت میں منع والے حکم کو جائز والے حکم پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ امام نووی نے یہی کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

یہ حکم ہے کہ جس پردہ میں تصویر ہو اس کی حرمت سے پہلے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس آخری مرتبہ سے پہلے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر میں داخل ہوتے اور دیکھتے تھے لیکن اس کا انکار نہ کرتے تھے۔

تنبیہ نمبر ۲:..... مؤلف اپنے سابقہ کلام کے بعد فرماتے ہیں: ⇦⇦

''حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں جو حُرمت کی متقاضی ہو کیونکہ حدیث کے الفاظ ''اللہ نے ہمیں اس کا حکم نہیں دیا ہے۔'' سے واجب ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ مندوب ہونا اور نہ ہی اس کی حُرمت ثابت ہوتی ہے۔'' ❶

ایسی ہی ایک روایت مسلم کی ہے جس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كَانَ لَنَا سِتْرٌ فِيهِ تِمْثَالُ طَائِرٍ وَكَانَ الدَّاخِلُ إِذَا دَخَلَ اسْتَقْبَلَهُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ حَوِّلِي هٰذَا فَإِنِّي كُلَّمَا دَخَلْتُ فَرَأَيْتُهُ ذَكَرْتُ الدُّنْيَا۔)) ❷

ہمارے پاس ایک پردہ تھا جس پر پرندہ کی تصویر تھی، جب کوئی شخص داخل ہوتا تو اس کی نظر اس پر پڑتی۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے ہٹا دو' کیونکہ جب میں اندر داخل ہوتا ہوں تو میری نظر اس پر پڑتی ہے اور دنیا یاد آجاتی ہے۔''

آپ ﷺ نے اسے پھاڑنے کا حکم نہیں دیا' بلکہ فرمایا کہ اسے ہٹا دو۔ یہ اس لیے کہ آپ ﷺ ایسی چیزوں کو جو عام طور سے دُنیا اور سامان زینت کو یاد دلاتی ہیں، اپنے سامنے

⇐ ''اس قسم کی احادیث کی بناء پر بعض سلف کہتے ہیں۔ ممانعت ان تصویروں کی ہے جن کا سایہ ہو۔ اور جن تصویروں کا سایہ نہیں ان میں کوئی حرج نہیں۔

میں کہتا ہوں:...... یہ قاسم بن محمد کا قول ہے اور کسی کا نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ باطل مذہب ہے۔ جیسا کہ نمبر (۱۳۵) حدیث کے تحت گزرا ہے۔ مصنف نے یہاں امام نووی سے اس لیے نقل کیا ہے تاکہ وضاحت میں اس کا تعاقب کر سکے۔ فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا تعاقب کیا ہے۔ قاسم بن محمد جو مدینہ منورہ کے فقہاء میں سے ہے اور اپنے وقت کے سربرآوردہ عالم دین تھے۔ یہ مذہب صحیح سند سے ان سے منقول ہے۔

میں کہتا ہوں:... ''حافظ ابن حجر کا یہ تعاقب ایک صورت میں ہی تعاقب ہے جب اس کی گفتگو میں غور وفکر کیا جائے تو اس کی تصدیق ہوتی ہے' اس کا خلاصہ یہی ہے کہ وہ نووی پر اس وجہ سے تنقید کرتے ہیں کہ انہوں نے مطلقاً اس مذہب کو باطل قرار دے دیا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اپنے تعاقب کے آخر میں کہا ہے۔''

اس بارے میں وارد احادیث کو آپس میں جمع وتوفیق کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ مذہب مرجوح ہے کیونکہ قاسم نے جن تصویروں میں رخصت دی ہے یہ وہ ہیں جو پامال کی جائیں لیکن ان کی رخصت نہیں دی جو گاڑی یا گھر وں میں آویزاں کی جاتی ہیں۔'' (ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

❶ شرح مسلم ١٤-٨٦-٨٧ .

❷ مسلم کتاب اللباس: باب تحریم تصویر صورة الحیوان' ح: ٨٨/ ٢١٠٧ .

دیکھنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ❶

❶ **تنبیہ**:..... اس حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ یہ تصویریں ذی روح (جاندار) کی تھیں۔ مصنف کا اس سے استدلال پکڑنا صحیح نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس پردے کا وجود اپنے گھر میں برقرار رکھا' جس میں تصویریں تھیں۔ یہ تب ہی کیا تھا جبکہ آپ کے سامنے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ پوری ذی روح چیزوں کی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حرام قرار دینے سے پہلے کی بات ہے' جیسا کہ اس سے پہلی والی حدیث میں گزر چکا ہے۔

تنبیہ:..... مصنف نے اس حدیث کو یہاں دوبارہ اس لیے بیان کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اس کے مذہب کی تائید ہو جائے جو مجسم تصویروں کو ہی حرام قرار دیتے ہیں۔ غیر مجسم کو حرام نہیں کہتے ہیں' جس طرح ہمارا مشاہدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مخلوق کو تخلیق کرنا' سطح پر تصویر مراد نہیں' بلکہ وجود والی مجسم تصویریں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''وہی ہے اللہ جو تمہاری ماؤں کے رحموں میں تمہاری تصویر کشی کرتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔''

(آل عمران:۳/۶)

میں کہتا ہوں: ''اگر یہ منطق صحیح تصور کر لی جائے تو یہ مجسم تصویر کے بھی جائز ہونے تک پہنچا دے گی۔''

اس کی وضاحت یوں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا مخلوق کو پیدا کرنا' کوئی پیدا کرتا نہیں جیسا کہ مشاہدہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں روح نہ ہو' بلکہ اس کا پیدا کرنا تو زندہ ومتحرک ہے۔ اس کا دل ہے جو دھڑکتا ہے اور اس کے جوڑ اور اعضاء ہیں۔

جبکہ مصور اس مخلوق کے ظاہری کی تصویر بناتا ہے مگر بناتا ہر طرف سے ہے۔ اسی طرح سطح بنانے والا مصور بھی ظاہری کی تصویر بناتا ہے' لیکن یہ ایک جانب سے بناتا ہے۔ مجسم تصویر اور غیر مجسم تصویر میں یہی فرق ہے۔ جب یہ فرق ہے تو یہ محض شکلی فرق ہے' تو اس کے تقاضا کو مدنظر رکھتے ہوئے مصنف نے غیر مجسم تصویر کی اجازت دی ہے جبکہ اس سے لازم آتا ہے نہ وہ مجسم تصویر کو بھی جائز قرار دیں۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں ظاہری مشابہت ہے حقیقی نہیں۔ اور جس چیز سے ایک باطل لازم آتا ہو تو اسے اپنانا بھی باطل ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مجسم تصویر اس ظاہری مشابہت ہی کی وجہ سے حرام قرار دی گئی ہے اس لیے تو مجسم تصویر بنانے والے سے کہا جائے گا (توبیخ وڈانٹ پلاتے ہوئے) جو تم نے پیدا کیا ہے اسے زندہ کرو۔

اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ تو غیر مجسم تصویر بھی حرام قرار دینے کے لیے ہماری حجت ہے' کیونکہ اس میں ظاہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ اتنا ہی فرق ہے کہ مجسم تصویر میں مشابہت مکمل پائی جاتی ہے اور غیر مجسم میں مکمل نہیں پائی جاتی۔ یعنی فرق کامل مورتیوں اور ناقص مورتیوں میں ہے۔ اس سے ایک دوسری کا جواز تو نہیں نکلتا اور نہ ہی حرام قرار دینے کے حکم میں کوئی تفریق پیدا ہوتی ہے۔ حرام ہونے میں دونوں برابر ہیں جیسا کہ مؤلف نے صفحہ (۹۰ رقم ۸۹) کے تحت ثابت کیا ہے۔ ⇦⇦

خاص طور سے اس لیے بھی کہ آپ سنتیں اور نفل نمازیں گھر ہی میں ادا کرتے تھے۔

اس قسم کی تصاویر وتماثیل والی چادریں اور پردے انسان کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں جس کے نتیجہ میں خشوع کا اہتمام کرنے اور مناجات کی طرف متوجہ ہونے سے دل غافل ہو جاتا ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا، فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ، أَمِيطِيهِ عَنِّيْ فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيْرُهُ تَعْرِضُ لِيْ فِيْ صَلَاتِيْ)) ❶

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پردہ تھا' جسے وہ گھر کے ایک جانب لگایا کرتی تھیں۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: اس کو ہٹادو کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں میرے سامنے ہوتی ہیں۔"

اس سے یہ بات واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے پردہ کے وجود کو جس میں پرندہ کی تصویر تھی اور دوسری تصویروں والے پردہ کو بھی برداشت کرلیا۔ یہ اور اس قسم کی دیگر احادیث کے پیش نظر سلف اس بات کے قائل ہیں کہ ممنوع صرف وہ تصویریں ہیں جن کا سایہ پڑتا ہو' یعنی جو مجسم ہوں۔ اور جن کا سایہ نہیں پڑتا ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ❷

امام نووی نے شرح مسلم میں اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مسلک باطل ہے۔ (شرح مسلم ۸۲۔۱۰) لیکن حافظ ابن حجر نے اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مسلک قاسم بن محمد سے جو مدینہ کے ممتاز فقیہ تھے' صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ ❸

اور شیخ بخیت نے خطابی کا یہ قول نقل کیا ہے:

⇦⇦ ہم بھی یہی پسند کرتے ہیں کہ مجسم اور غیر مجسم تصویروں کے درمیان تفریق نہ کی جائے' بلکہ دونوں کو حرام قرار دینے میں جمہور صحابہ کرام اور ان کے بعد والے علمائے کرام والا طریقہ ہی اپنایا جائے کہ ہر قسم کی تصویروں کو عام حرام قرار دیا جائے۔ جیسا کہ نووی سے پہلے نقل ہو چکا ہے۔ خصوصاً راوی حدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

❶ بخاري' كتاب اللباس: باب كراهية الصلاة في التصاوير' ح/ ٥٩٥٩

❷ شرح مسلم ❸ فتح الباري: ١٠۔٣٨٨

''جو شخص حیوانات کی شکلیں بناتا ہے اور نقاش جو درختوں وغیرہ کے نقوش بناتا ہے' ایسے لوگ میں سمجھتا ہوں' کہ اس وعید میں داخل نہیں ہیں' اگرچہ کہ اس بات کی تمام ہی چیزیں مکروہ ہیں اور اس سے انسان کی توجہ لایعنی (بے فائدہ) کاموں کی طرف ہوجاتی ہے۔''

خطابی کے اس قول پر شیخ بخیت نے یہ نوٹ لکھا ہے:

''اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص جاندار کی شکل بناتا ہے وہ جاندار کی صورت نہیں ایجاد کرتا بلکہ وہ شکل وصورت کا محض خاکہ بناتا ہے۔ اس طرح جو تصویر بنائی جاتی ہے اس کے بہت سے ایسے اعضاء غائب ہوتے ہیں جن کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں ہے بلکہ درحقیقت جسم ہی غائب ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ جاندار کی وہ تصویر نہیں ہے جس کا بنانے والا قیامت کے دن رُوح پھونکنے کی سزا کا مستحق ہوگا اور وہ اس پر رُوح پھونک نہیں سکے گا۔ بظاہر ایسی تصویر کا اطلاق جس کے بارے میں وعید آئی ہے، سایہ رکھنے والے مجسمہ پر ہوتا ہے' ایسا مجسمہ جس کا کوئی اہم عضو جو زندہ رہنے کے لیے ناگزیر ہے' غائب نہ ہو۔ جو مجسمہ اس نوعیت کا ہو اس میں یہ قابلیت ہوتی ہے کہ روح پھونکی جاسکے۔ لیکن اگر مصور اس میں رُوح پھونکنے سے عاجز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تصویر (مجسمہ) میں زندگی کو قبول کرنے کی قابلیت نہیں ہے' بلکہ یہ مصور کا نقص ہے' اس لیے اس کے عاجز ہونے کی ذمہ داری خود اسی پر عائد ہوتی ہے۔''

غیر مجسم تصویروں کے جواز کی جو رائے ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((وَمَنْ اَظْلَمَ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوْا ذَرَّةً فَلْيَخْلُقُوْا شَعِيْرَةً)) ❶

---

❶ بخاري' كتاب اللباس' باب' نقض الصور' ح: ٥٩٥٣۔ مسلم' كتاب اللباس: باب تحريم تصوير صورة الحيوان'ح: ٢١١١ .

''اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو میری تخلیق کی طرح تخلیق کرنے لگے!! ایسے لوگوں کو چاہیے کہ ایک ذرہ' یا جو کا ایک دانہ ہی پیدا کر دکھائیں۔''

درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تخلیق...... جیسا کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں...... محض خاکہ نہیں ہے جو کسی سطح چیز پر بنایا گیا ہو' بلکہ وہ حجم رکھنے والی مجسم تصویریں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ (آل عمران: ۳/ ۶)

''وہی ہے جو رحم مادر میں تمہاری جس طرح چاہتا ہے صورت گری کرتا ہے۔''

اس مسلک کے خلاف اگر کوئی دلیل پیش کی جا سکتی ہے تو وہ سیدہ عائشہ ؓ کی حدیث ہے جسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے:

((اِنَّهَا اشْتَرَتْ نَمْرِقَةً فِيْهَا تَصَاوِيْرُ' فَلَمَّا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ' فَعَرَفَتْ فِيْ وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ فَقَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ: اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهِ مَاذَا اَذْنَبْتُ؟ فَقَالَ مَا بَالُ هٰذِهِ النَّمْرِقَةِ؟ فَقَالَتْ: اِشْتَرَيْتُهَا لَكَ تَقْعُدُ عَلَيْهَا وَتَتَوَسَّدُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ وَيُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ' ثُمَّ قَالَ: اِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ الصُّوَرُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ)) [1]

''سیدہ عائشہ ؓ نے ایک تکیہ خریدا جس میں تصویریں بنی تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو اندر داخل نہیں ہوئے' بلکہ دروازہ ہی پر کھڑے ہو گئے۔ سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار دیکھ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع (توبہ) کرتی ہوں' مجھ سے کون سا گناہ سرزد ہوا ہے؟ فرمایا: ''یہ تکیہ کیسا ہے؟'' حضرت عائشہ ؓ نے عرض کیا: ''میں نے اسے آپ ﷺ کے بیٹھنے اور ٹیک لگانے کے لیے خریدا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس قسم کی تصاویر

[1] مسلم حوالہ سابق ۹۶/ ۲۱۰۷.

بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ اب اپنی تخلیق میں جان ڈالو۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں اُس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں:

((فَاَخَذْتُهُ فَجَعَلْتُهُ مِرْفَقَتَيْنِ فَكَانَ يَرْتَفِقُ بِهِمَا فِي الْبَيْتِ تَعْنِي اَنَّهَا شَقَّتِ النَّمْرِقَةَ فَجَعَلَتْهَا مِرْفَقَتَيْنِ.)) ❶

''پھر میں نے اس کے دو چھوٹے تکیے بنائے جن کو آپ ﷺ ٹیک لگانے کے لیے گھر میں استعمال کرتے رہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تصویریوں والے تکیہ کو پھاڑ کر اس کے دو چھوٹے تکیے بنا لیے۔'' ❷

---

❶ مسلم حوالہ سابق، ح ۲۱۰۷۔

❷ **تنبیہ:** مصنف نے یہ حدیث بیان کی ہے جو کہ اس مذہب کے خلاف ہے کہ غیر مجسم تصویر جائز ہے۔ حقیقت میں یہ اس مذہب کا ابطال کرتی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مصنف نے اسے اس لیے یہاں وارد کیا ہے تاکہ یہ کہہ سکے کہ یہ تمام معاملات کے معارض (مخالف) ہے۔ اور چار باتوں کا ذکر کیا ہے جو تمام کی تمام کمزور ہیں۔ ان کا ضعف سابقہ تعلیقات سے واضح ہو چکا ہے۔ آخری معاملہ کے ذکر کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور اس کی خامی بھی مجبوراً ذکر کرنا ری ہے کہ یہ حدیث اس حدیث سے ٹکراتی ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پردے کے متعلق ہے اور اس پردے کے ہٹانے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

''اس حدیث کے درمیان اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جو قالین کی تصویروں والی ہے، ان کے درمیان جمع و توفیق کرنا بہت مشکل ہے۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے اس پردہ کو برقرار رکھا اور نماز پڑھی جبکہ وہ لٹکایا ہوا تھا اور اسے اتارنے کا حکم اس وجہ سے دیا تھا کہ دوران نماز میں وہ تصویریں آپ کو نظر آتی تھیں جس کی وجہ سے توجہ نہ رہی اس وجہ سے نہیں اتارا تھا کہ اس میں تصویریں تھیں۔''

حافظ ابن حجر نے ان میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جسے اتارنے کا حکم دیا تھا اس میں ذی روح (جاندار) کی تصویریں تھیں اور جو نہ اتارنے کا حکم دیا تھا اس میں حیوانات کی تصویریں نہ تھیں۔ لیکن اس مطابقت پر بھی مخالفت سامنے آتی ہے۔ کہ وہ پردہ جو کہ آپ نے برقرار رکھا تھا اس میں پرندوں کی تصویریں تھیں۔

میں کہتا ہوں: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پردہ والی حدیث (۱۳۷) جو ہے یہ اس کے علاوہ ہے جو اس ⇦⇦

لیکن اس حدیث سے درج ذیل امور متعارض ہیں:

① یہ حدیث مختلف طریقوں سے روایت کی گئی ہے جن میں بظاہر تعارض ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ تصویر والے پردہ کو پھاڑ کر جو تکیہ بنا لیا گیا تھا اس کو آپ ﷺ نے استعمال کیا، لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو استعمال نہیں فرمایا۔

② بعض روایتیں محض کراہت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ کراہت بھی دیوار کو مصور پردہ سے آراستہ کرنے کے سلسلے میں ہے' جو ظاہر ہے کہ ایک قسم کی عیش پسندی ہے، جس کو آپ ﷺ پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَأْمُرْنَا اَنْ نَكْسُوَ الْحِجَارَةَ وَالطِّيْنَ))

''اللہ نے ہمیں پتھر اور مٹی کو پوشاک پہنانے کا حکم نہیں دیا ہے۔''

③ مسلم کی حدیث جو خود سیدہ عائشہ ؓ سے پرندہ کی تصویر والے پردہ کے بارے میں منقول ہے اور جس میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ ''اسے ہٹا دو کیونکہ جب میری نظر اس پر پڑتی ہے تو دنیا یاد آ جاتی ہے۔'' مطلقاً حرمت پر دلالت نہیں کرتی۔

④ یہ حدیث ''قرام'' والی حدیث سے متعارض ہے' جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ سیدہ عائشہ ؓ کے گھر میں جو پردہ تھا اسے آپ ﷺ نے ہٹانے کا حکم دیا کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں آپ ﷺ کے سامنے ہوتی تھیں۔

⇦⇦ کے بعد والے پردہ کی حدیث ہے' جیسا کہ ان کا سیاق وسباق بتاتا ہے۔

پہلی حدیث میں ہے کہ جب داخل ہونے والا گھر میں داخل ہوتا تو یہ پردہ سامنے آتا تھا۔ دوسری میں ہے کہ سیدہ عائشہ ؓ نے اپنے گھر کی ایک جانب ڈھانپ رکھی تھی اور اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی تصاویر میرے سامنے نماز میں پیش آتی رہی ہیں۔'' یہ واضح نص ہے کہ یہ ایسا نہ تھا کہ ہر داخل ہونے والے کا اس سے سامنا ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو مختلف واقعات ہیں۔ ان میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں' یہی وجہ ہے جس کی بناء پر حافظ ابن حجر نے جو مطابقت دی ہے وہ ہر مخالفت سے صحیح وسلامت رہتی ہے۔ اور سیدہ عائشہ ؓ والی یہ حدیث بھی ہر ٹکراؤ سے محفوظ رہتی ہے اور اس کی دلالت یہ ثبوت فراہم کر رہی ہے کہ غیر مجسم تصویروں کو بھی محفوظ رکھنا حرام ہے۔'' واللہ الموفق.

(ناصر الدین البانی ؒ)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''اس حدیث میں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نمرقہ (تکیہ) والی حدیث میں تطبیق مشکل ہے کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کو ہٹانے کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے دیا تھا کہ تصویر کا رُخ نماز کے وقت بالکل سامنے ہوتا تھا' ورنہ خاص طور سے تصویر کی وجہ سے یہ حکم نہیں دیا گیا تھا۔'' ❶

اس کے بعد موصوف نے دونوں حدیثوں میں مطابقت اس طرح پیدا کی ہے کہ پہلی حدیث میں جن تصاویر کا ذکر ہے وہ ذی رُوح (جانداروں) کی تصاویر تھیں۔ اور اس حدیث میں جن کا ذکر ہے، وہ جاندار کی نہیں تھیں۔

یہ تطبیق صحیح نہیں ہے' کیونکہ قرام (پردہ) والی حدیث میں پرندہ کی تصویر کا ذکر موجود ہے۔

⑤ یہ حدیث ابوطلحہ انصاری کی حدیث سے متعارض ہے جس میں کپڑے کے نقش کو حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

''دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو کراہت پر محمول کیا جائے اور ابوطلحہ کی حدیث کو مطلق جواز پر محمول کیا جائے، جو کراہت کے منافی نہیں ہے۔'' ❷

حافظ ابن حجر نے اس تطبیق کو مستحسن کہا ہے۔

⑥ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نمرقہ (تکیہ) والی حدیث کے راوی اُن کے بھتیجے قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ہیں' جن کے نزدیک ایسی تصویریں جائز تھیں' جن کا سایہ نہ پڑتا ہو۔ ابن عون فرماتے ہیں: ''میں قاسم کے پاس گیا وہ مکہ کے بالائی حصہ میں اپنے گھر میں مقیم تھے۔ میں نے اُن کے گھر میں ایک حجلہ دیکھا جس میں قُندس (ایک آبی جانور) اور عنقاء (پرندہ) کی تصویریں تھیں۔''

❶ فتح الباری ۳۸۸-۳.
❷ تفسیر قرطبی ۱٤-۲۷۳ .

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"ممکن ہے حدیث "اِلَّا رَقْماً فِيْ ثَوْبٍ" (اِلا یہ کہ کپڑے میں نقش ہو) کو انہوں نے عام جواز پر محمول کیا ہو۔ اور غالباً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پردہ والی حدیث کی توجیہ ان کے نزدیک یہ رہی ہو کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا پردہ مصور (تصویر والا) بھی تھا اور اس سے دیوار کی پوشش کا کام بھی لیا گیا تھا۔ جبکہ حدیث میں آتا ہے "اللہ نے ہمیں مٹی اور پتھر کو پوشاک پہنانے کا حکم نہیں دیا ہے۔" قاسم بن محمد مدینہ کے سات ممتاز فقہاء میں سے ہیں۔ انہوں نے نمرقہ والی حدیث روایت کی ہے۔ اگر وہ حجلہ جیسی چیزوں میں تصویر کو جائز نہ سمجھتے تو اس کو استعمال نہ کرتے۔"

(تصویر کی بحث کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری' کتاب اللباس' ج ۱۲' ۴' ۵ تا ۵۱۸)

لیکن ان احادیث سے' جو تصویروں اور مصورین کے بارے میں وارد ہوئی ہیں' یہ احتمال ظاہر ہوتا ہے' کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مرحلہ میں جب کہ شرک و بت پرستی اور تصاویر کو مقدس سمجھنے کا زمانہ گزرے ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا، کہ تصویر کے معاملہ میں سختی برتی ہو' لیکن جب عقیدہ توحید دل و دماغ میں راسخ ہو گیا تو غیر مجسم تصاویر کی اجازت ہو' جو فی الحقیقت محض نقوش اور خاکے ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اپنے گھر میں کسی تصویر والے پردہ کا وجود برداشت نہ کرتے اور نہ ان تصاویر کو مستثنیٰ قرار دیتے جو کپڑے میں نقش و نگار کے طور پر بنائی جاتی ہیں۔ اسی پر کاغذ اور دیوار کی تصاویر کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"آغاز میں شارع نے ہر قسم کی تصویر سے منع فرمایا تھا' خواہ وہ نقش والی ہی کیوں نہ ہو۔ چونکہ تصویر پرستی کا زمانہ گزرے ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اس لیے ہر قسم کی تصویریں ممنوع قرار دیں۔ پھر جب ممانعت کے حکم پر عمل درآمد ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑوں میں بنے ہوئے نقوش کو عام ضرورت کے پیشِ نظر مستثنیٰ کر دیا' نیز ایسی تصاویر کو بھی جائز کر دیا جن کی بے وقعتی کی جاتی

ہے۔ جس تصویر کی بے وقعتی کی جاتی ہو اس کی تعظیم کا اندیشہ نہیں رہتا۔ البتہ جن تصاویر کی عام طور سے بے وقعتی نہیں کی جاتی ان کی ممانعت برقرار رہی۔'' ❶

تصویر کی بے وقعتی اسے جائز کر دیتی ہے

جب کسی تصویر میں ایسا تغیر کر دیا جائے کہ وہ قابل تعظیم نہ رہے' بلکہ بے وقعت ہو کر رہ جائے تو وہ جواز کے دائرہ میں آ جاتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے گھر کے اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اُدْخُلْ' قَالَ کَیْفَ اَدْخُلُ وَفِیْ بَیْتِكَ سَتْرٌ فِیْهِ تَصَاوِیْرُ؟ فَاِنْ کُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَاقْطَعْ رَأْسَهَا' اَوِاقْطَعْهَا وَسَائِدَ اَوِاجْعَلْهَا بَسَطًا)) ❷

''تشریف لائیے!'' جبریل علیہ السلام نے کہا: ''میں کس طرح اندر داخل ہو جاؤں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تصویروں والا پردہ ہے؟ اگر اس کو رکھنا ہی ہے تو تصویر کا سر کاٹ دیجئے یا پردہ کو پھاڑ کر تکیہ یا بچھونا بنا لیجئے۔''

اسی لیے جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تصویر والے تکیہ کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر ناگواری کے آثار دیکھے تو اس کو پھاڑ کر دو چھوٹے تکیے بنا ڈالے کہ ایسی صورت میں تصویروں کی بے وقعتی و بے قدری ہوتی ہے اور تعظیم کا ادنی اندیشہ بھی باقی نہیں رہتا۔

سلف سے منقول ہے کہ وہ غیر وقیع تصویروں کے استعمال میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ مشہور تابعی عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ پرندوں اور آدمیوں کی تصویروں والے تکیوں پر ٹیک لگایا کرتے تھے۔ اور عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں تصویروں کا نصب کرنا علماء کو ناپسند تھا اور جن تصاویر کو عام طور سے پامال کیا جاتا ہے، ان میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے اور بچھونے اور تکیے کی تصویروں کے بارے میں جو پامال کی جاتی ہیں، کہتے: یہ ان کی تذلیل ہے۔

---

❶ طحاوی فی معانی الآثار۔٤۔٢٨٣،٢٨٤ .

❷ نسائی' کتاب الزینة: باب ذکر اشد الناس عذاباً' ح: ٥٣٦٧ .

فوٹو گرافی کی تصویریں

یہ بات بالکل واضح ہے کہ تصویر اور مصوری کے بارے میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ ان تصاویر کے متعلق ہیں جو تراش لی جاتی ہیں' یا جن کا خاکہ بنایا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک عکسی تصویر کا تعلق ہے جو کیمرے کے ذریعہ لی جاتی ہے' تو یہ ایک نئی ایجاد ہے۔ یہ فوٹو گرافی رسول اللہ ﷺ اور سلف کے زمانہ میں نہ تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تصاویر اور مصوری کے متعلق جو احکام آئے ہیں، کیا وہ فوٹو گرافی پر بھی منطبق ہوتے ہیں؟۔

جو علماء یہ سمجھتے ہیں کہ تصویر کی حرمت مجسمہ کی حد تک ہے وہ فوٹو گرافی کی تصویروں میں کوئی حرج نہیں سمجھتے' خاص طور سے اس صورت میں جبکہ تصویر غیر مکمل ہو۔

رہی دوسرے گروہ کی رائے تو سوال یہ ہے کہ کیا ان عکسی تصاویر کو ان تصاویر پر قیاس کیا جائے جو ایک آرٹسٹ کے برش کی تخلیق ہیں؟ یا کیا بعض احادیث میں جو علت بیان ہوئی ہے کہ مصور اللہ کی تخلیق کی مشابہت کرتا ہے' وہ علت فوٹو گرافی میں نہیں پائی جاتی؟ اور اصولِ فقہ کی رو سے جب علت ہی باقی نہیں رہی تو معلول بھی باقی نہیں رہا۔ (یعنی جب مشابہت نہیں پائی جاتی تو حرمت کا اطلاق بھی نہیں ہوگا)

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ واضح بات مفتی مصر شیخ محمد بخیت مرحوم کا فتویٰ ہے۔ موصوف فرماتے ہیں ''کہ فوٹو گرافی کے ذریعہ بنائی ہوئی تصویر' جو عکس کو مخصوص ذرائع سے روک لینے سے عبارت ہے' یہ اس تصویر کی تعریف میں نہیں آتی جس کی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ جس قسم کی تصویر سازی سے منع کیا گیا ہے اس کا اطلاق تصویر ایجاد کرنے اور بنانے پر ہوتا ہے' جو پہلے سے موجود یا بنائی ہوئی نہ ہو اور جس کے ذریعہ اللہ کی پیدا کردہ کسی جاندار چیز کی مشابہت کی جائے۔ لیکن کیمرہ کے ذریعہ لیے ہوئے فوٹو کی حقیقت یہ نہیں۔'' [1]

فوٹو کی اصل حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت یہی ہے۔ لیکن علماء کا ایک گروہ تصویر کے معاملہ میں بھی، خواہ وہ کسی قسم کی ہو شدت برتتا ہے اور اس کو مکروہ خیال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ فوٹو گرافی کو بھی۔ تاہم یہ گروہ بھی مجبوری کی صورت میں یا ضرورت و مصلحت کی بنا پر

---

[1] الجواب الشافي في اباحة التصوير الفوتو غرافي .

تصویر کے جواز کا قائل و فاعل ہے' مثلاً: شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں لگائی جانے والی تصویریں' مشتبہ افراد کی تصویریں اور ایسی تصویریں جو توضیح وغیرہ کی غرض سے استعمال کی جائیں۔ اس قسم کی تصاویر سے نہ تعظیم مقصود ہوتی ہے اور نہ عقیدہ کی خرابی کا کوئی اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔ اور پھر ان کے استعمال کی ضرورت کپڑوں کے نقوش کی بہ نسبت جن کو نبی ﷺ نے حرمت سے مستثنیٰ کیا تھا' زیادہ شدید اور اہم ہے۔

تصویر کا مقصد

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تصویر کے مقصد کو حرمت وغیرہ کے احکام میں کافی دخل ہے۔ اور کوئی مسلمان کسی ایسی تصویر کے حرام ہونے کی مخالفت نہیں کرے گا جس کا مقصد اسلام کے عقائد' شریعت اور اس کے آداب کے خلاف ہو۔ پس عورتوں کی عریاں اور نیم عریاں تصویریں اور نسوانیت کی خصوصیات اور جن سے فتنہ کا اندیشہ ہوسکتا ہے ایسے اعضاء کو نمایاں کرنا' اور ان کے خاکے اور تصویریں شہوانی ہیجان پیدا کرنے والی اور سفلی جذبات کو بھڑکانے والی شکلوں میں بنانا' جیسا کہ اس کا مظاہرہ رسائل و اخبارات اور سینما گھروں میں کھلے بندوں ہو رہا ہے' تو ان تمام چیزوں کے حرام ہونے میں اور اس قسم کی تصویر سازی کی ممانعت میں ادنیٰ شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح ان کی اشاعت کرنا' ان کو محفوظ رکھنا اور گھر' دفاتر وغیرہ دیگر مقامات پر ان کی نمائش کرنا اور دیواروں پر آویزاں کرنا، نیز قصداً ایسی تصویروں کو دیکھنا اور ان کا مشاہدہ کرنا، سب حرمت میں داخل ہے۔

یہی معاملہ کافروں' ظالموں اور فاسقوں کی تصویروں کا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس قسم کے قماش لوگوں کی تصویریں بنائے یا ان کو محفوظ رکھے۔ مثلاً: ملحد لیڈروں کی تصویریں جو اللہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں' یا بت پرست اکابر کی، جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں یا یہودیوں اور نصرانیوں کی جو محمد ﷺ کی نبوت کے منکر ہیں' یا ایسے لوگوں کی جو اسلام کے مدعی تو ہیں لیکن اللہ کی نازل کردہ ہدایت سے بے نیاز ہو کر فیصلے کرتے ہیں' یا سماج میں بے حیائی اور فساد پھیلاتے ہیں جیسے ایکٹر' ایکٹریس' گانے والے مرد اور گانے والی عورتیں وغیرہ۔

اور یہی حکم ان تصویروں کا ہے جو بت پرستی کی نمائندگی کرتی ہیں' یا مذہبی شعائر کی

حیثیت رکھتی ہیں' جنہیں اسلام ہرگز پسند نہیں کرتا' مثلاً: بت' صلیب وغیرہ کی تصویریں۔ غالباً عہدِ رسالت میں بیشتر فرش' پردے اور تکیے اسی قسم کی تصاویر اور نقش و نگار کے ہوتے تھے۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے:

((اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَمْ یَکُنْ یَتْرُكُ فِیْ بَیْتِهٖ شَیْئًا فِیْهِ تَصَالِیْبُ اِلاَّ نَقَضَهٗ)) ❶

''نبی ﷺ اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں رہنے دیتے تھے جس پر صلیب کی تصویر ہو۔ اگر ایسی کوئی چیز ہوتی تو اسے توڑ دیتے۔''

اور سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((اِنَّ الرَّسُوْلَ ﷺ فِیْ عَامِ الْفَتْحِ لَمَّا رَاَی الصُّوَرَ الَّتِیْ فِی الْبَیْتِ الْحَرَامِ لَمْ یَدْخُلِ الْبَیْتَ الْحَرَامَ حَتّٰی اَمَرَ فَمُحِیَتْ))❷

''رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر جب بیت اللہ میں تصویریں دیکھیں تو اس میں داخل نہیں ہوئے' یہاں تک کہ آپ ﷺ نے حکم دیا اور تصویریں مٹادی گئیں۔''

اس میں شک نہیں کہ یہ ایسی تصویریں تھیں جو مشرکینِ مکہ کی بت پرستی اور ان کی قدیم گمراہی کی نمائندگی کرتی تھیں۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ جَنَازَةٍ فَقَالَ: اَیُّکُمْ یَنْطَلِقُ اِلَی الْمَدِیْنَةِ فَلاَ یَدَعُ بِهَا وَثَنًا اِلَّا کَسَرَهٗ وَلاَ قَبْرًا اِلَّا سَوَّاهُ وَلاَ صُوْرَةً اِلَّا لَطَخَهَا! فَقَالَ رَجُلٌ اَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ فَهَابَ اَهْلَ الْمَدِیْنَةِ...... وَانْطَلَقَ الرَّجُلُ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ' لَمْ اَدَعْ بِهَا وَثَنًا اِلَّا کَسَرْتُهٗ وَلاَ قَبْرًا اِلَّا سَوَّیْتُهٗ وَلاَ صُوْرَةً اِلَّا لَطَخْتُهَا' ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ ﷺ مَنْ عَادَ اِلٰی شَیْءٍ مِنْ هٰذَا فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ

❶ بخاری' کتاب اللباس: باب نقض الصور' ح:۵۹۵۲ ۔

❷ بخاری' کتاب احادیث الانبیاء: باب قول اللہ تعالیٰ (واتخذ اللہ ابراهیم خلیلا) ح:۳۳۵۲' ۴۲۸۸ ۔

عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ .)) ❶

رسول اللہ ﷺ ایک جنازہ میں شریک تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون مدینہ میں یہ خدمت انجام دیتا ہے کہ کسی بت کو توڑے بغیر' کسی قبر کو ہموار کیے بغیر اور کسی تصویر کو مسخ کیے بغیر نہ چھوڑے؟'' ایک شخص نے کہا: میں اے اللہ کے رسول ﷺ! راوی کا بیان ہے کہ مدینہ والے اس حکم سے خوفزدہ ہو گئے ......وہ شخص چلا گیا اور پھر واپس آ کر اس نے عرض کیا : اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے مدینہ میں کسی بت کو توڑے بغیر' کسی قبر کو ہموار کیے بغیر اور کسی تصویر کو مسخ کیے بغیر نہیں چھوڑا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ان میں سے کسی چیز کا دوبارہ مرتکب ہوگا وہ اس ہدایت کا منکر ہوگا جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔''

یہ تصاویر جن کو ایک پیغمبر نے مسخ کرنے اور مٹانے کا حکم دیا' زمانہ جاہلیت کی بت پرستی کے مظاہر میں ہونے کے علاوہ ان کی اور کیا حقیقت ہو سکتی ہے؟ اسی لیے آپ ﷺ نے چاہا کہ مدینہ کو اس قسم کے آثار سے پاک کر دیا جائے' اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے دوبارہ ارتکاب کرنے والے کو اللہ کی نازل کردہ ہدایت سے کفر کرنے کے مترادف قرار دیا۔

تصویر اور مصور سے متعلق احکام کا خلاصہ

تصویر اور مصور سے متعلق احکام کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

(ا) حرمت اور گناہ میں سب سے زیادہ شدید تصویریں معبودانِ غیر اللہ کی ہیں۔ مثلاً نصاریٰ کے معبودانِ مسیح اور مریم علیہما السلام کی تصویر۔ اس قسم کی تصویر بنانا کفر کا موجب ہے' اگر کوئی شخص جانتے بوجھتے قصداً ایسی تصویر بنائے' ایسی تصویروں کو رواج دے یا کسی نہ کسی

❶ مسند احمد: ۱/ ۸۷' ۱۳۸۔۱۳۹) (واسنادہ ضعیف).

صحیح مسلم میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی سے اس کے بعض کا شاہد ان الفاظ کے ساتھ ہے ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوالهیاج اسدی سے فرمایا: ''میں تمھیں اس کام کے لیے بھیجتا ہوں' جس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا تھا۔'' کسی تصویر' مورت کو مٹائے بغیر نہ چھوڑ اور نہ کسی بلند قبر کو (دوسری قبروں کے) برابر کیے بغیر رہنے دینا۔''

(مسلم' کتاب الجنائز : باب الأمر بتسویة القبر' ح:۹۶۹)

طریقہ پر ان کی تعظیم کرے، وہ اپنے حصہ کے بقدر اس گناہ میں شریک ہے۔

(ب) اور گناہ میں اس سے قریب تر وہ شخص ہے جو کسی ایسی چیز کی تصویر بنائے جس کی پرستش نہیں کی جاتی لیکن اس سے مقصود اللہ کی تخلیق کی مشابہت ہو یعنی وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرح تخلیق و ایجاد کا کام کرتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا تعلق صرف مصور کی نیت پر ہے۔

(ج) اس سے کمتر درجہ کا گناہ یہ ہے کہ ایسی شخصیتوں کے مجسّمے بنائے جائیں جن کی پرستش تو نہیں کی جاتی لیکن تعظیم ضرور کی جاتی ہے' جیسے بادشاہ' قائد' لیڈر وغیرہ جن کی یادگار میدانوں وغیرہ میں مجسّمے نصب کر کے قائم کی جاتی ہے۔ اور مجسمہ کے کامل یا نصف ہونے سے گناہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(د) اور اس سے بھی کمتر درجہ میں ایسے اشخاص کے مجسّمے ہیں جن کی تقدیس و تعظیم نہیں کی جاتی۔ اس کی حرمت پر بھی اتفاق ہے' البتہ جن تصویروں کی بے وقعتی کی جاتی ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں' مثلاً: بچوں کے کھلونے اور مٹھائی کے مجسّمے جو کھائے جاتے ہیں۔

(ہ) اس کے بعد غیر مجسم تصویروں کا درجہ ہے' یعنی فنی تصویریں' ان شخصیتوں کی جن کی تعظیم کی جاتی ہے' جیسے حاکموں اور لیڈروں وغیرہ کی تصویریں' خاص طور سے جبکہ وہ نصب یا آویزاں کر دی گئی ہوں۔ ان کی حرمت دو چند شدید ہو جاتی ہے جبکہ یہ تصویریں ظالموں' فاسقوں اور ملحدوں کی ہوں' کیونکہ ان کی تعظیم اسلام کو منہدم کرنے کے مترادف ہے۔

(و) اور گناہ کے لحاظ سے اس سے بھی کمتر درجہ کی وہ تصویریں ہیں جو مجسم نہ ہوں اور ان ذوی الارواح (جانداروں) کی ہوں جن کی تعظیم نہیں کی جاتی' لیکن وہ عیش پرستی کے مظاہر میں سے ہوں' مثلاً اس قسم کی تصویروں والے پردہ سے دیوار وغیرہ کو آراستہ کرنا' جو کراہت سے کسی طرح بھی خالی نہیں ہے۔

(ز) جہاں تک غیر ذوی الارواح کی تصویروں کا تعلق ہے' مثلاً: کھجور وغیرہ کے درخت' دریا' جہاز' پہاڑ وغیرہ قدرتی مناظر کی تصویریں تو ان کو بنانے اور محفوظ کر لینے میں

کوئی گناہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ طاعت سے غافل نہ کردیں' یا تعیش کا باعث نہ بنیں' بصورت دیگر ایسی تصویریں مکروہ ہیں۔

(ح) رہی عکسی تصویر یعنی فوٹو تو یہ اصلاً مباح ہے' بشرطیکہ اس سے حرام چیز مقصود نہ ہو' مثلاً: جس شخص کا فوٹو ہے اس کا مذہبی تقدس یا دنیوی تعظیم۔ خصوصاً جبکہ وہ شخص کافر و فاسق ہو' مثال کے طور پر وہ شخص بت پرست ہو یا کمیونسٹ ہو یا گمراہ فن کار۔

(ط) اور آخری بات یہ ہے کہ حرام مجسموں اور تصویروں کو جب مسخ کر دیا جائے یا بے وقعت اور حقیر بنا دیا جائے، تو وہ دائرہ حرمت سے نکل کر دائرہ حلت میں آ جاتی ہیں' مثلاً: فرش کی تصویریں جنہیں پیر اور جوتے وغیرہ پامال کرتے رہتے ہیں۔

بلاضرورت کتے پالنا

نبی ﷺ نے بلاضرورت گھر میں کتے پالنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔

ہم نے ایسے عیش پرستوں کو دیکھا ہے جو کتوں پر تو خوب خرچ کرتے ہیں' لیکن انسان کی اولاد پر خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ اور ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے کتے کے ناز و ادا پر مال خرچ کرنے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے' بلکہ ان سے جذباتی وابستگی بھی پیدا کر لیتے ہیں' جبکہ وہ اپنے اقرباء سے بے رخی برتتے اور اپنے پڑوسی اور بھائی کو بھول جاتے ہیں۔

مسلمان کے گھر میں اگر کتا ہو تو اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ وہ برتنوں وغیرہ کو چاٹ کر نجس بنا کر نہ رکھ دے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ، اِحْدٰهُنَّ بِالتُّرَابِ .)) ❶

"جب کتا کسی کے برتن میں منہ ڈالے تو اسے چاہیے کہ برتن کو سات مرتبہ دھوئے، ان میں سے ایک مرتبہ مٹی لگا کر دھولے۔"

❶ بخاري' كتاب الوضوء: باب اذا شرب الكلب في اناء احدكم ... 'ح:١٧٢۔ مسلم' كتاب الطهارة: باب حكم ولوغ الكلب' ح/ ٢٧٩ .

بعض علماء نے ممانعت کی وجہ یہ بتائی ہے کہ کتا مہمان پر بھونکتا ہے' سائل کو خوف زدہ کرتا اور راہ چلنے والے کو اذیت پہنچاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((اَتَانِی جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَام فَقَالَ لِیْ اَتَیْتُكَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ یَمْنَعْنِیْ اَنْ اَکُوْنَ دَخَلْتُ اِلَّا اَنَّهٗ کَانَ عَلَی الْبَابِ تَمَاثِیْلُ وَکَانَ فِی الْبَیْتِ قِرَامُ سِتْرٍ فِیْهِ تَمَاثِیْلُ وَکَانَ فِی الْبَیْتِ کَلْبٌ' فَمُرْ بِرَأْسِ التِّمْثَالِ الَّذِیْ فِی الْبَیْتِ یُقْطَعُ فَیَصِیْرُ کَهَیْئَةِ الشَّجَرَةِ وَمُرْ بِالسِّتْرِ فَلْیَقْطَعْ فَیُجْعَلُ مِنْهُ وِسَادَتَانِ تُوْطَانِ وَمُرْ بِالْکَلْبِ فَلْیُخْرَجْ .)) ❶

میرے پاس جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا: ''گزشتہ شب میں آیا تھا لیکن گھر میں داخل نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ دروازہ پر مجسمہ اور گھر میں تصویروں والا پردہ تھا اور گھر میں کتا بھی تھا۔ لہٰذا جو مجسمہ گھر میں ہے اس کا سر آپ اس طرح کٹوا دیجیے کہ وہ درخت کی شکل میں رہ جائے۔ اور پردہ پھاڑ کر تکیے بنوا لیجیے' جن کو پامال کیا جائے' اور کتے کو گھر سے باہر نکلوا دیجیے۔''

ممانعت کا یہ حکم اُن کتوں کے بارے میں ہے جن کو بلاضرورت اور بے فائدہ پالا جائے۔

شکار اور حفاظت کے لیے کتوں کا جواز

جو کتے کسی ضرورت سے پالے جائیں مثلاً: شکاری کتے یا کھیت اور مویشیوں وغیرہ کی حفاظت کرنے والے کتے' تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنِ اتَّخَذَ کَلْبًا اِلَّا کَلْبَ صَیْدٍ اَوْ زَرْعٍ اَوْمَاشِیَةٍ انْتَقَصَ مِنْ اَجْرِہٖ کُلَّ یَوْمٍ قِیْرَاطٌ .)) ❷

❶ ابوداود' کتاب اللباس: باب فی الصور' ح ٤١٥٨ ، ترمذی: کتاب الادب: باب ماجاء ان الملائکة لا تدخل' ح: ٢٨٠٦ ۔ نسائی: کتاب الزینة: باب ذکر اشد الناس عذاباً ۔ ح: ٥٣٦٧ .

❷ بخاری' کتاب الحرث: باب اقتناء الکلب للحرث' ح: ٢٣٢٢۔ مسلم' کتاب المساقاة: باب الامر بقتل الکلاب' ح/ ١٥٧٥ .

''جو شخص کتا پالتا ہے اس کا اجر روزانہ ایک قیراط کم ہو جاتا ہے' الا یہ کہ شکار یا کھیتی یا مویشیوں کے لیے پالا جائے۔''

اس حدیث سے بعض فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ کتا پالنے کی ممانعت کراہت کے حکم میں ہے' نہ کہ حرمت کے حکم میں' کیونکہ اگر کتا پالنا حرام ہوتا تو ہر حال میں اس سے احتراز کرنا پڑتا' خواہ اجر میں کمی واقع ہو یا نہ ہو۔

گھر میں کتا پالنے کی جو ممانعت کر دی گئی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کتوں کے ساتھ سنگدلانہ برتاؤ کیا جائے' یا ان کو ختم کر کے رکھ دیا جائے۔ کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَوْ لَا اَنَّ الْكِلَابَ اُمَّةٌ مِّنَ الْاُمَمِ لَا مَرْتُ بِقَتْلِهَا .)) ❶

''اگر کتے بھی ایک اُمت نہ ہوتے تو میں انہیں (سب کو) قتل کرنے کا حکم دیتا۔''

اس حدیث کے ذریعہ آپ ﷺ نے ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے' اور اس مہتم بالشان حقیقت کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَٰئِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُم﴾

(الانعام: ٦/ ٣٨)

''زمین پر چلنے والا کوئی جانور اور پروں سے اڑنے والا کوئی پرندہ، ایسا نہیں جو تمہاری طرح ایک امت نہ ہو۔''

اور نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو اس شخص کا قصہ سنایا جس نے صحراء میں ایک کتے کو دیکھا جو ہانپ رہا تھا اور پیاس کی شدت سے کیچڑ چاٹ رہا تھا' وہ شخص دوڑتا ہوا کنویں پر گیا اور اپنے موزہ میں پانی بھر کر لایا اور کتے کو پلا دیا یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گیا۔ اس قصہ کو سنا کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے اس کے اس عمل کی قدر فرمائی اور اسے بخش دیا۔'' ❷

---

❶ ابوداود' کتاب الصید' باب فی اتخاذ الکلب للصید وغیرہ' ح: ۲۸٤٥' ترمذی'کتاب الاحکام/ باب ماجاء فی قتل الکلاب' ح: ١٤٨٦ ، نسائی' کتاب الصید: باب صفة الکلاب التی امر بقتلها' ح/ ٤٢٨٥ ۔ ابن ماجه' کتاب الصید: باب النهی عن اقتناء الکلب ۔ ح: ۳۲۰۵۔

❷ بخاری' کتاب المساقاة: باب فضل سقی الماء' ح: ۲۳٦۳ ، مسلم' کتاب السلام: باب فضل سقی البهائم......' ح: ۲۲٤٤ .

کتا پالنا علم جدید کی رو سے

ہمیں اپنے ملک میں اکثر ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جو مغربی تہذیب کے دلدادہ ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو رحمدل' انسانیت نواز اور ہر جاندار مخلوق کے حق میں مہربان خیال کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے کس طرح ایک ایسے جانور سے باز رکھا ہے جو سنجیدہ' مانوس اور امانت دار ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی خدمت میں ہم ایک ٹھوس علمی مقالہ پیش کرنا چاہتے ہیں جسے ایک جرمن اسکالر نے لکھا ہے اور جو ایک جرمن رسالہ میں شائع ہوا ہے۔ اس مقالہ میں ان اہم خطرات کو بیان کیا گیا ہے جو کتے کو پالنے یا اس کے قریب رہنے کی صورت میں لاحق ہوتے ہیں:

> ''گزشتہ چند برسوں میں لوگوں کے اندر کتا پالنے کا شوق کافی بڑھ گیا ہے' جس کے پیش نظر ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ لوگوں کی توجہ ان خطرات کی طرف مبذول کرائی جائے جو اس سے پیدا ہوتے ہیں' خصوصاً جبکہ لوگ کتا پالنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ خوش طبعی بھی کرنے لگتے ہیں اور اس کو چومتے بھی ہیں' نیز اس کو اس طرح چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ چھوٹوں اور بڑوں کے ہاتھ چاٹ لے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بچا ہوا کھانا کتوں کے آگے اپنے کھانے کی پلیٹوں میں رکھ دیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ عادتیں ایسی معیوب ہیں کہ ذوقِ سلیم ان کو قبول نہیں کرتا اور یہ شائستگی کے بھی خلاف ہیں۔ مزید برآں یہ صحت و نظافت کے اصول کے بھی منافی ہیں۔
>
> طبّی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو کتے کو پالنے اور اس کے ساتھ خوش طبعی کرنے سے جو خطرات انسان کی صحت اور اس کی زندگی کو لاحق ہوتے ہیں ان کو معمولی خیال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ بہت سے لوگوں کو اپنی نادانی کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کتوں کے جسم پر ایسے جراثیم ہوتے ہیں جو دائمی اور لا علاج امراض کا سبب بنتے ہیں' بلکہ کتنے ہی لوگ اس مرض میں مبتلا ہو کر اپنی جان سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔

اس جُرثومہ کی شکل فیتہ کی طرح ہوتی ہے اور یہ انسان کے جسم پر پھنسی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ گو اس قسم کے جراثیم مویشیوں اور خاص طور سے سوروں کے جسم پر بھی پائے جاتے ہیں، لیکن نشوونما کی پوری صلاحیت رکھنے والے جراثیم صرف کتوں کے جسم پر ہوتے ہیں۔

یہ جراثیم گیدڑ اور بھیڑیئے کے جسم پر بھی ہوتے ہیں' لیکن بلیوں کے جسم پر شاذ ہی ہوتے ہیں۔ یہ جراثیم دوسرے فیتہ والے جراثیم سے مختلف ہوتے ہیں اور اتنے باریک ہوتے ہیں کہ دکھائی دینا مشکل ہے۔ ان کے بارے میں گزشتہ چند سالوں ہی میں کچھ معلومات ہوسکی ہیں۔"

مقالہ نگار آگے لکھتا ہے:

"یہ جراثیم انسان کے جگر میں داخل ہو جاتے اور وہاں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ اکثر پھیپھڑے' عضلات' تلی' گردہ اور سر کے اندرونی حصہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کی شکل بہت کچھ بدل جاتی ہے' یہاں تک کہ خصوصی ماہرین کے لیے بھی ان کی شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔

بہر حال اس سے جو زخم پیدا ہوتا ہے خواہ جسم کے کسی حصہ میں پیدا ہو' صحت کے لیے وہ سخت مضر ہے۔ ان جراثیم کا علاج اب تک دریافت نہیں کیا جاسکا ہے۔ ان وجوہ سے ضروری ہے کہ ہم تمام ممکنہ وسائل کے ساتھ اس لا علاج بیماری کا مقابلہ کریں اور انسان کو اس کے خطرات سے بچائیں۔

جرمن ڈاکٹر نوللر کا بیان ہے کہ کتے کے جراثیم سے انسان کے جسم پر جو زخم ابھر آتے ہیں ان کی تعداد ایک فی صد سے کسی طرح کم نہیں ہے اور بعض ممالک میں تو بارہ فی صد تک اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں...... اس مرض کا مقابلہ کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ ان جراثیم کو کتوں تک ہی رہنے دیا جائے اور انہیں پھیلنے نہ دیا جائے......

انسان اگر اپنی صحت کو محفوظ اور اپنی زندگی کو باقی رکھنا چاہتا ہے تو اسے کتوں کے

ساتھ خوش طبعی نہیں کرنی چاہیے' انہیں قریب آنے سے روکنا چاہیے' بچوں کو ان کے ساتھ گھل مل جانے سے باز رکھنا چاہیے' کتوں کو ہاتھ چاٹنے کے لیے چھوڑ نہیں دینا چاہیے اور نہ ان کو بچوں کے کھیل کود اور تفریح کے مقامات میں رہنے اور وہاں گندگی پھیلانے کا موقع دینا چاہیے۔ لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کتوں کی بڑی تعداد بچوں کی ورزش گاہوں میں پائی جاتی ہے......

اسی طرح ان کے کھانے کے برتن الگ ہونے چاہئیں۔ انسان اپنے کھانے کے لیے جو پلیٹیں وغیرہ استعمال کرتا ہے' ان کو کتوں کے آگے چاٹنے کے لیے نہ ڈال دیا جائے اور نہ ان کو بازاروں اور ہوٹلوں وغیرہ میں داخل ہونے دیا جائے۔ غرضیکہ پوری احتیاط سے کام لے کر ان کو کھانے پینے کی تمام چیزوں سے دور رکھا جائے۔"

اس بیان کو سامنے رکھئے اور غور کیجیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے کتوں کے ساتھ گھل مل جانے سے جو روکا ہے وہ کس قدر مبنی برحقیقت ہے! آپ ﷺ نے کھانے پینے کے برتنوں میں کتے کے منہ ڈالنے سے احتراز کرنے کی بھی ہدایت فرمائی ہے' نیز بلاضرورت کتا پالنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ غور کیجیے اس میں کتنی عظیم مصلحت پوشیدہ ہے!

جدید علمی وطبی تحقیقات آج ایک اُمی نبی ﷺ کی تعلیمات سے کس قدر ہم آہنگ ہو رہی ہیں! اس حقیقت کو دیکھ کر بے ساختہ ہماری زبان پر قرآن کریم کے یہ کلمات جاری ہو جاتے ہیں:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝﴾

(النجم : ٥٣/ ٣۔٤)

"وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔"

کسب اور پیشہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِىْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۝﴾ (الملك: ٦٧/ ١٥)

''وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے تابع کر رکھا ہے تا کہ تم اس کے کندھوں پر چلو اور اللہ کا رزق کھاؤ۔''

یہ ہے اسلام کا اصول۔ زمین کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لیے مسخر کیا ہے' لہٰذا اس نعمت سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس کے پہلوؤں میں اللہ کریم کے فضل کے طالب بن کر دوڑ دھوپ کرنی چاہیے۔

جو شخص کام کی قدرت رکھتا ہو، اُس کا بیٹھے رہنا حرام ہے

مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ عبادت کے لیے یکسوئی' یا اللہ عزوجل پر توکل کے نام سے طلبِ رزق سے بے پروا ہو جائے' کیونکہ آسمان سے سونے چاندی کی بارش ہونے والی نہیں نہ ہی من وسلویٰ اترنے والا ہے۔

اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ صدقات کے بھروسہ پر بیٹھ جائے' جبکہ اسے ایسے ذرائع میسر ہوں' جن کو اختیار کر کے وہ اپنے معاش کے لیے دوڑ دھوپ کر سکتا ہے نیز اپنے زیر کفالت افراد کی ضرورتیں پوری کر سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں پیغمبرِ اسلام ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ)) [1]

''صدقہ کسی غنی کے لیے جائز نہیں ہے اور نہ کسی ایسے شخص کے لیے جو توانا اور

---

[1] ابوداود' کتاب الزکوٰۃ: باب من یعطی من الصدقة' ح:١٦٣٤۔ ترمذی: کتاب الزکوٰۃ: باب ماجاء من لاتحل ٦ له الصدقة' ح: ٦٥٢۔

تندرست ہو۔"

نبی کریم ﷺ نے اس بات کی سخت مذمت فرمائی اور اسے حرام ٹھہرایا ہے کہ ایک مسلمان لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے، جس کے نتیجہ میں اس کے چہرہ کی رونق غائب ہو جائے اور اپنی انسانیت وشرافت کو بلاضرورت مجروح کر کے رکھ دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((اَلَّذِیْ یَسْأَلُ مِنْ غَیْرِ حَاجَةٍ كَمَثَلِ الَّذِیْ یَلْتَقِطُ الْجَمَرَ)) ❶

"جو شخص بلاضرورت مانگتا ہے وہ گویا اپنے ہاتھ میں انگارے چنتا ہے۔"

اور فرمایا:

((مَنْ سَأَلَ النَّاسَ یَثْرِیْ بِهٖ مَالَهٗ كَانَ خُمُوْشًا فِیْ وَجْهِهٖ اِلَی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَ رَضْفًا یَاكُلُهٗ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَاءَ فَلْیُقَلِّلْ وَمَنْ شَاءَ فَلْیُكْثِرْ)) ❷

"جس نے لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کیا تا کہ وہ مالدار ہو جائے، وہ اپنے چہرہ کو قیامت تک کے لیے مجروح کر دیتا ہے اور جہنم کے گرم پتھر کھائے گا۔ اب جو شخص چاہے اپنے لیے یہ چیزیں زیادہ مقدار میں فراہم کرے یا کم مقدار میں۔"

نیز فرمایا:

((لَا تَزَالُ الْمَسْأَلَةُ بِاَحَدِكُمْ حَتّٰی یَلْقَی اللّٰهَ وَلَیْسَتْ فِیْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ)) ❸

"جو شخص اپنے کو مانگنے کا عادی بنا لے وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس

---

❶ بیهقی فی شعب الایمان (۳/ ۲۷۱' ح/ ۳۵۱۷) واللفظ له و مسند احمد (٤/ ١٦٥) صحیح ابن خزیمة (۲٤٤٦) شرح معانی الآثار (۱/ ۳۰٦)

❷ ترمذی' کتاب الزکاة: باب ماجاء من لا تحل له الصدقة' ح: ٦٥٣ .

❸ بخاری' کتاب الزکوٰة: باب من سأل الناس تکثرا' ح: ١٤٧٤ ، مسلم' کتاب الزکوٰة: باب کراهة المسألة للناس' ح: ١٠٤٠

کے چہرہ پر گوشت کی کوئی بوٹی نہ ہوگی۔"

اس انجامِ بد سے بچانے کے لیے نبی ﷺ نے مسلمان کی عزت کا تحفظ فرمایا ہے اور اس کے اندر استعفاف' خود اعتمادی اور مانگنے سے احتراز جیسے اوصاف کی پرورش کا سامان کیا ہے۔

سوال کرنا کب جائز ہے

لیکن رسول اللہ ﷺ لوگوں کی مجبوریوں اور ضرورتوں کا پورا پورا لحاظ فرماتے تھے۔ اگر کوئی شخص سوال کرنے اور حکومت یا افرادِ سماج سے اعانت طلب کرنے کے لیے مجبور ہو جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِنَّمَا الْمَسَائِلُ كُدُوْحٌ يَكْدَحُ الرَّجُلُ بِهَا وَجْهَهُ' فَمَنْ شَاءَ اَبْقٰى عَلٰى وَجْهِهٖ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَ اِلَّا اَنْ يَسْاَلَ ذَا سُلْطَانٍ اَوْفِىْ اَمْرٍ لَا يَجِدُ مِنْهُ بُدًّا)) ❶

"سوال کرنا خراش کے ہم معنی ہے۔ جو شخص سوال کرتا ہے وہ اپنے چہرہ کو نوچتا ہے۔ لہٰذا جو شخص چاہے سوال نہ کر کے اپنے چہرہ کو صحیح حالت میں رکھے اور چاہے تو سوال کر کے اپنے چہرے کو کھرچ لے۔ البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ کسی صاحبِ اقتدار سے مانگنا پڑے یا کسی ایسے معاملہ میں سوال کرنا پڑے جو بالکل ناگزیر ہو۔"

ابو بشیر قبیصہ بن المخارق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((تَحَمَّلْتُ حَمَالَةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَسْاَلُهٗ فِيْهَا فَقَالَ: اَقِمْ حَتّٰى تَاْتِيَنَا الصَّدَقَةُ فَنَاْمُرَ لَكَ بِهَا ثُمَّ قَالَ: يَاقَبِيْصَةُ اِنَّ الْمَسَائِلَ لَا تَحِلُّ اِلَّا لِاَحَدِ ثَلَاثَةٍ' رَجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْاَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ' وَرَجُلٌ اَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اِجْتَاحَتْ مَالَهٗ

❶ ابوداود' كتاب الزكوٰة' باب ماتجوز فيه المسألة' ح: ١٦٣٩۔ ترمذی' كتاب الزكوٰة: باب ماجاء في النهي عن المسألة' ح: ٦٨١۔ نسائی: كتاب الزكوٰة: باب مسألة الرجل ذا سلطان' : ٢٦٠٠۔

فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَ قَوَامًا مِنْ عَيْشٍ، فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَةِ يَا قَبِيْصَةُ سُحْتٌ يَأْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا)) ❶

میں نے ایک معاملہ میں ضمانت (کسی کا ضامن بن گیا) کی ذمہ داری قبول کر لی تھی، اس لیے میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھہرو! صدقہ کا مال آ جائے گا تو ہم تمہیں دلوا دیں گے۔'' پھر فرمایا: ''اے قبیصہ! سوال کرنا جائز نہیں بجز تین اشخاص کے۔ ایک وہ شخص جو کسی کے لیے ضمانت کی ذمہ داری قبول کر لے۔ ایسے شخص کے لیے سوال کرنا جائز ہے جب تک کہ اسے مطلوبہ مال حاصل نہ ہو جائے۔ اس کے بعد اسے رک جانا چاہیے دوسرا وہ شخص جس کا مال کسی مصیبت یا حادثہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے تباہ ہو جائے۔ ایسے شخص کے لیے سوال کرنا جائز ہے جب تک کہ اسے گزر بسر کی چیزیں حاصل نہ ہو جائیں، اور تیسرا وہ شخص جو فاقہ میں مبتلا ہو یہاں تک کہ اس کے محلّے کے تین سمجھ دار لوگ یہ کہہ دیں کہ فلاں شخص فاقہ زدہ ہے۔ ایسی صورت میں اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے جب تک کہ گزر بسر کی چیزیں اسے فراہم نہ ہو جائیں۔ ان کے ماسوا جو شخص سوال کرتا ہے تو یہ حرام کا مال ہے جسے وہ کھاتا ہے۔''

کام کرنا، باعثِ عزت ہے

بعض لوگ کچھ کاموں کو معیوب خیال کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اس کو غلط قرار دیا ہے اور اپنے اصحاب کو اس بات کی تعلیم دی ہے کہ عزت اور کامل عزت صرف کام کرنے میں ہے، خواہ وہ کوئی سا کام ہو، اور ذلت و خست لوگوں کی اعانت پر تکیہ کرنے میں ہے۔ فرمایا ہے:

((لَأَنْ يَأْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهُ فَيَأْتِيَ حُزْمَةَ حَطَبٍ عَلٰى ظَهْرِهِ فَيَبِيْعَهَا فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهُ خَيْرٌ مِنْ اَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَوْ مَنَعُوْهُ)) ❷

❶ مسلم، کتاب الزکوٰۃ: باب من تحل له المسألة، ح: ١٠٤٤ ابو داود، حوالہ سابق، ح: ١٦٤٠۔

❷ بخاری، کتاب الزکوٰۃ: باب الاستعفاف عن المسألة، ح: ١٤٧٠۔ ١٤٧١، مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب کراهة المسألة للناس، ح/ ١٠٧/ ١٠٤٢۔

''کسی شخص کا رسی لے کر جانا اور لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر لانا اور اسے بیچ دینا کہ اللہ اس کے ذریعہ اس کی آبرو کو بچالے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے مانگتا پھرے اور پھر لوگ اسے دیں یا نہ دیں۔''

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ روزی کمائے خواہ زراعت' تجارت' صنعت' ملازمت کسی بھی ذریعہ سے ہو' بشرطیکہ وہ ذریعہ حرام نہ ہو اور نہ اس سے حرام کی معاونت ہوتی ہو اور نہ ہی وہ حرام سے ملوث ہو۔

زراعت کے ذریعہ روزی کمانا

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انسان پر اپنے فضل و احسان کا ذکر فرماتے ہوئے وہ اصولی باتیں بیان فرمائی ہیں جو زراعت کے قیام کے لیے ضروری ہیں۔

زمین کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بنایا ہے کہ وہ اگانے اور پیدا کرنے کی خدمت انجام دیتی ہے۔ اور اسے فرش بنا دیا ہے جو مخلوق کے لیے ایک نعمت بھی ہے۔ اس نعمت کو یاد رکھنا اور اس کی قدر کرنا نہایت ضروری ہے۔

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ۝١٩ لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝٢٠﴾

(نوح: ۱۷/ ۱۹۔۲۰)

''اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا تاکہ تم اس کے کھلے راستوں پر چلو۔''

﴿وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۝١٠ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۝١١ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝١٢﴾ (الرحمٰن: ۵۵/ ۱۰ تا ۱۳)

''اور زمین کو اس نے مخلوقات کے لیے بنایا۔ اس میں پھل ہیں' کھجور کے درخت ہیں غلاف والے' غلہ ہے بھوسہ والا۔ اور پھول ہیں خوشبو دار۔ پھر تم اپنے رب کی قدرت کے کن کن کرشموں کا انکار کرو گے؟''

اور پانی کو اللہ تعالیٰ نے بارش کی صورت میں اتارا اور اس کی نہریں جاری کیں۔ اس سے وہ مردہ زمینوں کو زندگی بخشتا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ﴾ (الانعام: ٦/ ٩٩)

''وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا' پھر ہم نے اس کے ذریعہ ہر قسم کی نباتات اُگائیں' پھر اس سے سرسبز شاخیں پیدا کیں، جن سے ہم تہ بر تہ دانے نکالتے ہیں۔''

اور ہواؤں کو اللہ تعالیٰ خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجتا ہے جس سے بادل چلنے لگتے ہیں اور نباتات بار آور ہوتی ہیں:

﴿وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَ مَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَ اَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَ مَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝﴾ (الحجر: ١٥/ ١٩تا٢٢)

''اور زمین کو ہم نے بچھایا۔ اور اس میں پہاڑ رکھ دیئے۔ اور اس میں ہر قسم کی چیز تناسب کے ساتھ اُگائی' اور تمہاری معیشت کا سامان بھی رکھا' اور ان کی معیشت کا بھی جن کو تم رزق نہیں دیتے۔ ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس موجود ہیں اور اسے ہم مقررہ اندازہ کے ساتھ ہی اُتارتے ہیں۔ اور ہواؤں کو ہم بار آور بنا کر بھیجتے ہیں پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں اور تم کو اس سے سیراب کرتے ہیں' ورنہ تم اس کے ذخیرہ کو جمع نہیں کر سکتے تھے۔''

ان تمام آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زراعت کی نعمت اور اس کے سہل الحصول ذرائع کی طرف انسان کو متوجہ فرمایا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اَوْيَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ وَلَا اِنْسَانٌ اِلَّا كَانَ لَهٗ بِهٖ صَدَقَةٌ)) ❶

❶ بخاری، کتاب الحرث، باب فضل الزرع والفرس، ح: ۲۳۲۰، مسلم، کتاب المساقاة، باب فضل الغرس والزرع، ح: ۱۵۵۳.

''جو مسلمان بھی پودا لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس میں پرندے یا انسان جو کچھ کھا لیتے ہیں، وہ اس کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے۔''

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ثواب جاری رہتا ہے جب تک کہ پودا یا کھیتی سے کھانے وغیرہ کا فائدہ اُٹھایا جاتا رہے' اگرچہ پودا لگانے والا یا کھیتی کرنے والا مر چکا ہو یا اس کی ملکیت دوسرے کی طرف منتقل ہوگئی ہو۔

علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی فیاضی سے یہ بعید نہیں کہ وہ ایسے شخص کو اس کے مرنے کے بعد بھی ثواب سے نوازتا رہے، جس طرح اس کی زندگی میں نوازتا رہا ہے' یعنی چھ باتوں کے سلسلہ میں۔ ایک صدقہ' جاریہ' دوسرے وہ علم جس سے فائدہ اُٹھایا جائے' تیسرے نیک اولاد جو اپنے والد کے لیے دعا کرے' چوتھے پودا' پانچویں کھیتی اور چھٹے پاسبانی یعنی دشمنوں کے مقابلہ میں سرحد وغیرہ کی حفاظت کرنا۔

روایت ہے کہ ایک شخص کا سیّدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر ہوا جبکہ وہ اخروٹ کا پودا لگا رہے تھے۔ اس شخص نے کہا: ''آپ بڑھاپے میں اخروٹ کا پودا لگا رہے ہیں! اس کو پھل لانے میں تو کئی سال لگ جاتے ہیں''...... ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس میں کیا حرج ہے کہ میں اجر کماؤں اور دوسرے اسے کھائیں؟'' [1]

اور ایک صحابی سے روایت ہے کہ میں نے اپنے دونوں کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ نَصَبَ شَجَرَةً فَصَبَرَ عَلٰى حِفْظِهَا وَالْقِيَامِ عَلَيْهَا حَتّٰى تُثْمِرَ فَإِنَّ لَهُ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ يُصَابُ مِنْ ثَمَرِهَا صَدَقَةٌ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ)) [2]

''جس نے درخت لگایا پھر اس کی حفاظت اور نگرانی کرتا رہا' یہاں تک کہ وہ درخت پھل لے آیا تو اس کے پھلوں کا جو نقصان بھی ہوگا اس کا اجر اللہ عزوجل

[1] مسند احمد (٦/ ٤٤٤).

[2] مسند احمد (٤/ ٦١ـ ٥/ ٣٧٤) (واسناده ضعيف).

کے پاس اسے ملے گا۔"

ان احادیث سے اور اس قسم کی دوسری احادیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ زراعت کمانے کے دیگر ذرائع سے بہتر ہے۔ لیکن دوسرے علماء کہتے ہیں کہ صنعت اور دستکاری افضل ہے اور کچھ علماء تجارت کو افضل بتاتے ہیں۔

بعض محققین کہتے ہیں کہ مختلف حالات میں مختلف چیزیں افضل ہو سکتی ہیں۔ مثلاً جب غذا کی ضرورت شدید ہو تو زراعت افضل ہوگی' کیونکہ اس کا فائدہ عام ہے۔ اور جب ڈاکہ زنی وغیرہ کی وجہ سے منڈیوں میں مال کم آ رہا ہو تو تجارت افضل ہوگی۔ اور جب مصنوعات کی ضرورت ہو تو صنعت افضل ہوگی۔ (ملاحظہ ہو: شرح القسطلانی علی البخاری)

اخیر میں جو تفصیل بیان کی گئی اس سے موجودہ اقتصادی علم' ہم آہنگ ہے۔

حرام کاشت کاری

ہر وہ نباتات جس کو نوش کرنا اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے' یا جس کا استعمال مضر ہے، اس کی کاشت کرنا بھی حرام ہے' مثلاً: گانجا وغیرہ

اور تمباکو کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر ہمارے نزدیک تمباکو نوشی حرام ہے۔ اور راجح قول یہی ہے۔ تو اس کی کاشت کرنا بھی حرام ہوگا۔ اور اگر ہمارے نزدیک وہ مکروہ ہے تو اس کی کاشت کرنا بھی مکروہ ہوگا۔

کسی مسلمان کاشتکار کے لیے روا نہیں کہ وہ حرام چیز کی کاشت اس لیے کرے کہ آخر کار اسے غیر مسلموں کے ہاتھ فروخت کر دینا ہے۔ مسلمان حرام چیز کی کبھی ترویج نہیں کرتا' چنانچہ اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ سوروں کی پرورش کرے تاکہ ان کو نصاریٰ کے ہاتھ بیچ دے۔ اور اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسلام نے حلال انگور بھی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا حرام ٹھہرایا ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس سے شراب بنائے گا۔

صنعت و حرفت

اسلام نے زراعت کی ترغیب بھی دی ہے اور اس کی خوبیاں بھی بیان کر دی ہیں، نیز اس خدمت کو باعثِ ثواب بھی قرار دیا ہے' لیکن اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کی

سرگرمیاں صرف زراعت کے لیے وقف ہو کر رہ جائیں' جس طرح سیپی کا کیڑا سیپی کے اندر رہ جاتا ہے۔ اسلام نے اپنے پیروؤں کے لیے صرف کاشتکاری پر اکتفاء کرنا اور بیلوں کی دُم کے پیچھے پیچھے چلتے رہنا ناپسند کیا ہے' کیونکہ ایسی صورت میں ملت پیش آمدہ خطرات کا مقابلہ نہیں کر سکے گی' اس لیے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے اسے باعثِ ذلت قرار دیا اور زمانہ نے اس کی پوری طرح تصدیق کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا تَبَایَعْتُمْ بِالْعِینَۃِ وَاَخَذْتُمْ اَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِیتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَکْتُمُ الْجِھَادَ سَلَّطَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ ذُلًّا لَا یَنْزِعُہٗ عَنْکُمْ حَتّٰی تَرْجِعُوْا اِلٰی دِیْنِکُمْ)) ❶

''جب تم عینہ کی بیع کرنے لگو گے (ایک خاص قسم کی بیع جس میں سود کی شکل پیدا ہو جاتی ہے) اور بیلوں کی دُم پکڑے رہو گے' زراعت کو پسند کرو گے اور جہاد کو ترک کرو گے تو اللہ تم پر ذلت مسلط فرمائے گا' پھر اسے دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ''۔

لہٰذا زراعت کے ساتھ ساتھ صنعت و حرفت اور جہاد کی تیاری بھی ضروری ہے۔

ان چیزوں کے ذریعہ خوشگوار زندگی کی ضرورتیں اور ایک آزاد اور طاقتور اُمت نیز ایک مستحکم اور خود کفیل حکومت کے لوازمات پورے ہو سکتے ہیں۔ صنعت و حرفت اسلام کی رُو سے ایک جائز خدمت ہی نہیں ہے' بلکہ جیسا کہ علماء اور ائمہ نے کہا ہے' فرض کفایہ ہے۔ اس مفہوم میں کہ اسلامی جماعت کے اندر صنعت و حرفت اور ہر فن کو جاننے والے اتنی وافر تعداد میں رجال کار ہونے چاہئیں کہ اسلامی حکومت کی ضرورتیں پوری ہو جائیں اور وہ اپنا کام ٹھیک طریقہ سے انجام دے سکے۔ اگر صنعت و فن کے کسی گوشہ میں اس طرح کمی واقع ہو جاتی ہے کہ اس خدمت کو انجام دینے والا کوئی شخص بھی نہیں ملتا تو پوری جماعت گنہگار ہو جاتی ہے اور خاص طور سے اولوالامر اور اہلِ حل و عقد۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

❶ ابو داود' کتاب البیوع' باب فی النھی عن العینۃ' ح: ٣٤٦٢۔

''فرض کفایہ ہر وہ علم ہے جس سے انسان دنیوی معاملات میں بے نیاز نہیں ہوسکتا' جیسے طب کہ بقائے جسم کے لیے ضروری ہے۔ اور حساب کہ معاملات اور وصیت و میراث کی تقسیم وغیرہ کے لیے ضروری ہے۔ اور یہ ایسے علوم ہیں کہ اگر کوئی شہر ان کے جاننے والوں سے خالی ہو جائے تو لوگ تکلیف میں پڑیں گے۔ اور جب کوئی شخص ان کاموں میں لگ جاتا ہے تو دوسروں پر سے ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہماری رائے میں اس بات پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ طب اور حساب فرض کفایہ ہیں اور بنیادی نوعیت کے کام اور صنعتیں بھی فرض کفایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مثلاً: زمین جوتنا' کپڑے بننا' جانوروں کی دیکھ بھال کرنا، بلکہ پچھنے لگانا اور سلائی کا کام کرنا بھی۔ اگر کوئی شہر پچھنے لگانے والوں سے خالی ہو جائے تو ہلاکت تیزی کے ساتھ لوگوں کی طرف بڑھے گی' کیونکہ جس نے بیماری پیدا کی ہے اس نے دواء بھی پیدا کی ہے اور اس کے استعمال کی طرف رہنمائی بھی کی ہے' نیز اس کی فراہمی کے اسباب بھی مہیا کیے ہیں' لہٰذا ان کو ترک کر کے اپنے کو ہلاکت کے لیے پیش کرنا جائز نہیں ہوسکتا۔''

قرآن نے کتنی ہی صنعتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کا ذکر نعمت کی حیثیت سے کیا ہے۔ مثلاً سیّدنا داود علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۙ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِي السَّرْدِ﴾

(السباء: ۳۴/ ۱۰۔۱۱)

''ہم نے لوہے کو ان کے لیے نرم کر دیا کہ زرہیں بناؤ اور ان کی کڑیاں ٹھیک اندازہ سے جوڑو۔''

﴿وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝﴾ (الانبياء: ۲۱/ ۸۰)

''اور ہم نے انہیں تمہارے لیے زرہ بنانے کی صنعت سکھا دی تھی' تا کہ لڑائی میں تمہارا بچاؤ کرے۔ پھر کیا تم شکر گزار ہو؟''

اور سیّدنا سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَ مَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ﴾ (السباء : ٣٤/ ١٢_١٣)

''اور ہم نے ان کے لیے تانبہ کا چشمہ بہادیا۔ اور ایسے جن ان کے تابع کیے جو اپنے رب کے حکم سے ان کے سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو ہمارے حکم سے سرتابی کرتا ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب چکھاتے۔ وہ ان کے (سلیمان کے) لیے بناتے جو انہیں منظور ہوتا' اونچی عمارتیں' مجسّمے' بڑے بڑے حوض (جیسے لگن) اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنے والی بھاری دیگیں' اے آلِ داود شاکرانہ طریقہ پر عمل کرو۔''

اسی طرح قرآن نے ذُوالقرنین کے لوہے کی بلند و بالا دیوار تعمیر کرنے اور سیّدنا نوح علیہ السلام کے کشتی بنانے کا ذکر فرمایا ہے، اور اس کے علاوہ بہت سی سورتوں میں شکار کی مختلف قسموں کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً: مچھلی کا شکار' آبی جانوروں کا شکار اور خشکی کے جانوروں کا شکار۔ نیز موتی اور مرجان وغیرہ نکالنے کے لیے غوطہ لگانا۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن نے لوہے کی صحیح قدر و قیمت بتا دی جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی' نہ کسی دینی کتاب میں اور نہ دُنیوی کتاب میں۔ فرمایا:

﴿وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ (الحدید : ٥٧/ ٢٥)

''اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت قوت ہے اور لوگوں کے لیے منافع بھی ہیں۔''

جس ہنر یا پیشہ سے معاشرہ کی ضرورت پوری ہوتی ہو' یا اس سے حقیقی فائدہ پہنچتا ہو وہ عمل صالح ہے' جبکہ اس کو اختیار کرنے والا خلوص اور ہنرمندی کے ساتھ اس کو انجام دے جیسا کہ اسلام نے حکم دیا ہے۔

اسلام نے ایسے کتنے پیشوں کو معزز بنایا جو لوگوں کی نظروں میں حقیر تھے' مثال کے طور

پر بکریاں چرانے والے کو لوگ عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے لیکن نبی ﷺ فرماتے:

((مَابَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا رَعَى الْغَنَمَ' قَالُوْا وَاَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ نَعَمْ كُنْتُ اَرْعٰهَا عَلٰى قَرَارِيْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ)) ❶

''اللہ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔'' صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے بھی فرمایا: ''میں مکہ والوں کی بکریاں اُجرت پر چرایا کرتا تھا۔''

محمد ﷺ جو اللہ کے رسول اور خاتم النّبیین ہیں' بکریاں چرایا کرتے تھے! اور پھر اکثر آپ ﷺ کی اپنی بکریاں نہیں ہوتی تھیں بلکہ مقررہ اُجرت پر اہلِ مکہ کی بکریاں چراتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے پیروؤں کو یہ قصہ سنایا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ عزت و افتخار کام کرنے والوں کے لیے ہے' نہ کہ عیش پرستوں اور بے کاروں کے لیے۔

قرآن نے ہمیں سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنایا ہے کہ آپ نے ایک بوڑھے بزرگ کے پاس اُجرت پر کام کیا تھا۔ اس بزرگ نے آٹھ سال تک خدمت کرنے کی شرط پر اپنے ہاں رکھ لیا تھا' جس کا معاوضہ یہ طے ہوا تھا کہ وہ اپنی ایک لڑکی کا نکاح آپ سے کر دیں گے۔ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام بڑے اچھے خادم اور اجیر ثابت ہوئے اور اس بزرگ کی لڑکی کی فراست صحیح ثابت ہوئی:

﴿قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ﴾ (القصص: ٢٨/ ٢٦)

''ان دو میں سے ایک لڑکی نے کہا: ابا جان! انہیں ملازم رکھ لیجئے' بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے' جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی۔''

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ سیّدنا داود علیہ السلام زرہ بناتے تھے' سیّدنا آدم علیہ السلام کاشتکاری کرتے تھے' سیّدنا نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے' سیدنا ادریس علیہ السلام سلائی کا کام کرتے تھے اور سیّدنا موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرانے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ ❷

---

❶ بخاری' کتاب الاجارۃ: باب رعی الغنم علی قراریط' ح: ۲۲۶۲۔

❷ مستدرك حاكم (٢/ ٥٩٦)(واسناده موضوع لاجل عبد المنعم فقد كذبه احمد وغيره).

لہٰذا مسلمان کو اپنے پیشہ پر خوش ہونا چاہیے' کیونکہ ہر نبی کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کرتا رہا ہے اور صحیح حدیث میں ہے:

((مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ اَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ وَاِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ)) ❶

''جس نے اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھایا اس سے بہتر کسی کا کھانا نہیں ہے اور اللہ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھاتے تھے۔''

ممنوع کام اور پیشے

البتہ کچھ کام اور پیشے ایسے ہیں جن کو اختیار کرنا اسلام نے اپنے پیروؤں کے لیے حرام ٹھہرایا ہے۔ ان کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ معاشرہ کے عقیدۂ اخلاق' عزت اور تہذیبی اقدار کے لیے یہ چیزیں سخت مضر ہیں۔

قحبہ گری

مثال کے طور پر زنا کاری کو اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے' لیکن اکثر مغربی ممالک نے اس پیشہ کو جائز کر دیا ہے۔ اور وہ اس کی اجازت بلکہ باقاعدہ لائسنس دیتے ہیں' اور طوائف کے پیشہ کو بھی دیگر پیشوں کی طرح ایک پیشہ قرار دے کر ان کو حقوق عطا کرتے ہیں' جبکہ اسلام نے اس پیشہ کی جڑ پر تیشہ چلایا ہے اور کسی آزاد عورت یا لونڈی کے لیے یہ جائز نہیں رکھا کہ وہ جسم فروشی کو کمانے کا ذریعہ بنا لے۔ بعض اہل جاہلیت لونڈیوں پر یومیہ ٹیکس عائد کرتے تھے۔ یہ ٹیکس انہیں اپنے مالکوں کو ادا کرنا پڑتا تھا خواہ کسی طریقہ سے کما کر لائیں اور اس کی ادائیگی کے لیے کتنی ہی لونڈیاں زنا کا پیشہ اختیار کرتی تھیں۔ اور بعض اہل جاہلیت ان کو اس کام کے لیے بالکل مجبور کر دیتے تھے تاکہ دنیا کا حقیر فائدہ اور گھٹیا اور ناپاک کمائی حاصل کریں۔ جب اسلام آیا تو اس نے اپنے فرزندوں اور اپنی دختروں کو اس پستی سے نکالا اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (النور: ٢٤/ ٣٣)

''اپنی لونڈیوں کو قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہوں' محض

❶ بخاری' کتاب البیوع: باب کسب الرجل وعملہ بیدہ' ح:٢٠٧٢۔

اس لیے کہ دنیوی فائدہ تم کو حاصل ہو جائے؟''

اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن اُبیّ (رئیس المنافقین) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ اس کی لونڈی بھی تھی جو بہت زیادہ خوبصورت تھی اور جس کا نام معاذہ تھا۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ لونڈی فلاں یتیموں کی ہے۔ کیا آپ ﷺ اسے زنا کی اجازت دیں گے تاکہ اس کا نفع ان یتیموں کو ملے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں۔'' ❶ ❷

اس طرح نبی ﷺ نے اس گندے پیشہ کی بالکل ممانعت کر دی' خواہ اس کی کمائی سے کسی مجبور کو فائدہ پہنچتا ہو اور خواہ کیسی ہی ضرورت اور کتنا ہی اچھا مقصد کیوں نہ پیش کیا جائے' تاکہ اسلامی معاشرہ اس قسم کی خبیث اور مہلک باتوں سے پاک رہے۔

رقص اور جنسی جنون

اسی طرح اسلام رقص کے پیشہ کا بھی قائل نہیں ہے' جو صنفی جذبات کو ابھارتا ہے اور نہ کسی ایسی چیز کا قائل ہے جو طبیعت میں جنسی ہیجان پیدا کرتی ہے' مثلاً: فحش گانے' حیا سوز ایکٹنگ اور اس قسم کے دوسرے بے ہودہ کام۔ اگرچہ لوگوں نے اس قسم کی چیزوں کا نام ''فن'' رکھا ہے اور اس کو ''ترقی'' میں شمار کرتے ہیں لیکن الفاظ کا یہ نہایت گمراہ کن استعمال ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے نکاح کے علاوہ ہر قسم کے جنسی تعلق کو حرام قرار دیا ہے اور ہر اس قول و عمل کو جو ناجائز تعلقات کا دروازہ کھول دے، حرام ٹھہرایا ہے۔ قرآن نے زنا کی حرمت بیان کرنے کے لیے جو معجزانہ اسلوب اختیار کیا ہے اس میں یہی راز مضمر ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ؀﴾ (الاسراء: ۱۷/ ۳۲)

''زنا کے قریب نہ پھٹکو وہ بے حیائی کا فعل اور بہت برا راستہ ہے۔''

یعنی زنا کی ممانعت پر اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ اس کے قریب جانے کی بھی ممانعت

---

❶ هذا منكر و اخرجه مسلم في كتاب التفسير' باب في قوله تعالىٰ (ولا تكرهوا فتياتكم......) ح: ۳۰۲۹ بلفظ اخر' وللتفصيل انظر تفسير الدرّ المنثور ـ (۵/ ۴۶ـ۴۷) .

❷ تفسير رازی ـ ج۲۳' ص۲۲۰ .

فرمائی۔ اوپر ہم نے جو باتیں بیان کیں نیز جن باتوں کو لوگ جذبات انگیز سمجھتے ہیں' وہ سب اس بے حیائی سے قریب کرنے والی باتیں ہیں بلکہ اس پر آمادہ کرنے والی اور اس کی ترغیب دینے والی ہیں۔ تو یہ کتنے برے کام ہیں جو لوگ کرتے ہیں!

مجسّموں اور صلیب وغیرہ کی صنعت

اسلام میں مجسّمے حرام ہیں' جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور مجسمہ سازی کی حُرمت اور زیادہ شدید ہے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ سعید بن ابی الحسن کہتے ہیں:

((كُنْتُ عِنْدَ ابْنَ عَبَّاسٍ اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ اِنِّي رَجُلٌ اِنَّمَا مَعِيْشَتِي مِنْ صَنْعَةِ يَدِيْ وَاِنِّي اَصْنَعُ هٰذِهِ التَّصَاوِيْرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ' لاَ اُحَدِّثُكَ اِلَّا مَاسَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فَاِنَّ اللّٰهَ يُعَذِّبُهُ حَتّٰى يَنْفُخَ فِيْهَا الرُّوْحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيْهَا اَبَدًا۔ فَرَبَا الرَّجُلُ رَبْوَةً شَدِيْدَةً' فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسَ' وَيْحَكَ اِنْ اَبَيْتَ اِلَّا اَنْ تَصْنَعَ فَعَلَيْكَ بِهٰذَا الشَّجَرِ وَكُلِّ شَيْءٍ لَيْسَ فِيْهِ رُوْحٌ)) ❶

میں سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا: ''اے ابن عباس رضی اللہ عنہما! میرا ذریعہ معاش کاریگری ہے اور میں اس قسم کی تصویریں بناتا ہوں۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا ہے وہی تمہیں سناؤں گا۔'' میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''جو تصویر بنائے گا اسے اللہ تعالیٰ عذاب دیتا رہے گا حتی کہ وہ اس میں روح پھونک دے لیکن وہ کبھی اس میں روح پھونک نہ سکے گا۔'' یہ سن کر اس شخص کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا: ''اگر تم تصویر بنانا ہی چاہتے ہو تو پھر درخت وغیرہ یا غیر ذی روح کی تصویریں بناؤ۔''

❶ بخاري' كتاب البيوع: باب بيع التصاوير التي ليس فيها روح' ح: ٢٢٢٥۔ مسلم' كتاب اللباس: باب تحريم تصوير صورة الحيوان' ح/ ٢١١٠۔

یہی حکم بت' صلیب اور ان جیسی دوسری چیزوں کا ہے۔

رہی فوٹو گرافی کی تصویریں تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ شریعت کی رُوح سے قریب تر بات یہ ہے کہ یہ جائز ہیں' یا زیادہ سے زیادہ انہیں مکروہ کہا جا سکتا ہے' بشرطیکہ وہ فی نفسہٖ حرام مقصد کے لیے نہ ہوں' مثلاً عورتوں کے ان اعضاء کو نمایاں کرنا جن سے فتنہ کا احتمال ہو یا ایسی تصویر جس میں مرد کو عورت سے بوس و کنار کرتے ہوئے دکھایا گیا ہو' نیز ایسی تصویریں جن کی تعظیم و تقدیس کی جاتی ہے' جیسے ملائکہ' انبیاء وغیرہ کی تصویریں۔

نشہ آور اور مخدرّ عقل اشیاء کی صنعت

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام نے شراب کی ترویج میں کسی بھی قسم کی شرکت کو حرام ٹھہرایا ہے۔ خواہ اسے بنایا جائے' یا تقسیم کیا جائے' یا نوش کیا جائے۔ جو شخص بھی اس کا مرتکب ہو گا وہ بزبانِ رسول ﷺ ملعون ہے۔

حشیش اور افیون جیسی مخدرِ عقل چیزوں کی حُرمت بھی نشہ آور چیزوں ہی کی طرح ہے۔ ان چیزوں کا لین دین' ان کی تقسیم اور ان کی صنعت سب ہی حرام ہیں۔ اسی طرح اسلام اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ مسلمان کوئی ایسی صنعت یا پیشہ اختیار کرے، جو حرمت پر مبنی ہو یا جس سے کسی حرام چیز کی ترویج ہوتی ہو۔

تجارت کے ذریعہ کمانا

اسلام نے قرآنی نصوص اور سنتِ رسول ﷺ کے ذریعہ تجارت کرنے کی پُر زور طریقہ پر دعوت دی ہے اور اس مقصد کے لیے سفر کرنے کی بھی ترغیب دی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے سے تعبیر کیا ہے' نیز تجارت کی غرض سے سفر کرنے والوں کا ذکر مجاہدین فی سبیل اللہ کے ساتھ کیا ہے:

﴿وَ اٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۖ﴾ (المزمل: ۷۴/ ۲۰)

"کچھ لوگ اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کریں گے اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں قتال کریں گے۔"

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا ہے' کہ اس نے بحری مواصلات کے ذریعہ جو بین الاقوامی تجارت کے لیے نقل وحمل کا سب سے بڑا ذریعہ ہے' لوگوں کے لیے داخلی اور خارجی تجارت کی راہیں کھول دی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی تسخیر اور جہاز رانی کے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲ ﴾

(الفاطر: ۳۵/ ۱۲)

''اور تم دیکھتے ہو کہ اس میں کشتیاں پانی کا سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہیں' تا کہ تم اس (اللہ) کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔''

اور بعض مقامات پر اس کے ساتھ ہوائیں چلانے کا بھی ذکر کیا ہے:

﴿ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۴۶ ﴾

(الروم: ۳۰/ ۴۶)

''اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو خوشخبری دینے اور تمہیں اپنی رحمت سے آشنا کرنے کے لیے بھیجتا ہے۔ اور تا کہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو (تجارت کرو) اور اس کے شکر گزار بنو۔''

اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکہ پر احسان فرما کر ان کے لیے ایسے اسباب مہیا کر دیئے کہ ان کا شہر جزیرہ عرب میں ایک ممتاز تجارتی مرکز بن گیا اور سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کہ ''ان کو پھلوں سے رزق دے'' ان کے حق میں سچی ثابت ہوئی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قریش پر احسان فرما کر ان کے لیے موسم سرما اور موسم گرما کے تجارتی سفر آسان کر دیئے۔

اسلام نے مسلمانوں کو بین الاقوامی سطح پر تجارتی لین دین کا موقع عطا کیا ہے چنانچہ ہر سال حج کے موسم میں یہ موقع فراہم ہوتا ہے۔ جبکہ لوگ حج کے موقع پر تجارت کرنے میں انقباض محسوس کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح طور سے فرمایا:

﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۱۹۸)

''اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم (حالتِ حج) اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔''

قرآن نے مسجد سے گہری دلچسپی رکھنے والے تاجروں کی تعریف کی ہے جو صبح شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں:

﴿ رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءِ الزَّكٰوةِ ﴾ (النور : ٢٤/ ٣٧)

''ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد اور اقامت صلوٰۃ اور ادائیگی زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی۔''

پس مؤمنین، قرآن کی نظر میں مسجدوں میں بند ہو کر رہنے والے لوگ نہیں ہیں اور نہ تکیوں کے درویش ہیں اور نہ ہی خانقاہوں کے رہبان' بلکہ وہ کام کاج کرنے والے لوگ ہیں اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ دنیوی کام انہیں دینی ذمہ داریوں سے غافل نہیں کرتے۔

تجارت کے سلسلہ میں یہ چند باتیں قرآن سے پیش کی گئیں۔ رہی سنت تو اس سے بھی ان باتوں پر روشنی پڑتی ہے' چنانچہ پیغمبرِ اسلام نے اپنے قول وعمل سے تجارت کی ترغیب دی ہے اور اس کی بنیادوں کو استوار کیا ہے۔ کس قدر حکیمانہ ہیں آپ ﷺ کے یہ ارشادات:

((اَلتَّاجِرُ الْاَمِيْنُ الصَّدُوْقُ مَعَ الشُّهَدَآءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ❶

''سچا اور دیانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء' صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔''

((اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ))❷

''سچا اور دیانت دار تاجر انبیاء' صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔''

اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ نبی ﷺ نے سچے تاجر کو مجاہد اور شہید کے برابر قرار دیا کیونکہ دُنیوی زندگی کے تجربات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں' کہ جہاد میدانِ قتال ہی میں نہیں ہوتا' بلکہ اقتصادی میدان میں بھی ہوتا ہے۔

---

❶ ابن ماجه' كتاب التجارات: باب الحث على المكاسب' ح: ٢١٣٩۔ مستدرك حاكم (٢/ ٦) (اسناده ضعيف).

❷ ترمذي' كتاب البيوع: باب ماجاء في التجار' ح: ١٢٠٩۔ مستدرك حاكم (٢/ ٦) (اسناده ضعيف).

تاجروں سے آپ ﷺ نے وعدہ فرمایا کہ وہ اللہ کے ہاں بلند درجہ پر فائز ہوں گے اور ثوابِ جزیل سے نوازے جائیں گے' کیونکہ تجارت آدمی کے اندر طمع اور کسی بھی جائز و ناجائز طریقہ سے نفع کمانے کی خواہش پیدا کرتی ہے' مال سے مال پیدا ہوتا ہے اور نفع مزید نفع حاصل کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ ایسی صورت میں جو تاجر سچائی اور دیانتداری کی حدود پر ٹھہرا رہتا ہے وہ فی الواقع مجاہد ہے، جس نے خواہشات کی جنگ جیت لی ہے' لہٰذا وہ اس لائق ہے کہ اسے مجاہد کے مقام پر فائز کیا جائے۔

تجارت کا معاملہ ایسا ہے کہ تاجر رأس المال اور نفع کا حساب جوڑتا رہتا ہے اور اسی چکر میں پھنسا رہتا ہے۔ عہدِ رسالت میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تجارتی قافلہ آتا ہے جبکہ نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے ہوتے ہیں۔ لوگ قافلہ کی آواز سن لیتے ہیں اور خطبہ چھوڑ کر اس کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر عتاب کی صورت میں یہ آیت نازل فرماتا ہے:

﴿وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآىِٕمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝﴾

(الجمعة : ٦٢/ ١١)

''اور جب وہ تجارت یا لہو چیز دیکھ لیتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ ﷺ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ کہہ دیجئے! جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ لہو اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہترین رازق دینے والا ہے۔''

لہٰذا جو شخص اس چکر میں پڑنے کے باوجود اپنے یقین کو قوی' اپنے دل کو خشیت سے معمور اور اپنی زبان کو ذکرِ الٰہی سے تر رکھے وہ یقیناً ان لوگوں کی رفاقت کے لائق ہے جن پر اللہ نے انعام فرمایا' یعنی انبیاء' صدیقین اور شہداء۔

تجارت کے معاملہ میں ہماری رہنمائی کے لیے نبی ﷺ کا یہ اُسوہ کافی ہے کہ آپ ﷺ نے جہاں رُوحانی پہلو کو پوری اہمیت کے ساتھ ملحوظ رکھا' جیسے کہ مدینہ میں تقویٰ کی اساس پر مسجد قائم کی (تاکہ وہ عبادت' علم' دعوت اور حکومت سب کا مرکز بنے۔) وہاں آپ ﷺ نے اقتصادی پہلو کا بھی پورا پورا لحاظ فرمایا۔ چنانچہ خالص اسلامی بازار قائم کر کے

یہودیوں کے تسلط کو ختم کیا۔ آپ ﷺ نے خود اس کا نظام مرتب کیا اور اس کی نگرانی بھی فرماتے رہے‘ اور ساتھ ہی اس سے متعلق تعلیمات اور ہدایات جاری فرماتے رہے۔ اس بازار کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ فریب‘ ناپ تول میں کمی‘ ذخیرہ اندوزی اور دوسروں کو زِک پہنچانے والی باتوں سے یکسر پاک تھا۔ ان تمام باتوں کے ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اصحابِ رسول ﷺ میں ماہر قسم کے تاجر‘ کاریگر‘ کاشتکار اور ہر کام اور پیشہ کو اختیار کرنے والے لوگ موجود تھے۔

رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان موجود تھے۔ آپ ﷺ پر اللہ کی طرف سے آیتیں نازل ہوتیں۔ آپ ﷺ لوگوں سے آسمانی باتیں کرتے‘ رُوح الامین صبح و شام وحی لے کر آتے اور صحابہ کرام کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ سے ایک منٹ کے لیے جدا ہونا گوارا نہ کرتے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ تمام صحابہ اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ کوئی شخص تجارتی سفر کر رہا ہے تو کوئی اپنے نخلستان میں مصروف ہے اور کوئی اپنے پیشے اور کاریگری میں مشغول ہونے کی وجہ سے رسولِ رحمت کی تعلیم کو سننے کا موقع نہیں پاتا تو وہ اپنے بھائی سے معلوم کر لیتا ہے!

انصار زیادہ تر زراعت پیشہ اور نخلستان کے مالک تھے اور مہاجرین زیادہ تر بازاروں میں کاروبار کیا کرتے تھے۔ سیّدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مہاجر کی مثال ہمارے سامنے ہے‘ ان کے دینی بھائی سیّدنا سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ انہیں اپنا نصف مال‘ اور اپنے دو مکانوں میں سے ایک مکان‘ اور اپنی دو بیویوں میں سے ایک بیوی کو طلاق دے کر ان کے نکاح میں دینے کی پیشکش کرتے ہیں‘ لیکن وہ اس عظیم ایثار کا جواب بڑی خودداری سے دیتے ہیں۔ وہ سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں‘ ”اللہ تعالیٰ تمہارے مال اور گھر والوں میں برکت دے‘ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تجارت کے لیے کوئی بازار ہے تو بتاؤ۔“ سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”ہاں‘ بنی قینقاع کا بازار ہے۔“ دوسرے روز صبح وہ پنیر اور گھی لے کر بازار جاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ اس کاروباری سلسلہ کو جاری رکھتے ہیں یہاں تک کہ کافی دولتمند ہو جاتے ہیں۔ اپنی وفات کے وقت انہوں نے کثیر مال چھوڑا۔ [1]

[1] بخاري‘ كتاب البيوع: باب ١‘ ح/ ٢٠٤٨‘ ٢٠٤٩.

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال ہے کہ برابر تجارت میں لگے رہے اور دوڑ دھوپ کرتے رہے یہاں تک کہ جس دن خلیفہ بنائے گئے اس دن بھی بازار جانے کا ارادہ کیا۔ ❶

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مثال ہے کہ اپنے بارے میں فرماتے: ''مجھے حدیث رسول ﷺ سے بازار کے سودے نے مشغول رکھا۔'' ❷

اور اس کے علاوہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ بہ کثرت صحابہ کی مثالیں ہیں۔

تجارت کے بارے میں کنیسہ کا موقف

اسلامی معاشرہ نے دین کے زیر سایہ اپنا دنیوی تجارت سفر جاری رکھا۔ یہ لوگ تجارت اور خرید وفروخت کرتے تھے لیکن یہ چیزیں انہیں ذکرِ الٰہی سے غافل نہیں کرتی تھیں۔ جبکہ قرونِ وسطیٰ کے بڑے بڑے ممالک اور مسیحی یورپ کی حکومتوں کے جمہور تجارت کے سلسلہ میں دو کے درمیان متردّد تھے۔

① ایک طرف نظریہ تخلیص تھا یعنی کاروبار اور تجارت میں سرگرمی دکھانے سے نفس کے اندر گناہوں کی جو کدورت پیدا ہو جاتی ہے، اس سے اسے پاک کیا جائے۔

② اور دوسری طرف تصور یہ تھا کہ اپنے دینی بزرگوں کی تعلیمات کے برخلاف جب لوگ تجارت اور صنعت وحرفت میں مشغول ہو جاتے ہیں تو وہ لعنت زدہ ہو کر رہ جاتے ہیں' کیونکہ یہ گناہ محض ایک برائی ہی نہیں ہے بلکہ ابدی گناہ اور ہمیشگی کی لعنت ہے جو زمین میں بھی ہے اور آسمان میں بھی اور دنیوی زندگی میں بھی ہے اور اُخروی زندگی میں بھی۔

قدیس اگیتن کہتا ہے کہ کاروبار (Business) حقیقتاً گناہ ہے' کیونکہ اس سے نفس کی توجہ حق یعنی اللہ کی طرف سے ہٹ جاتی ہے۔

❶ طبقات ابن سعد (۳/ ۱۸٤'۱۸۵۷)

❷ بخاری' کتاب البیوع: باب الخروج فی التجارۃ' ح: ۲۰٦۲۔ مسلم' کتاب السلام: باب الاستئذان' ح:۲۱۵۳۔

حرام تجارت

لیکن اسلام میں تجارت حرام نہیں ہے الا یہ کہ اس میں ظلم' فریب' نفع اندوزی اور ممنوعات کی ترویج جیسی خرابیاں شامل ہوں۔

لہٰذا شراب' مخدرات' خنزیر' بت' مجسمے وغیرہ جن سے استفادہ کرنا اسلام میں حرام ہے ان کی تجارت کرنا بھی حرام ہے اور ہر وہ کمائی جو ایسی چیزوں کے ذریعہ حاصل ہو، حرام اور خبیث ہے۔ اور جو گوشت اس حرام سے پرورش پائے، وہ آگ ہی کے لائق ہے۔

سونے اور ریشم کی تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں عورتوں کے لیے جائز ہیں اِلّا یہ کہ (ان سے بنی ہوئی) کسی ایسی چیز کا کاروبار کیا جائے جن کو صرف مرد استعمال کرتے ہوں اور جائز تجارت کی صورت میں ایک تاجر کو درج ذیل باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ اس کا حشر قیامت کے دن فاجروں کے ساتھ نہ ہو۔

❀ نبی ﷺ ایک دن نماز کے لیے نکلے۔ دیکھا کہ لوگ کاروبار میں مصروف ہیں۔ فرمایا: ''اے تاجرو!'' یہ سن کر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی پکار پر لبیک کہا اور اپنی گردنیں اٹھا کر آپ ﷺ کی طرف دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ التُّجَّارَ یُبْعَثُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فُجَّاراً اِلَّا مَنِ اتَّقَی اللّٰهَ وَبَرَّ وَصَدَقَ)) ❶

''تاجر قیامت کے دن فاجر کی صورت میں اٹھائے جائیں گے سوائے ان کے جو اللہ سے ڈرتے رہے' نیک روی اختیار کی اور سچ بولتے رہے۔''

❀ سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لایا کرتے اور فرماتے:

((یَامَعْشَرَ التُّجَّارِ' اِیَّاکُمْ وَالْکَذِبَ .)) ❷

---

❶ ترمذی' کتاب البیوع: باب ماجاء فی التجار' ح: ۱۲۱۰' ابن ماجه' کتاب التجارات: باب التوقی فی التجارة' ح: ۲۱٤٦۔ اسناده ضعیف۔

❷ طبرانی فی الکبیر (۲۲/ ٥٦) کمافی المجمع (٤/ ٧٣) (اسناده ضعیف)

"اے تاجرو! جھوٹ سے بچو۔"

لہٰذا تاجر کو جھوٹ سے بچنا چاہیے کہ جھوٹ تجارت کی آفت ہے اور وہ بدکرداری کی طرف لے جاتا ہے اور بدکرداری دوزخ میں لے جاتی ہے۔

❀ تاجر کو بہ کثرت قسمیں کھانے اور خاص طور سے جھوٹی قسمیں کھانے سے احتراز کرنا چاہیے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((ثَـلاَثَةٌ لاَ يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اَحَدُهُمُ الْمُنْفِقُ سَلْعَتَهٗ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ)) ❶

"تین اشخاص ایسے ہیں کہ اللہ قیامت کے دن ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) نہ دیکھے گا اور نہ ان کو پاک ٹھہرائے گا اور وہ دردناک عذاب کے مستحق ہوں گے۔ ان میں سے ایک شخص وہ ہوگا جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال فروخت کرتا تھا۔"

اور ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَرَّ اَعْرَابِيٌّ بِشَاةٍ فَقُلْتُ تَبِيْعُهَا بِثَلاَثَةِ دَرَاهِمَ؟ فَقَالَ لاَ وَاللّٰهِ ثُمَّ بَاعَهَا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: بَاعَ اٰخِرَتَهٗ بِدُنْيَاهُ)) ❷

ایک بدّو بکری لے کر گزر رہا تھا، میں نے اس سے پوچھا: "اس بکری کو تین درہم میں بیچو گے؟" اس نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں۔ اس کے بعد اس نے (تین درہم میں) فروخت بھی کر دی۔ میں نے جب رسول اللہ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس نے دنیا کے بدلہ اپنی آخرت بیچ دی۔"

❀ اور تاجر کو فریب دہی سے احتراز کرنا چاہیے کہ فریب دہی ملتِ اسلامیہ سے خارج کر دیتی ہے۔

---

❶ مسلم، کتاب الایمان: باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار، ح: ۱۰۶۔

❷ صحیح ابن حبان (موارد۔ ۱۰۹۹) (الاحسان: ۷/ ۲۰۵)۔

❀ ناپ تول میں کمی کرنے سے بھی احتراز کرنا چاہیے کہ ایسے لوگوں کے لیے تباہی و بربادی ہے۔

❀ ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ اللہ اور اس کا رسول اس شخص کی ذمہ داری سے دست کش نہ ہو جائیں۔

❀ سود سے بچنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے۔ حدیث میں ہے:

((دِرْهَمُ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلَاثِيْنَ زَنْيَةً)) ❶

''ایک درہم سود جانتے بوجھتے کھانا' چھتیس (۳۶) بار زنا کرنے سے زیادہ شدید ہے۔''

ان چیزوں کی تفصیل آگے معاملات کے ذیل میں آئے گی۔

ملازمت

ملازمت کے ذریعہ روزی کمانا مسلمان کے لیے جائز ہے خواہ ملازمت حکومت کے ماتحت ہو' یا کسی نجی ادارہ' یا شخص کے ماتحت' بشرطیکہ وہ متعلقہ کام کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اپنے فرائض ادا کر سکتا ہو۔ البتہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ جس کام کی اہلیت نہیں رکھتا اس کا امیدوار بن جائے' خصوصاً جبکہ وہ منصب حکومت یا عدالت سے متعلق ہو (امور عامہ سے متعلق نہ ہو)۔ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَيْلٌ لِلْأُمَرَاءِ' وَيْلٌ لِلْعُرَفَاءِ' وَيْلٌ لِلْأُمَنَاءِ' لَيَتَمَنَّيَنَّ أَقْوَامٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَنَّ ذَوَائِبَهُمْ مُعَلَّقَةٌ بِالثُّرَيَّا يُدْلَوْنَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَأَنَّهُمْ لَمْ يَلُوْا عَمَلًا.)) ❷

''تباہی ہے امراء کے لیے! تباہی ہے سربراہوں کے لیے! اور تباہی ہے خازنوں کے لیے! کتنے ہی لوگ قیامت کے دن تمنا کریں گے کہ کاش ان کی چوٹیاں

---

❶ مسند احمد (۵/ ۲۲۵).

❷ صحیح ابن حبان (موارد ۔ ۱۵۵۹) ۔(الاحسان: ۷/ ۹) ۔ مستدرك حاكم (٤/ ۹۱) مسند احمد (۲/ ۳۵۲۔۴۵۳)۔ اسناده ضعيف ولكن له شاهد عندالحاكم ۔ (٤/ ۹۱)واحمد (۲/ ۵۲۱) وسنده حسن.

ثریا سے باندھ دی جاتیں اور وہ آسمان وزمین کے درمیان لٹکا دیئے جاتے لیکن انہیں صاحب اختیار نہ بنایا جاتا!''

سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلاَ تَسْتَعْمِلُنِيْ؟ قَالَ فَضَرَبَ بِيَدِهٖ عَلٰى مَنْكَبِيْ ثُمَّ قَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ اِنَّكَ ضَعِيْفٌ وَاِنَّهَا اَمَانَةٌ وَاِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَاَدَّى الَّذِيْ عَلَيْهِ فِيْهَا)) ❶

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ مجھے (بھی) کسی منصب پر مامور نہیں فرمائیں گے؟ آپ ﷺ نے ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور فرمایا: ''ابوذر! تم کمزور ہو اور یہ منصب ایک امانت ہے اور یہ قیامت کے دن رسوائی اور ندامت کا باعث ہوگا' بجز اس کے جس نے اس کو حق کے ساتھ قبول کیا اور اس منصب کا جو حق اس پر عائد ہوتا ہے اس کو ادا کیا۔''

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَاثْنَانِ فِي النَّارِ. فَاَمَّا الَّذِيْ فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهٖ وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فَهُوَ فِي النَّارِ' وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ)) ❷

''قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک جنت میں جائے گا اور دو جہنم میں جائیں گے۔ تو جنت میں وہ قاضی جائے گا جس نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا' لیکن جس نے حق کو پہچاننے کے باوجود ظلم کیا وہ جہنم میں جائے گا اور وہ شخص بھی جہنم میں جائیگا جس نے جہالت کی بنا پر فیصلہ کیا۔''

---

❶ مسلم' کتاب الامارۃ: باب کراهة الامارة بغير ضرورة' ح: ۱۸۲۵۔

❷ ابو داود، کتاب القضاء باب فی القاضی یخطی، ح: ۳۵۷۳ ترمذی، کتاب الاحکام باب ماجاء عن رسول اللهﷺ فی القاضی، ح ۱۳۲۲، ابن ماجه کتاب الاحکام، باب الحاکم یجتهد فیصیب الحق، ح: ۲۳۱۵۔

مسلمان کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ بڑے بڑے منصبوں کا خواہشمند نہ ہو بلکہ دوسرے کاموں کے لیے کوشش کرے، اگرچہ وہ کسی منصب کی صلاحیت رکھتا ہو، کیونکہ جو شخص منصب کو رب بنا لیتا ہے منصب اس کو اپنا غلام بنا لیتا ہے اور جو زمین پر ظاہر ہونے والے نتائج ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے وہ آسمانی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ! لَا تَسْأَلِ الْاِمَارَةَ فَاِنَّكَ اِنْ اُعْطِيْتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَيْهَا وَاِنْ اُعْطِيْتَهَا مِنْ مَسْأَلَةٍ وُكِّلْتَ اِلَيْهَا)) ❶

مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عبدالرحمٰن! امارت طلب نہ کرنا، کیونکہ اگر تمہیں بغیر مانگے مل گئی تو تمہاری مدد کی جائے گی اور اگر طلب کرنے پر ملی تو تمہیں اس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ ابْتَغَى الْقَضَاءَ وَسَأَلَ فِيْهِ شُفَعَاءَ وُكِّلَ اِلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اُكْرِهَ عَلَيْهِ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ مَلَكًا لِيُمْدِدَهٗ)) ❷

''جس نے منصب قضاء طلب کیا اور اس کے لیے سفارش کرائی، اسے اسی کے حوالہ کر دیا جائے گا، اور جس کو مجبوراً منصبِ قضاء قبول کرنا پڑا اس کی مدد کے لیے اللہ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کو راہِ صواب دکھاتا ہے۔''

منصب اور عہدہ طلب کرنے کی کراہت اس صورت میں ہے جبکہ خالی جگہ پُر کرنے کے لیے دوسرے لوگ (اہل وحقدار) موجود ہوں۔ لیکن اگر خالی جگہ کو پر کرنے کے لیے کوئی

---

❶ بخاری، کتاب کفارات الایمان، باب الکفارہ قبل الحنث و بعدہ، ح: ۷۲۲۲؛ مسلم، کتاب الایمان، باب ندب من حلف یمیناً فرأی غیرها...... ح: ۱۶۵۲۔

❷ ابوداود، کتاب القضاء، باب فی طلب القضاء، ح: ۳۵۷۸، ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء عن رسول اللہ ﷺ فی القاضی، ح: ۱۳۲٤، و اسنادہ ضعیف۔

شخص (اہلیت والا) موجود نہ ہو اور وہ خود کو بھی پیش نہ کرے تو مصالح معطل ہوں گے اور مسائل الجھ جائیں گے۔ قرآن نے ہمیں سیّدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ سُنایا ہے جس میں یہ مذکورہ ہے کہ آپ نے بادشاہ سے کہا تھا:

﴿اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿٥٥﴾﴾ (یوسف: ۱۲/ ۵۵)

''ملک کے خزانوں پر مجھے مامور کر دیجیے۔ میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم رکھنے والا بھی۔''

سیاسی مناصب وغیرہ طلب کرنے کے بارے میں اسلام کی تعلیم یہی ہے۔

حرام ملازمتیں

ملازمتوں کا یہ جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس سے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچے۔ ایسی ملازمت جس سے اسلام یا مسلمانوں کو ضرر پہنچتا ہو' یا جو ظلم اور حرام کے کاموں میں معاون ہو، وہ حرام ہے' مثلاً: سودی کاروبار' شراب خانوں' رقص گاہوں (Dancing Halls) اور سینما گھروں کی ملازمتیں۔ ایسے ملازمین یہ کہہ کر گناہ سے بری نہیں ہو سکتے کہ وہ خود حرام کے مرتکب نہیں ہوتے' کیونکہ اسلام کا اصول یہ ہے کہ گناہ کے کام کی اعانت بھی گناہ ہے' چنانچہ نبی ﷺ نے سود کے کاتب اور گواہوں پر اسی طرح لعنت فرمائی جس طرح سود خوری پر لعنت فرمائی ہے۔ ❶ اور شراب نچوڑنے والے اور پلانے والے پر بھی اسی طرح لعنت فرمائی جس طرح اس کے پینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ ❷

یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ کوئی مجبور کن ضرورت درپیش نہ ہو' یعنی ایک مسلمان اپنی گذر بسر کے لیے اس قسم کا کام کرنے پر مجبور نہ ہو جائے۔ لیکن اگر واقعی اس درجہ کی مجبوری لاحق ہو جائے تو کراہت کے ساتھ بقدر ضرورت ایسی ملازمت اختیار کی جا سکتی ہے۔ ساتھ ہی دوسرے کام کی تلاش میں رہنا ضروری ہوگا' تا آنکہ اللہ عزوجل اس کے لیے کسب حلال کی راہ کھول دے۔

---

❶ مسلم، کتاب المساقاة، باب لعن آكل الربا و مؤكله، ح: ۱۵۹۸۔

❷ ابوداود' كتاب الاشربة: باب العسير للخمر' ح: ۳٦٧٤۔ ابن ماجه' كتاب الاشربة: باب لعنت الخمر على عشرة' ح: ۳۳۸۱'۳۳۷۰

مسلمان ہمیشہ شبہات کے مواقع سے احتراز کرتا ہے کیونکہ یہ دین و اعتقاد کی کمزوری کا باعث ہوتے ہیں، خواہ ان کے ذریعہ کتنا ہی قیمتی فائدہ اور کتنا ہی وافر مال حاصل ہو جائے۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((دَعْ مَایُرِیْبُكَ اِلٰى مَالاَ یُرِیْبُكَ)) ❶

''جو چیز تم کو شبہ میں ڈال دے اس کو چھوڑ دو اور اس چیز کو اختیار کرو جو شبہ پیدا کرنے والی نہیں ہے۔''

نیز فرمایا

((لَا یَبْلُغُ عَبْدٌ دَرَجَةَ الْمُتَّقِیْنَ حَتّٰى یَدَعَ مَالاَ بَأسَ بِهٖ حَذَرًا مِمَّا بِهٖ بَأسٌ)) ❷

''بندہ متقیوں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ اُن باتوں کو جن میں کوئی حرج نہیں ہے، حرج کے اندیشہ سے چھوڑ نہ دے۔''

مسائلِ کسب کے سلسلہ میں عام اصول

کمانے کے سلسلہ میں عام اصول یہ ہے کہ اسلام اپنے فرزندوں کو اس بات کی کھلی چھٹی نہیں دیتا کہ وہ جو مال چاہیں کمائیں اور جس طریقہ سے چاہیں کمائیں' بلکہ وہ اجتماعی مصالح کے پیشِ نظر کسبِ معاش کے مشروع اور غیر مشروع طریقوں میں واضح فرق بیان کرتا ہے۔ یہ فرق ایک کلیہ پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ کسب مال کے وہ تمام طریقے جن سے کچھ افراد دوسروں کو نقصان پہنچا کر فائدہ حاصل کرتے ہوں' غیر مشروع ہیں۔ اس کے برخلاف ایسے طریقے جن سے افراد باہمی رضا مندی سے عدل کے ساتھ منفعت کا تبادلہ کرتے ہوں، مشروع ہیں۔

اس اصول کی توضیح قرآن کی درج ذیل آیت سے ہوتی ہیں:

❶ مسند احمد (۱/ ۲۰۰) ۔ ترمذی' کتاب صفة القیامة: باب (٦٠)' ح/ ۲۰۱۸ . نسائی' کتاب الاشربة: باب الحث علی ترك الشبهات' ح: ٥٧١٤ .

❷ ترمذی' کتاب صفة القیامة: باب (۱۹) ح/ ۲٤٥۱ واسناده ضعیف۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا﴾

(النساء: ٤/ ٢٩-٣٠)

''اے ایمان والو! اپنے مال آپس میں باطل طریقوں سے نہ کھاؤ' مگر یہ کہ باہمی رضا مندی سے تجارت کے ذریعہ مال حاصل ہو جائے۔ اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔ اللہ تم پر بڑا مہربان ہے۔ اور جو شخص ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم جلد ہی آگ میں جھونک دیں گے۔''

اس آیت نے تجارت کو دو شرطوں کے ساتھ مشروع کیا ہے۔ ایک یہ کہ تجارت فریقین کی رضا مندی سے ہو۔ اور دوسری یہ کہ ایک فریق کا فائدہ دوسرے فریق کے نقصان پر مبنی نہ ہو۔ یہ بات ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (اپنی جانوں کو قتل نہ کرو) کے الفاظ سے واضح ہوتی ہے۔ مفسرین نے اس کے دو معنی بیان کیے ہیں اور دونوں ہی یہاں منطبق ہوتے ہیں۔ ایک معنی یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ اپنے ہاتھوں خود کو قتل نہ کرو۔ لیکن دونوں صورتوں میں آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنے ذاتی فائدہ کی خاطر دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے وہ گویا خون بہاتا ہے اور نتیجتاً اپنے ہی لیے ہلاکت کی راہ کھولتا ہے۔ چنانچہ چوری' رشوت خوری' جوا' دھوکہ' فریب' دغا اور سود وغیرہ ایسے ذرائعِ کسب ہیں، جن میں غیر مشروع ہونے کی یہ دونوں علتیں پائی جاتی ہیں اور اگر بعض صورتوں میں باہمی رضا مندی کی شرط پوری ہوتی بھی ہو تو دوسری اہم شرط جو ﴿لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ میں مضمر ہے (یعنی جس سے دوسرے فریق کو نقصان نہ پہنچے) مقصود ہوتی ہے۔ [1]

[1] اسس الاقتصاد للاستاذ أبي الاعلیٰ المودودي۔ ص١٥٢.

باب سوم

اپنے اعمال اور عبادات کو حرام امور سے محفوظ کر کے

اللہ کریم کی رضا اور جنت کے حصول کا طریقہ کار





- فطری داعیات (خواہشات) کا دائرہ عمل
- شادی بیاہ
- زوجین کے باہمی تعلقات
- برتھ کنٹرول
- طلاق
- والدین اور اولاد کے تعلقات

شادی بیاہ اور خاندانی زندگی میں حلال وحرام

فطری داعیات (خواہشات) کا دائرۂ عمل

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین کی خلافت (نیابت) اور اس کی آبادکاری کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل اسی صورت میں ہوسکتی ہے جبکہ انسان کی نوع و نسل باقی رہے اور اس طرح زندگی بسر کرے کہ زراعت' صنعت' تعمیر اور آبادکاری کے کام اس کے ہاتھوں انجام پاتے رہیں' نیز اللہ عزوجل کا جو حق اس پر ہے، اس کو وہ ادا کرتا رہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر فطری داعیات اور نفسیاتی محرکات رکھے ہیں جو انسان کو فرد اور نوع دونوں کی بقا کا ذریعہ اختیار کرنے پر مجبور کردیتے ہیں۔

من جملہ ان کے ایک داعیہ کھانے کی اشتہاء ہے کہ شکم سیری سے آدمی کا وجود باقی رہتا ہے۔

دوسرا داعیہ جنسی خواہش ہے' جس پر نوع انسانی کی بقا کا انحصار ہے۔ یہ نہایت قوی اور قابو سے نکل جانے والا داعیہ ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر متنفس سے اپنی ناقابل تسکین خواہش کو پورا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ لہٰذا انسان کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ تین موقفوں میں سے کوئی ایک موقف اختیار کرے۔

جنسی داعیہ کے متعلق انسان کے مختلف مؤقف

1. ایک موقف یہ ہے کہ اس داعیہ کو بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے' کہ وہ جہاں چاہے اور جس طرح چاہے اپنا کام کرے۔ اس کے لیے کسی قسم کی دینی' اخلاقی اور عرفی رکاوٹ نہ ہو۔ اباحیت والے مذاہب' جو نہ کسی دین کو مانتے ہیں اور نہ فضائل اخلاق کو تسلیم کرتے ہیں' اسی کے قائل ہیں۔ یہ موقف انسان کو انسانیت کے مقام سے گرا کر حیوانیت کی سطح پر لے آتا ہے اور فرد' خاندان اور سماج سب کے بگاڑ کا موجب بنتا ہے۔
2. دوسرا موقف یہ ہے کہ اس داعیہ سے آدمی ٹکرائے اور اس کا زور ختم کرنے کی کوشش

کرے' جیسا کہ تقشّف پسند اور محرومی و بدشگونی کا اعتقاد رکھنے والے مذاہب کا شعار ہے اور رُہبانیت اور المانویت اس کی مثالیں ہیں۔ یہ موقف اس داعیہ کو کچل دیتا ہے اور اُس حکمت کے سراسر منافی ہے جس کی مناسبت سے انسان کو مخصوص ساخت عطاء کی گئی ہے اور اس خاص فطرت پر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ نیز یہ موقف اس طریق زندگی سے متصادم ہے جو ان فطری خواہشات کی تکمیل کا سامان کرتا ہے۔

❸ تیسرا موقف یہ ہے کہ اس داعیہ کے لیے حدود مقرر کیے جائیں تا کہ وہ اپنے دائرہ میں آزاد رہے۔ نہ تو اسے کچل کر رکھ دیا جائے اور نہ ہی دیوانگی کی حد تک آزاد چھوڑ دیا جائے۔ آسمانی مذاہب نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ ان مذاہب نے زنا کو حرام اور نکاح کو جائز ٹھہرایا ہے' خصوصاً اسلام نے اس داعیہ کو تسلیم کر لیا ہے اور اس کے لیے جائز راہ کھول دی ہے اور عورتوں سے بے تعلقی اختیار کرنے اور تجرد کی زندگی گزارنے سے منع کیا ہے' جبکہ اس نے زنا اس کے متعلقات اور مقدمات کو سخت حرام ٹھہرایا ہے۔

یہ موقف عدل اور اعتدال پر مبنی ہے۔ اگر نکاح مشروع نہ کیا گیا ہوتا تو یہ داعیہ سلسلہ انسانی کی بقاء کی خدمت انجام نہیں دے سکتا تھا۔ اور اگر زنا کو حرام نہ کر دیا گیا ہوتا اور مرد کے لیے یہ ضروری نہ کر دیا گیا ہوتا کہ وہ کسی عورت کو اپنے لیے مخصوص کر لے، تو خاندان کی تشکیل نہیں ہو سکتی تھی' جس کے زیر سایہ مؤدت' رحمت' شفقت' محبت اور ایثار جیسے ارتقا پذیر اجتماعی جذبات پرورش پاتے ہیں۔ اور جب خاندان نہ ہوتا تو سماج کی تشکیل ہوتی اور نہ وہ ترقی و کمال کی راہ پر گامزن ہوتا۔

زنا کے قریب نہ پھٹکو

جب ہم دیکھتے ہیں کہ تمام آسمانی مذاہب زنا کے خلاف اور اس کی حرمت پر متفق ہیں تو ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ اور اسلام نے جو آخری دین ہے، اس کی سخت ممانعت کی ہے کیونکہ اس کا نتیجہ اختلاطِ نسب' اپنی نسل پر ظلم' خاندان کے لیے گراوٹ' تعلقات کے انتشار' امراض کے پھیلنے' شہوت کے ابھرنے اور اخلاقی انحطاط کی شکل میں نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بالکل صحیح فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴾

(الاسراء: ١٧/ ٣٢)

"زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ وہ بڑی بے حیائی کا کام ہے اور بہت بری راہ ہے۔"

اسلام جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی طرف جانے والے راستوں کو بھی مسدود کر دیتا ہے اور اس کے تمام ذرائع اور مقدمات ومحرکات کو بھی حرام قرار دیتا ہے۔

لہٰذا جو چیزیں سوئے ہوئے جذبات کو جگانے والی' مرد وزن کے لیے فتنہ کا دروازہ کھولنے والی اور بے حیائی کی ترغیب دینے یا اس سے قریب کرنے یا اس کے لیے راہ ہموار کرنے والی ہوں، تو ایسی چیزیں سد ذریعہ کے طور پر' یا مفسدہ کو دفع کرنے کی غرض سے ممنوع اور حرام قرار پاتی ہیں۔

اجنبی عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے

اسلام نے جن ذرائع کو حرام ٹھہرایا ہے، ان میں سے ایک ذریعہ مرد کا اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں رہنا ہے' یعنی ایسی عورت کے ساتھ خلوت میں رہنا جو نہ بیوی ہو اور نہ ان رشتہ داروں میں سے ہو جن سے ابدی طور پر رشتہ ازدواج حرام ہے' مثلاً: ماں' بہن' پھوپھی' خالہ وغیرہ۔ یہ حرمت اس وجہ سے نہیں ہے کہ مرد یا عورت پر اعتماد نہیں ہے' بلکہ دراصل ان کو وسوسوں اور برے خیالات سے بچانا مقصود ہے۔ کیونکہ جہاں مردانہ اور زنانہ خصوصیات کو جمع ہونے کا موقع ملا اور وہاں کوئی تیسرا آدمی موجود نہ ہو تو دلوں میں گناہ پر آمادگی پیدا ہو سکتی ہے۔

خلوت کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَخْلُوَنَّ بِامْرَاَةٍ لَيْسَ مَعَهَا ذُوْمَحْرَمٍ مِنْهَا فَاِنَّ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطٰنُ)) ❶

"جو شخص اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ رہے جہاں کوئی محرم موجود نہ ہو کیونکہ ایسی صورت میں ان دو کے

❶ مسند احمد (٣/ ٣٣٩، ٤٤٦) ولہ شاهد من حديث عمر رضی اللہ عنہ عند الترمذي' كتاب الفتن: باب في لزوم الجماعة ـ ح: ٢١٦٥.

ساتھ تیسرا شیطان موجود ہوتا ہے۔''

ازواج مطہرات کی شان میں نازل شدہ آیت:

﴿ وَ إِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵۳)

''نبی کی ازواج سے جب تمہیں کوئی چیز مانگنا ہوتو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لیے بھی پاکیزگی کا باعث ہے اوران کے دلوں کے لیے بھی۔''

آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام قرطبی فرماتے ہیں:

''مراد یہ ہے کہ اُن خیالات سے دلوں کو پاک کیا جائے جو عورتوں کے تعلق سے مردوں کے دلوں میں اور مردوں کے تعلق سے عورتوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی پردہ کرنے سے شک اور تہمت کے لیے گنجائش باقی نہیں رہتی اور یہ تحفظ کا بڑا اچھا ذریعہ ہے۔ اس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ کسی شخص کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ خود اعتمادی سے کام لے کر کسی اجنبی عورت کے پاس خلوت میں رہے۔ اس سے اجتناب کرنا بہتر ہے اور پاکدامانی وتحفظ عصمت کا باعث ہے۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ نے خاص طور سے شوہر کے رشتہ داروں مثلاً دیور' شوہر کے چچازاد بھائی وغیرہ کے ساتھ خلوت میں رہنے سے منع فرمایا ہے۔ عام طور سے اس معاملہ میں رشتہ دار تساہل برتتے ہیں جس کا نتیجہ بعض اوقات بہت برا نکلتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی رشتہ دار کے ساتھ خلوت میں رہنا غیروں کی بہ نسبت زیادہ اندیشہ ناک اور خطرناک ہوتا ہے۔ اور اس میں شدید فتنہ کا احتمال ہوتا ہے۔ کیونکہ اجنبی کے برخلاف غیر محرم رشتہ دار عورت کے پاس بے روک ٹوک آجا سکتا ہے۔ یہی حکم بیوی کے غیر محرم رشتہ داروں کے ساتھ خلوت میں رہنے کا ہے۔ مثلاً: بیوی کے چچازاد بھائی' ماموں زاد بھائی اور خالہ زاد بھائی۔ ان میں سے

[1] تفسیر القرطبی۔ج ۱٤' ص ۲۲۸ .

کسی کے ساتھ خلوت میں رہنا جائز نہیں ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِیَّاکُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَی النِّسَاءِ۔ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اَفَرَأَیْتَ الْحَمْوَ؟ فَقَالَ: اَلْحَمْوُا الْمَوْتُ)) ❶

''عورتوں کے پاس خلوت میں رہنے سے بچو۔ انصار میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ''حمو'' (دیور) کے بارے میں کیا خیال ہے؟ فرمایا: ''حمو'' موت ہے۔''

''حمو'' لغوی طور پر شوہر کے رشتہ داروں کو کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ یہ خلوت باعث خطر اور موجب ہلاکت ہے۔ اگر آدمی معصیت کا مرتکب ہوتا ہے تو یہ دینی ہلاکت ہے۔ اور اگر شوہر کی غیرت اُسے اس بات کے لیے آمادہ کرتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے، تو یہ عورت کے لیے ہلاکت ہے۔ اور خلوت کے نتیجہ میں جب اقارب ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی کرنے لگیں تو یہ معاشرتی روابط کے لیے ہلاکت کا سامان ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا اثر صرف انسانی جذبات اور خیالات ہی پر نہیں پڑتا بلکہ اس کی زد میں خاندان کی زندگی' میاں بیوی کے گزر بسر کے حالات اور ان کی رازدارانہ باتیں بھی آجاتی ہیں اور فضول گوئی کرنے والوں اور گھروں میں بگاڑ پیدا کرنے والوں کو زبانیں دراز کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

جس طرح عرب ''الأسد الموت'' (شیر موت ہے) اور ''اَلسُّلْطَانُ اَلنَّارُ'' (سلطان آگ ہے) بولتے ہیں اسی طرح ''اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ'' (شوہر کے اقارب موت ہیں) بولتے ہیں۔ یعنی ان سے ملنا گویا آگ اور موت کے مترادف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ خلوت میں رہنا، اجنبیوں کے ساتھ خلوت میں رہنے سے زیادہ شدید ہے' کیونکہ بعض اوقات یہ رشتہ دار عورت کے دل میں ایسی چیز کی طلب پیدا

❶ بخاری' کتاب النکاح: باب لا یخلون رجل بامراۃ الاذومحرم'ح:۵۲۳۲۔ مسلم' کتاب السلام:باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیۃ: ح:۲۱۷۲۔

کرتے ہیں جس کو پورا کرنا شوہر کے بس میں نہیں ہوتا' یا کبھی وہ بدسلوکی کرنے پر اُکساتے ہیں۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ شوہر اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کے رشتہ دار اس کے گھر میں داخل ہو کر اس کے باطنی حالات سے واقف ہو جائیں۔

جنسِ مقابل کو بنظرِ شہوت دیکھنا

اسلام نے اس بات کو بھی حرام ٹھہرایا ہے کہ مرد اپنی نگاہ عورت پر ڈالے اور عورت مرد پر۔ اس لیے کہ آنکھیں دل کی کلید ہیں اور نظر فتنہ کی پیغامبر اور زنا کی قاصد ہے۔ ایک قدیم شاعر نے کہا ہے:

كُلُّ الْحَوَادِثِ مَبْدَأُهَا مِنَ النَّظْرِ وَمُعْظَمُ النَّارِ مِنْ مُسْتَصْغَرِ الشَّرَرِ

''تمام حوادث کی ابتدا نظر سے ہوتی ہے اور چھوٹی سی چنگاری سے زبردست آگ بھڑک اٹھتی ہے۔''

نَظْرَةٌ فَابْتِسَامَةٌ فَسَلَامٌ فَكَلَامٌ فَمَوْعِدٌ فَلِقَاءٌ

''پہلے نظر' پھر مسکراہٹ' پھر سلام' پھر کلام' پھر وعدہ اور پھر ملاقات''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام مؤمن مردوں اور مومن عورتوں کو جہاں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں بالخصوص غض بصر کی ہدایت بھی کی ہے چنانچہ فرمایا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾ (النور: ٢٤/ ٣٠۔٣١)

''مؤمن مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے حق میں زیادہ پاکیزہ بات ہے۔ یقیناً جو کچھ بھی لوگ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے۔ اور مؤمن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔''

ان دونوں آیتوں میں مرد اور عورت دونوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

نگاہیں نیچی رکھنے کے سلسلہ میں قرآن نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ ﴿ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ ﴾ ہیں۔ یعنی حکم "غَضٌّ مِنَ الْبَصَرِ" کا۔ لیکن شرمگاہوں کی حفاظت کے بارے میں "مِنْ فُرُوْجِهِمْ" کے الفاظ استعمال نہیں کیے گئے ہیں بلکہ "يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کیونکہ شرمگاہ کی حفاظت بغیر کسی رعایت کے مکمل طور سے مطلوب ہے' لیکن نگاہ کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ رفعِ حرج اور مصلحت کی رعایت کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے اس میں نرمی برتی ہے۔ (یہ نکتہ لفظ من کے عدم استعمال سے واضح ہوتا ہے۔)

پس "غَضٌّ مِنَ الْبَصَرِ" کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آنکھیں بالکل بند کر لی جائیں یا سر کو زمین کی طرف جھکائے رکھیں۔ نہ آیت کا یہ منشاء ہے اور نہ یہ بات ممکن ہی ہے۔ آیت "وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ" کے معنی آواز کو پست کرنے کے ہیں خاموشی نہ کہ بالکل چپ ہے۔ ❶ نظروں کو بالکل آزاد نہ چھوڑ دیا جائے کہ وہ آنے جانے والیوں یا آتے جانے والوں پر پڑیں' لہٰذا جب کسی کی نظر جنس مقابل پر پڑے تو نہ اس کے محاسن پر نظریں جمائے اور نہ اس کو گھور گھور کر دیکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((يَاعَلِيُّ، لاَ تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ، فَإِنَّمَا لَكَ الْأُوْلٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ)) ❷

"اے علی! پہلی نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو۔ پہلی نظر معاف ہے لیکن دوسری نہیں۔"

نبی ﷺ نے جنس مقابل پر حریصانہ نگاہیں ڈالنے کو آنکھوں کے زنا سے تعبیر کیا ہے:

((اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا النَّظَرُ)) ❸

"آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا نظر ہے۔"

---

❶ سورہ لقمان (۱۹) میں بھی "غَضّ مِنَ الصَّوْتِ" کا مطلب منہ بند کیے رہنا نہیں ہے لہٰذا "غَضّ مِنَ الْبَصَرِ" کے معنی نظروں کو پست کرنے کے ہیں۔

❷ مسند احمد (۵/ ۳۵۳) ابوداود' کتاب النکاح: باب فی مایؤمر بہ من غض بصر ح' ۲۱۴۹' ترمذی' کتاب الادب: باب ماجاء فی نظرۃ الفجأۃ' ح/ ۲۷۷۷۔

❸ بخاری' کتاب الاستئذان: باب زنا الجوارح دون الفرج' ح: ۶۲۴۳۔ مسلم' کتاب القدر: باب قدر علی ابن آدم حظ من الزنی' ح: ۲۶۵۷۔ مسند احمد (۲/ ۳۴۳) واللفظ لہ۔

اس کو زنا اس لیے قرار دیا ہے کہ اس میں ایک قسم کا تلذذ ہے اور اس سے غیر مشروع طریقہ پر جنسی خواہش پوری ہوتی ہے۔ یہ بات انجیل میں مذکور سیّدنا مسیح علیہ السلام کے اس قول کے بالکل مطابق ہے:

"اس سے پہلے تم سے کہا جاتا رہا کہ زنا نہ کرو۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ جس نے اپنی آنکھوں سے نظر ڈالی اس نے بھی زنا کیا۔"

یہ لذت کی حریص نگاہیں صرف عفت ہی کے لیے خطرناک نہیں ہیں بلکہ ذہنی یکسوئی اور سکونِ قلب کے لیے بھی خطرناک ہیں کہ اس سے ذہنی انتشار اور قلبی اضطراب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

ستر پر نظر ڈالنے کی حرمت

ستر سے نگاہوں کو بچانا ضروری ہے۔ نبی ﷺ نے ستر پر نظر ڈالنے سے منع فرمایا ہے خواہ کوئی مرد کسی مرد کے ستر پر نظر ڈالے یا کوئی عورت کسی عورت کے ستر پر نظر ڈالے اور خواہ شہوت سے نظر ڈالی جائے یا بغیر شہوت کے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لاَ یَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰی عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلاَ تَنْظُرُ الْمَرْأَةُ اِلٰی عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَلاَ یُفْضِی الرَّجُلُ اِلَی الرَّجُلِ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَلاَ الْمَرْأَةُ اِلَی الْمَرْأَةِ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ)) ❶

"کوئی مرد کسی مرد کے ستر پر نظر نہ ڈالے اور نہ کوئی عورت کسی عورت کے ستر پر نظر ڈالے۔ اور نہ مرد مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں ہو جائے اور نہ عورت عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں ہو جائے۔"

مرد کا ستر جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور جس پر نظر ڈالنا کسی مرد وعورت کے لیے جائز نہیں' ناف اور گھٹنہ کے درمیان کا حصہ ہے ❷ اور بعض ائمہ جیسے ابن حزم اور بعض مالکیہ کی رائے میں، ران ستر میں داخل نہیں ہے۔

---

❶ مسلم' کتاب الحیض: باب تحریم النظر الی العورات' ح: ۳۳۸۔

❷ ابو داود' کتاب الصلاة: باب متی یؤمر الغلام بالصلاة' ح/ ۴۹۶۔

عورت کا ستر اجنبی مرد کے لیے اس کا پورا جسم ہے' بجز چہرہ اور ہتھیلیوں کے۔ اور عورت کا ستر اس کے محرم کے لیے کیا ہے؟ اس کا بیان آگے زینت کے اظہار کے سلسلہ میں ہوگا۔ ستر پر نظر ڈالنے یا چھونے کی حرمت کا یہ جو ذکر ہوا وہ ایسی صورت میں ہے کہ کوئی مجبوری یا ضرورت لاحق نہ ہو' لیکن اگر واقعی کوئی مجبوری یا ضرورت پیش آجائے مثلاً طبی امداد یا علاج کی ضرورت ہو تو پھر حرمت زائل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نظر کے جواز کے سلسلہ میں ہم نے جو کچھ بیان کیا وہ بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ فتنہ اور شہوت کا اندیشہ نہ ہو۔ بصورت دیگر سد ذریعہ کے طور پر اباحت زائل ہو جائے گی۔

مرد یا عورت کو دیکھنے کے جواز کے حدود

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے واضح ہے کہ عورت کا مرد کے جسم کے اس حصہ کو دیکھنا جو ستر میں داخل نہیں ہے' یعنی ناف کے اوپر اور گھٹنے کے نیچے والے حصہ کو دیکھنا' مباح ہے' بشرطیکہ بنظر شہوت نہ ہو اور نہ فتنہ کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حبشیوں کو دیکھنے کی اجازت دی تھی جبکہ وہ مسجد نبوی میں اپنے نیزوں سے کرتب دکھا رہے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی طرف مسلسل دیکھتی رہیں یہاں تک کہ تھک کر واپس لوٹ گئیں۔ ❶

اسی طرح مرد کا عورت کے جسم کے اس حصہ پر نگاہ ڈالنا جو ستر میں داخل نہیں ہے' یعنی اس کے چہرہ اور ہتھیلیوں کو دیکھنا' جائز ہے' ❷ شرطیکہ بنظر شہوت نہ دیکھا جائے اور نہ اس سے کسی فتنہ کا اندیشہ ہو:

((عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِیْ بَکْرٍ دَخَلَتْ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ فِیْ لِبَاسٍ رَقِیْقٍ یَشُفُّ عَنْ جِسْمِهَا فَاَعْرَضَ النَّبِیُّ ﷺ عَنْهَا

❶ بخاري' كتاب العيدين: باب الحراب والدرق يوم العيد' ح/ ۹۵۰، مسلم' كتاب صلوة العيدين: باب الرخصة في اللعب الذي لا معصية فيه' ح: ۸۹۲۔

❷ اجنبی کے لیے غیر محرم عورت کا چہرہ دیکھنا جائز نہیں سوائے خاطب اور منگیتر کے، جبکہ عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ ہو۔ تفصیل کے لیے شیخ عبدالقادر حبیب اللہ سندھی کی کتاب "حجاب المرأة المسلمه" ملاحظہ کریں۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی)

وَقَالَ: يَا أَسْمَاءُ، إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَمْ يَصْلُحْ أَنْ يُرٰى مِنْهَا، إِلَّا هٰذَا وَهٰذَا وَأَشَارَ إِلٰى وَجْهِهِ وَكَفَّيْهِ)) ❶

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کی بہن اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما باریک لباس پہنے ہوئے جس کے اندر سے جسم نظر آرہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا اور فرمایا: ''اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لیے روا نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ دکھائی دے' سوائے اس اور اس حصہ کے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔''

اس حدیث میں اگرچہ ضعف ہے لیکن صحیح احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنا جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو' مباح ہے۔

الغرض پاکیزہ نظر' مرد یا عورت کے جسم کے اس حصہ پر ڈالنا' جو ستر میں داخل نہیں ہے' جائز ہے' بشرطیکہ بار بار نظر نہ ڈالی جائے اور نہ گھور گھور کر دیکھا جائے کہ یہ اکثر تلذذ اور فتنہ کے اندیشہ کا باعث بنتا ہے۔ ❷

---

❶ ابو داود' کتاب اللباس: باب فيما تبدی المرأة من زوجها' ح: ٤١٠٤۔ قال شيخنا الحافظ زبير عليزئی حفظه الله' "الوليد (بن مسلم) عنعن وسعيدبن بشير ضعيف (تقريب) حدث عن قتادة بمناكير وقتادة عنعن و (خالد) بن دريك عن عائشة منقطعٌ، (انوار الصحيفة فی الاحاديث الضعيفة، ص:/ ٦٠)

❷ عورت کی طرف پاکیزہ نظر سے دیکھنے کو جائز قرار دینا باطل ہے۔ عورت کی طرف دیکھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اگر کسی عورت پر غیر محرم مرد یا بعض حالات میں محرم مرد کی نظر پڑ جائے تو اسے چاہیے کہ اپنی نظر کو فوراً پھیر لے۔ قرآن مجید نے عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے کی طرف تانک جھانک کرنے یا کسی بھی انداز سے دیکھنے سے منع کیا ہے۔ پردے کا حکم جاری کرنے کا مقصد اور اس کی اولیں حکمت یہی تھی کہ مرد وزن ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھیں۔ عورت صرف اپنے خاوند اور خاوند صرف اپنی بیوی کے مخصوص مقاماتِ ستر کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ عورت اپنے ہاتھ، پاؤں، چہرہ اور سر کے بال اپنے محرم رشتہ داروں کے سامنے اگر نہیں بھی چھپاتی تو کوئی حرج نہیں ہے۔ تاہم مکمل پردہ بہر حال عورت کے لیے لازمی اور فرض ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے کہ علماء کے درمیان مکمل چہرے کے پردے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، لیکن عورت کی عفت وعصمت کے تحفظ کی ضمانت ⇦⇦

اسلام نے اُچٹتی ہوئی نظر کو جو اچانک پڑ جاتی ہے قابل معافی قرار دے کر بڑی فراخی کا ثبوت دیا ہے۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نَظَرِ الْفُجَاءَةِ فَقَالَ: اِصْرِفْ بَصَرَكَ)) ❶

میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نگاہ پڑ جانے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نگاہ پھیر لو۔''

یعنی دوبارہ نظر نہ ڈالو۔

عورت کے لیے اظہارِ زینت کس حد تک جائز اور کس حد تک ناجائز ہے

عورتوں سے متعلق مزید ہدایات درج ذیل ہیں:

﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (النور: ۲۴/ ۳۱)

''اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں' بجز اس کے جو ظاہر ہو جائے۔''

⇐ ⇐ پردے ہی میں مضمر ہے۔ اور چہرے کا پردہ از حد ضروری اور واجب ہے کیونکہ چہرے کی کشش ہی تو مردوں کو فتنہ میں مبتلا کرتی ہے۔ اس لیے غیر محرم خواتین کی طرف دیکھنا بالکل ناجائز ہے۔ اور اس امر میں کسی بھی قسم کی کوئی گنجائش نکالنا یا اسے جائز قرار دینا بالخصوص آج کے پرفتن دور میں، بہر حال غلط اور باطل ہے۔ بلکہ دور کوئی بھی ہو، اللہ تعالیٰ نے نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے تو ہم اس حکم کی تعمیل کرنے کے پابند ہیں۔ مصنف نے پاکیزہ نظر کی شرط لگائی ہے جو کہ باطل شرط ہے، کیونکہ جب نظر غیر محرم خاتون پر جائے گی تو اسی لمحے میں شیطان اس نظر کو پھسلائے گا اور اس کی پاکیزگی کا تصور بھی ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یا اللہ کے رسول نے تو یہ شرط نہیں لگائی کہ اگر پاکیزہ نظر ہو تو عورتوں کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اہل ایمان مَردوں اور اہل ایمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اسی طرح سے ان کے ستر کی حفاظت رہ سکتی ہے۔ [مفہوم آیت مبارکہ سورۃ النور: ۲۴/ ۳۰، ۳۱] مصنف سے پوچھنا چاہیے کہ جس دور میں یہ آیات نازل ہوئی تھیں اس دور کے افراد، جن کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام سے جانا جاتا ہے، کیا ان کی نظریں (نعوذ باللہ، ثم نعوذ باللہ) پاکیزہ نہیں تھیں؟ اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں نہ فرمادیا کہ اگر تمھاری نظر پاکیزہ ہو، تمھاری نظر میں بداخلاقی کا ارادہ نہ پایا جاتا ہو تو پھر تم عورتوں کی طرف دیکھ سکتے ہو ورنہ نگاہیں نیچی رکھو۔ پاکیزہ لوگوں، رضی اللہ عنہم کا رتبہ پانے والوں کو بھی اگر اس امر سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا تو اس کی ایک ہی وجہ ہے کہ مرد وعورت کے فطری جذبات کو کسی بھی وقت شیطان پھسلا سکتا ہے اس لیے نگاہوں کو نیچا رکھنا، بالخصوص غیر محرم کی طرف نہ دیکھنا ہی عفت و پاکدامنی کی ضمانت اور فتنوں سے بچنے کا راستہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب [ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ]

❶ مسند احمد (٤/ ٣٧١) مسلم' کتاب الآداب' باب نظر الفجأۃ' ح: ۲۱۵۹۔

عورت کی زینت میں ہر وہ چیز شامل ہے جو اسے آراستہ کرنے والی اور اس میں جمال پیدا کرنے والی ہو' خواہ وہ خلقی زینت ہو' جیسے چہرہ' بال اور جسم کے دوسرے محاسن' یا اکتسابی جیسے کپڑے' زیور' سرخی وغیرہ۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی زینت چھپائیں اور اس کو ظاہر نہ کریں۔ اور اس سے مستثنیٰ صرف ﴿ مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾ (زینت میں سے جو ظاہر ہو جائے) کو کر دیا۔

﴿ مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾ کے معنی کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ آیا اس کے معنی ضرورتاً بغیر کسی قصد کے ظاہر ہو جانے کے ہیں' مثلاً: جو ہوا کے جھونکے سے کھل جائے۔ یا اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز جو عادۃً اور قدرتی طور پر ظاہر ہوتی ہیں اور جس کی اصل حقیقت ظاہر ہونا ہی ہے؟

اکثر سلف سے جو کچھ منقول ہے اس سے دوسری رائے کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے مراد سُرمہ اور انگوٹھی ہے۔ (1) سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ (2) سُرمہ اور انگوٹھی کے اظہار سے ان کے اعضاء کا اظہار بھی لازم آتا ہے۔ یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں۔ اور سعید بن جبیر' عطاء اور اوزاعی وغیرہ سے صراحت کے ساتھ یہ منقول ہے۔ (3)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور قتادہ وغیرہ سے جو روایتیں ہیں ان میں کنگنوں کا اضافہ ہے۔ (4) جس سے معلوم ہوتا ہے ہتھیلی کے علاوہ ہاتھ کا مزید کچھ حصہ بھی مستثنیٰ ہے۔ اس کی حد بہ اختلاف آراء ایک مشت سے لے کر نصف ہاتھ تک ہو سکتی ہے۔ اس توسع کے برخلاف سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور نخعی وغیرہ کا مسلک ہے۔ انہوں نے ﴿ مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾ سے چادر وغیرہ ظاہری کپڑے مراد لیے ہیں۔ (5) لیکن ان چیزوں کو چھپانا ممکن ہی نہیں ہے۔

---

(1) تفسیر طبری (۱۸/ ۱۱۸) بیہقی فی السنن الکبری (۷/ ۹٤)

(2) درمنثور (٦/ ۱۷۹)

(3) تفسیر طبری (۱۸/ ۱۱۸'۱۱۹)

(4) تفسیر طبری (۱۸/ ۱۱۸'۱۱۹)۔ درمنثور (٦/ ۱۸۰)۔

(5) مستدرك حاكم (۲/ ۳۹۷) تفسیر طبری (۱۸/ ۱۱۷'۱۱۸)۔

میرے خیال میں قابل ترجیح یہ ہے کہ ﴿ مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾ کو چہرہ اور ہتھیلیاں تک محدود رکھا جائے اور زینت کی جو چیزیں عادۃً بغیر کسی غلو یا اسراف کے ان اعضاء سے متعلق ہوتی ہیں، اُن کو ان میں شامل سمجھا جائے۔ مثلاً ہاتھ کی انگوٹھی' آنکھ کا سُرمہ وغیرہ جس کی صراحت صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کے ایک گروہ نے کی ہے۔

سُرخی اور پاؤڈر کا مسئلہ اس سے مختلف ہے۔ ان چیزوں کو موجودہ زمانہ کی عورتیں رخسار' ہونٹ اور ناخن کے لیے استعمال کرتی ہیں' لیکن یہ سخت ناپسندیدہ غلو ہے۔ ان چیزوں کو بس گھر ہی میں استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن آج کل عورتیں گھر سے باہر نکلتے وقت مردوں کے لیے کشش پیدا کرنے کی غرض سے استعمال کرتی ہیں' بہرصورت یہ حرام ہے۔

رہی ﴿ مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾ کی یہ تفسیر کہ اس سے چادر وغیرہ جیسے خارجی کپڑے مراد ہیں تو یہ قابل قبول نہیں ہے' کیونکہ ان کپڑوں کا ظاہر ہونا قدرتی امر ہے' جس کی ممانعت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ مستثنیٰ کرنے کی ضرورت پیش آجائے۔

اسی طرح یہ تفسیر بھی قابل قبول نہیں ہے کہ اس سے مراد ہوا کے جھونکے وغیرہ سے چادر کا کھل جانا ہے' کیونکہ یہ انسان کے بس میں نہیں ہوتا لہٰذا اسے مستثنیٰ کرنا اور نہ کرنا بالکل یکساں ہے۔ استثناء سے تو جو بات متبادر (قابل مفہوم) ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جو چیزیں چھپائی جاسکتی ہیں ان کو ظاہر کرنے کے سلسلہ میں یہ استثناء ہے اور یہ مؤمن خواتین کے حق میں رُخصت اور تخفیف ہے۔ اور معقول بات یہ ہے کہ رُخصت چہرے اور ہتھیلیوں کے بارے میں ہونی چاہیے۔

چہرے اور ہتھیلیوں کے بارے میں یہ رعایت اس لیے کر دی گئی ہے کہ ان کو چھپانا عورت کے لیے باعث حرج ہے' خاص طور سے ایسی صورت میں جبکہ اسے جائز ضرورت سے باہر نکلنا پڑے' مثلاً بیواؤں کو اپنی اولاد کی ضروریات کے لیے اور غریب عورتوں کو اپنے شوہروں کی معاونت کے لیے باہر نکلنا پڑے۔ ایسی صورت میں نقاب ڈالنے اور ہتھیلیاں چھپانے کی پابندی ان کے لیے مشکلات اور دشواریوں کا باعث ہوگی۔

امام قرطبی کہتے ہیں:

''عام طور سے چہرہ اور ہتھیلیاں عادۃً نیز نماز' حج وغیرہ عبادت کے مواقع پر کھل جاتی ہیں تو صحیح بات یہی ہے کہ استثناء ان ہی اعضا کے سلسلہ میں سمجھا جائے۔ اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث دلالت کرتی ہے جسے امام ابوداود نے روایت کیا ہے:

((اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِیْ بَکْرٍ دَخَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَعَلَیْهَا ثِیَابٌ رِقَاقٌ' فَاَعْرَضَ عَنْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَالَ لَهَا: یَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْاَۃَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِیْضَ لَمْ یُصْلِحْ اَنْ یُّرٰی مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا' وَاَشَارَ اِلٰی وَجْهِهٖ وَکَفَّیْهِ)) ❶

اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے جسم پر ایک باریک کپڑے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا اور فرمایا: ''اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جائے تو اس کے لیے روا نہیں ہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ دکھائی دے سوائے اس کے اور اس کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔'' (تفسیر قرطبی:۱۲۔۲۲۹)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی اس پر دلالت کرتا ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ (النور: ٢٤/ ٣٠)

''مومنوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے چہروں پر نقاب پڑی ہوئی نہیں ہوتی تھی' اگر عورت کا جسم اور چہرہ سب ڈھکا ہوا ہوتا تو غض بصر کا حکم دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ جب دیکھنے کے لیے کوئی چیز موجود نہ ہو تو نگاہوں کو نیچا کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ ❷

---

❶ ابوداؤد' کتاب اللباس: باب فیما تبدی المرأۃ من زینتها' ح: ٤١٠٤۔ واسنادہ ضعیف وعلته تقدم قبل اربع صفحات۔

❷ معاشرے میں صرف مسلم خواتین ہی نہیں ہوتیں غیر مسلم بھی ہوتی ہیں، جن کے ہاں چہرہ ننگا رکھنا تو کجا دیگر محاسن کھلے رکھنا بھی معیوب نہیں ہوتے۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ)

اس کے باوجود عورت کے لیے اکمل اور مناسب ترین صورت یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کو پوری طرح چھپانے کی کوشش کرے اور جہاں تک ہو سکے اپنا چہرہ بھی چھپائے' کیونکہ ہمارے زمانہ میں بگاڑ عام ہوگیا اور فسق کی گرم بازاری ہے۔ خاص طور سے ایسی صورت میں اس کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے جبکہ عورت اس قدر حسین ہو کہ اس پر کسی کے فریفتہ ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

﴿ وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ﴾ (النور : ٢٤/ ٣١)

''اور وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈالے رہیں۔''

مسلمان عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنا سر اوڑھنی سے ڈھانک رکھیں اور اس سے اپنے سینہ' گلے اور گردن کو چھپائے تاکہ آنے جانے والوں کی نظریں اس پر نہ پڑیں:

﴿ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ ﴾

(النور : ٢٤/ ٣١)

''وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر ان لوگوں کے سامنے' شوہر' باپ' شوہروں کے باپ' اپنے بیٹے' شوہروں کے بیٹے' بھائی' بھتیجے' بھانجے' اپنی عورتیں' اپنے مملوک' وہ زیردست مرد جو کوئی غرض نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوئے ہوں۔''

اس آیت میں مومن عورتوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی پوشیدہ زینت مثلاً: کان' بال' گردن' سینہ اور پنڈلی کی زینت اجنبی مردوں کے سامنے نہ کھولے۔ ان کے سامنے صرف چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت ہے۔

اس ممانعت سے بارہ اصناف کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔

① ان کے شوہر: چنانچہ مرد اپنی بیوی کے جسم کا کوئی بھی حصہ دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح

عورت اپنے شوہر کے جسم کا کوئی بھی حصہ دیکھ سکتی ہے۔

حدیث میں ہے:

((اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ)) ❶

''اپنے ستر کو چھپاؤ بجز اپنی بیوی کے۔''

② ان کے آباء: باپ کے علاوہ دادا اور نانا بھی

③ ان کے شوہروں کے باپ: یہ بھی گویا ان ہی کے باپ کے حکم میں ہیں۔

④ ان کے بیٹے: اسی طرح ان کی اولاد کے بیٹے یعنی پوتے اور نواسے۔

⑤ شوہر کے بیٹے: کیونکہ ان کے ساتھ رہنا ہوتا ہے اور وہ ان کے لیے ماں کی جگہ ہوتی ہے۔

⑥ ان کے بھائی: خواہ سگے ہوں یا علاتی یا اخیافی۔

⑦ ان کے بھتیجے: اس وجہ سے کہ پھوپھی کا رشتہ ابدی حرمت کا رشتہ ہوتا ہے۔

⑧ ان کے بھانجے۔ اس وجہ سے کہ خالہ کا رشتہ ابدی حرمت کا رشتہ ہوتا ہے۔

⑨ ان کی عورتیں: یعنی وہ عورتیں جن سے نسب یا دین کے تعلق سے ربط ہو۔ رہیں غیر مسلم عورتیں تو ان کے سامنے زینت کا اظہار جائز نہیں' بجز اس کے جس کا اظہار مردوں کے سامنے جائز ہے۔

⑩ ان کے مملوک۔ یعنی ان کی لونڈیاں اور غلام کہ اسلام نے انہیں ارکانِ خاندان کا سا درجہ دیا۔ البتہ بعض ائمہ نے صرف لونڈیاں مراد لی ہیں۔

⑪ وہ مرد جو زیر دست ہوں اور جن کو کچھ غرض نہ ہو۔ یہ اجیر اور تابع لوگ ہیں جنہیں بدنی یا عقلی سبب سے شہوت نہیں ہوتی۔ ان لوگوں میں یہ دونوں باتیں وافر طور پر موجود ہونی چاہئیں' یعنی ان کا گھر میں تابع کی حیثیت سے ہونا۔ اور شہوت کا فقدان۔

⑫ وہ بچے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہیں ہوئے۔ یہ چھوٹے بچے

❶ ابوداود' کتاب الحمام: باب فی التعری' ح/ ۴۰۱۷ . ترمذی' کتاب الحمام: باب ماجاء فی حفظ العورة' ح: ۲۷۶۹ ' ابن ماجه' کتاب النکاح: باب التستر عند الجماع' ح: ۱۹۲۰ .

ہیں جن کے اندر ابھی جنسی شعور پیدا نہیں ہوا۔ لیکن جب یہ شعور پیدا ہو جائے تو ان کے سامنے پوشیدہ زینت کا اظہار نہیں ہوگا' اگرچہ کہ وہ نابالغ ہوں۔

آیت میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں ہے کیونکہ عرفاً باپ کے درجہ میں ہیں۔

حدیث میں ہے:

((عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيْهِ)) ❶

''آدمی کا چچا بمنزلہ والد کے ہوتا ہے۔''

عورتوں کا ستر

گزشتہ بحث سے معلوم ہوگیا کہ جسم کا وہ حصہ جس کا کھولنا عورت کے لیے جائز نہیں ہے، وہ ستر ہے جس کا چھپانا واجب اور کھولنا حرام ہے۔

عورت کا ستر اجنبی مرد اور غیر مسلم عورتوں کے لحاظ سے اس کا پورا جسم ستر ہے بجز چہرے اور ہتھیلیوں کے' کہ ان دونوں کا کھولنا' جیسا کہ امام رازی نے کہا ہے' معاملات اور لین دین کی ضرورتوں کے پیش نظر جائز ہے۔ جس حصہ جسم کو کھولنے کی واقعی ضرورت نہیں ہے اسے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے اور جو حصہ جسم معمولاً کھلا رہتا ہے اور ضرورتاً اس کو کھولنا ہی پڑتا ہے اس کو کھولنے کی اجازت انہیں دی گئی ہے۔ کیونکہ اسلام کے شرعی احکام حنیفیت اور وسعت پر مبنی ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''چونکہ چہرہ اور ہتھیلیوں کا کھلا رہنا ایک ضروری سی بات ہے' اس لیے فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ ستر میں داخل نہیں ہیں۔ رہے قدم تو ان کا کھلا رہنا کچھ ضروری نہیں ہے' اس لیے اس بارے میں اختلاف ہوا کہ وہ ستر میں داخل ہیں یا نہیں۔'' ❷

اور عورت کا ستر مذکورۂ بالا بارہ اصناف کے تعلق سے باطنی زینت کی جگہوں مثلاً کان' بال' گردن' سینہ' ہاتھ اور پنڈلیوں کے سوا بقیہ حصہ جسم ستر ہے۔ کیونکہ آیت کی رُو سے مذکورہ

❶ مسلم' کتاب الزکوٰۃ: باب فی تقدیم الزکوٰۃ منعها ح:۹۸۳۔

❷ تفسیر الرازی۔ ج۲۳' ص۲۰۵'۲۰۶۔

بالا اصناف کے سامنے اظہار زینت جائز ہے۔ لیکن بقیہ حصہ جسم مثلاً پیٹھ' پیٹ' شرمگاہیں اور رانیں تو ان کا کھولنا کسی بھی عورت یا مرد کے سامنے جائز نہیں ہے' بجز شوہر کے۔

آیت کا یہ مفہوم بعض ائمہ کے اس مسلک سے قریب تر ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ عورت کا ستر محرموں کے لیے صرف ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے' اور عورت کا ستر عورت کے لیے بھی اسی حد تک ہے۔ بلکہ آیت کا مدلول بعض علماء کے اس قول سے قریب تر ہے کہ عورت کا ستر محرم کے لیے جسم کا وہ حصہ ہے جو کام کاج کے وقت کھلا نہیں رہتا' لیکن جو جسم کا حصہ گھر میں کام کاج کے وقت معمولاً کھل جایا کرتا ہے اس کا دیکھنا محرم کے لیے جائز ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مؤمن عورتوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ باہر نکلتے وقت اپنے اوپر بڑی چادر ڈال لیا کریں تا کہ وہ کافر اور فاجر قسم کی عورتوں کے مقابلہ میں ممتاز ہو سکیں۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ اس پیغام الٰہی کو امت تک پہنچا دیں۔

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ ﴾

(الاحزاب : ۳۳/ ۵۹)

''اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادر ڈال لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تا کہ وہ پہچان لی جائیں اور انہیں پریشان نہ کیا جا سکے۔''

جلابیب' یہ جلباب کی جمع ہے، جس کے معنی کشادہ کپڑے کے ہیں' جیسے برقع جسے عورتیں پردہ کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

بعض خواتینِ جاہلیت جب گھروں سے نکلتیں تو اپنے بعض محاسن' سینہ' گردن اور بال وغیرہ کھلے رکھتیں' فاسق اور بے کار لوگ ان کے پیچھے پڑ جاتے۔ ان حالات میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس نے مؤمن خواتین کو حکم دیا کہ وہ اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے اوپر ڈال لیا کریں، تا کہ جسم کے یہ حصے ڈھک جائیں اور ظاہری ہیئت سے وہ پہچان لی جائیں کہ مؤمنہ عفیفہ ہیں' لہٰذا کوئی منافق یا بے حیاء آدمی انہیں ایذاء پہنچانے کی جرأت نہ کر سکے۔

آیت میں پردہ کرنے کی جو علت بیان کی گئی ہے اس سے واضح ہے کہ یہ حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ فاسقوں کی طرف سے اذیت اور بے حیاء لوگوں کی طرف سے نظر بازی کا اندیشہ تھا ورنہ فی الواقع خود ان خواتین کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں تھا' اور نہ ان پر اعتماد میں کوئی کمی تھی' لیکن جو عورت اپنی زینت اور کپڑے دکھاتی پھرتی ہے' یا ناز نخرے سے چلتی ہے' یا نرم و نازک باتیں کرتی ہے، وہ ہمیشہ مردوں کے اندر اُکساہٹ پیدا کرتی ہے اور چھیڑ خوانی کرنے والوں کے دلوں میں بُری خواہش پیدا کرتی ہے' بمصداق اس آیت کریمہ:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۳۲)

''دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ بری خواہش کرنے لگے۔''

یہ حقیقت ہے کہ اسلام نے مسلم خواتین کے پردہ اور تحفظ کے معاملہ میں شدت برتی ہے اور اس میں رخصت نہیں دی' سوائے اس کے کہ بوڑھی عورتوں کے لیے احکام میں قدرے تخفیف کر دی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (النور: ٢٤/ ٦٠)

''اور بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہ رکھتی ہوں، وہ اگر اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے' بشرطیکہ وہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔ لیکن اگر وہ اس سے احتیاط برتیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

عام حماموں میں عورت کا داخل ہونا

چونکہ اسلام، ستر کی حفاظت کرنا اور اس کو چھپانا چاہتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے عورت کو عام حماموں میں داخل ہونے اور دیگر عورتوں کے سامنے برہنہ ہونے سے احتراز کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ان عورتوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسری عورتوں کے جسمانی

اوصاف کا ذکر برسرِ عام مجلسوں میں کرنا لذتِ دہن کا کام سمجھتی ہیں۔

اسی طرح آپ ﷺ نے مرد کو بغیر تہبند کے حمام میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَايَدْخُلُ الْحَمَّامَ اِلَّا بِمِئْزَرٍ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُدْخِلُ حَلِيْلَتَهُ الْحَمَّامَ)) ❶

"جو شخص اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ حمام میں بغیر تہبند کے داخل نہ ہو اور جو شخص اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی کو حمام میں داخل نہ ہونے دے۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ دُخُوْلِ الْحَمَّامَاتِ ثُمَّ رَخَّصَ لِلرِّجَالِ اَنْ يَدْخُلُوْهَا بِالْمَازِرِ)) ❷

"رسول اللہ ﷺ نے حمام میں داخل ہونے سے منع فرمایا۔ بعد میں مردوں کو تہبند کے ساتھ داخل ہونے کی اجازت دے دی۔"

اس سے مستثنیٰ صورت یہ ہے کہ کوئی عورت بیماری یا نفاس وغیرہ کی حالت میں علاج کی غرض سے حمام میں داخل ہو۔ چنانچہ سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حماموں کے بارے میں فرمایا:

((فَلَا يَدْخُلْهَا الرِّجَالُ اِلَّا بِمِئْزَرٍ وَامْنَعُوْهَا النِّسَاءَ اِلَّا مَرِيْضَةً اَوْنُفَسَآءَ)) ❸

---

❶ مسند احمد (٣/ ٣٣٩) ترمذی' کتاب الادب: باب ماجاء فی دخول الحمام' ح: ٢٨٠١۔ نسائی' کتاب الغسل: باب الرخصة فی دخول الحمام' ح: ٤٠١' مستدرك حاکم (٤/ ٢٨٨)۔

❷ ابوداود' کتب الحمام: باب الدخول فی الحمام' ح/ ٤٠٠٩۔ ترمذی' حوالہ سابق' ح:٢٨٠٢' ابن ماجہ' کتاب الادب: باب دخول الحمام' ح: ٣٧٤٩۔ واسناده ضعیف فیه ابو عذره مجهول لایعرف۔

❸ ابوداود' حوالہ سابق' ح: ٤٠١١' ابن ماجہ' حوالہ سابق' ح/ ٣٧٤٨۔ واسناده ضعیف فیه عبدالرحمن بن زیاد بن انعم الافریقی وهو ضعیف۔

''مرد بغیر تہبند کے حمام میں داخل نہ ہوں اور عورتوں کو بھی اس سے منع کرو' الاّ یہ کہ کوئی عورت مریضہ ہو یا نفاس سے ہو۔''

اس حدیث کی سند میں کسی قدر ضعف ہے' لیکن شریعت نے اپنے اصولوں میں مریض کے لیے جو رخصت رکھی ہے، اس سے اسے تقویت پہنچتی ہے۔ نیز اس کی تائید اس اصول سے بھی ہوتی ہے کہ جو چیز سد ذریعہ کے طور پر حرام کی گئی ہے وہ حاجت و مصلحت کے وقت جائز ہوجاتی ہے۔ اور اس کی تائید سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِتَّقُوْا بَيْتًا يُقَالُ لَهُ الْحَمَّامُ' قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّهٗ يَذْهَبُ الدَّرَنَ وَيَنْفَعُ الْمَرِيْضَ۔ قَالَ: فَمَنْ دَخَلَ فَلْيَسْتَتِرْ)) ❶

''اس مقام سے اجتناب کرو جسے حمام کہتے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! حمام میں نہانے سے میل کچیل دور ہو جاتی ہے اور مریض کو فائدہ پہنچتا ہے۔ فرمایا: ''ایسی صورت میں داخل ہونے والے کو اپنا ستر چھپانا چاہیے۔''

اگر کوئی عورت بلا عذر اور بلا ضرورت، حمام میں داخل ہو جائے تو وہ حرام کی مرتکب ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وعید کی مستحق ہوگی' جسے سیّدنا ابو ملیح ھذلی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

((اِنَّ نِسَاءً مِنْ اَهْلِ حِمْصَ اَوْمِنْ اَهْلِ الشَّامِ دَخَلْنَ عَلٰى عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا فَقَالَتْ: اَنْتُنَّ اللَّاتِيْ تَدْخُلْنَ نِسَاءَ كُنَّ الْحَمَّامَاتِ؟ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: مَامِنْ اِمْرَاَةٍ تَضَعُ ثِيَابَهَا فِيْ غَيْرِبَيْتِ زَوْجِهَا اِلَّا هَتَكَتِ السَّتْرَبَيْنَهَا وَبَيْنَ رَبِّهَا)) ❷

❶ مستدرك حاكم (٤/ ٢٨٨)' طبراني في الكبير (١١/ ٢٧۔ ١٠٩٣٢) ۔ البزار في مسنده (٣١٩).

❷ ابوداود' كتاب الحمام : باب الدخول في الحمام' ح: ٤٠١٠۔ ترمذي۔ كتاب الادب: باب ماجاء في دخول الحمام' ح:٣٨٠٣۔ابن ماجه كتاب الادب باب دخول الحمام' ح ٣٧٥٠.

اہل حمص یا اہل شام کی کچھ عورتیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا: ''کیا تمہاری عورتیں حمام میں داخل ہوتی ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت اپنے کپڑے شوہر کے گھر کے سوا کسی اور جگہ اتارتی ہے وہ اس پردہ کو چاک کرتی ہے جو اس کے اور رب کے درمیان ہے۔''

اور سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَزَعَتْ ثِيَابَهَا فِيْ غَيْرِ بَيْتِهَا خَرَقَ اللّٰهُ عَنْهَا سَتْرَهُ)) [1]

''جو عورت اپنے کپڑے کسی دوسرے کے گھر میں اُتارتی ہے، اللہ تعالیٰ اس پردہ کو جو اس کے اور اللہ کے درمیان ہے چاک کر دیتا ہے۔''

جب اسلام کے احکام عورتوں کے حمام میں داخل ہونے کے بارے میں اتنے سخت ہیں، حالانکہ حمام چہار دیواری والا ہوتا ہے اور وہ بھی ایسا جس میں صرف عورتیں داخل ہوتی ہوں، تو ان سے بے حیا اور آوارہ عورتوں کے بارے میں کیا حکم ہوگا جو اپنے ستر کا راستوں پر مظاہرہ کرتی پھرتی ہیں اور ساحل سمندر پر اپنے اجسام کی نمائش کرتی ہیں تاکہ حریص آنکھوں کے لیے لذتِ گناہ کا اور شہوانی جذبات کے لیے برانگیختگی کا سامان کریں۔

درحقیقت انہوں نے شرم وحیاء کے اُن تمام پردوں کو تار تار کر کے رکھ دیا ہے جو ان کے اور رحمٰن کے درمیان تھے۔ اور اس گناہ میں مرد بھی برابر کے شریک ہیں کیونکہ انہیں ذمہ دار نگراں بنایا گیا تھا، کاش کہ وہ اپنی ذمہ داری جان لیتے!

تبرج کی حرمت

مسلمان خاتون، کافر اور جاہلی خاتون کے مقابلہ میں ممتاز اخلاق اور اوصاف پوشیدہ کی حامل ہوتی ہے۔ اس کے اندر اخلاق کی پاسداری، عزت وعفت اور شرم وحیاء جیسے اوصاف ہوتے ہیں۔ لیکن جاہلی عورت کا اخلاق تبرج (بے پردگی) اور مردوں کے صنفی جذبات کو مشتعل کرنا ہوتا ہے۔

[1] مسند احمد (٦/ ٣٠١) - مستدرك حاكم (٤/ ٢٣٨٩)

تبرج کے معنی کھل جانے اور ظاہر ہونے کے ہیں۔ علامہ زمخشری حنفی کہتے ہیں کہ تبرج کی حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو چھپانا ازحد ضروری ہو اس کو بہ تکلیف ظاہر کیا جائے۔ لیکن یہ لفظ اس اظہارِ زینت اور ان محاسن کے اظہار کے لیے مخصوص ہوگیا ہے' جو عورتیں مردوں کے سامنے کرتی ہیں۔ اور علامہ زمخشری نے اس پر اس خصوصیت کا اضافہ کیا ہے کہ جس زینت کا اخفاء ضروری ہے اس کا قصداً اور بہ تکلف اظہار کیا جائے۔ یہ چیز جس کا اخفاء ضروری ہے، جسم کا کوئی حصہ بھی ہوسکتا ہے اور کسی عضو کی حرکت بھی' گفتگو اور چلنے کا طریقہ بھی ہوسکتا ہے اور زیور وغیرہ جیسی آرائش کی چیزیں بھی۔

تبرجؔ کی مختلف صورتیں اور مظاہر ہیں جن سے لوگ قدیم زمانہ میں بھی آشنا تھے اور جدید زمانہ میں بھی آشنا ہیں۔ مفسرین نے بعض صورتوں کا ذکر

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۳۳)

''تم اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہو اور سابق دور جاہلیت کا سا دکھاوا نہ کرتی پھرو۔''

کی تفسیر کرتے ہوئے کیا ہے۔

مجاہد بن جبیر (سیّدنا ابن عباس کے شاگردِ خاص) کہتے ہیں: ''عورت باہر نکل کر مردوں کے درمیان چلا کرتی تھی۔'' مشہور مفسر قتادہ کہتے ہیں: ''عورتیں ناز نخرے کے ساتھ چلا کرتی تھیں۔'' اور مفسر مقاتل کہتے ہیں ''تبرج یہ ہے کہ عورتیں اپنا دوپٹہ اس طرح سروں پر ڈال لیا کرتیں کہ ہار' بالیاں' گردن وغیرہ کھلے رہتے۔'' [1]

یہ تھیں قدیم جاہلیت کے تبرج کی صورتیں یعنی مردوں کے ساتھ اختلاط' چلنے میں ناز نخرہ اور دوپٹہ اس طرح اوڑھنا کہ جسم کے محاسن اور زینت ظاہر ہو جائے۔ لیکن فی زمانہ جدید جاہلیت نے تبرج کی جو نئی نئی صورتیں اور جو نت نئے ڈھنگ ایجاد کیے ہیں ان کے سامنے قدیم جاہلیت کا تبرج مات کھا گیا ہے۔

تبرج کا اطلاق کس صورت میں نہیں ہوگا

درج ذیل آداب کی پابندی کرنے کی صورت میں مسلم خاتون تبرج کے دائرہ سے

[1] تفسیر ابن کثیر (ص ۱۰۶۱) تفسیر در منثور (۶/ ۶۰۲)۔

نکل کر اسلامی تہذیب کی آغوش میں آ جاتی ہے:

(ا) غض بصر۔ کہ شرم و حیاء عورت کا سب سے زیادہ قیمتی زیور ہے۔ اور حیاء کا نمایاں ترین عنوان غض بصر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ﴾ (النور: ٢٤/ ٣١)

''مؤمن عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔''

(ب) مردوں کے ساتھ جسم کے مس ہونے (چھونے) کی حد تک اختلاط سے احتراز' کہ جس کا مظاہرہ اس زمانہ میں سینما گھروں' یونیورسٹی کے راستوں' لیکچر ہالوں اور مسافر گاڑیوں میں ہوتا ہے۔

سیّدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَاَنْ يُّطْعَنَ فِيْ رَأْسِ اَحَدِكُمْ بِمَخِيْطٍ مِنْ حَدِيْدٍ خَيْرٌلَّهٗ مِنْ اَنْ يَمَسَّ امْرَأَةً لَا تَحِلُّ لَهٗ)) ❶

''اپنے سر میں لوہے کی سوئی چبھو دینا اس سے بہتر ہے کہ آدمی کسی ایسی عورت کو چھوئے، جس کو چھونا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔''

(ج) اس کا لباس اسلامی تہذیب کے مطابق ہو۔ شرعی لباس وہ ہے جس میں درج ذیل اوصاف پائے جائیں:

① جو پورے جسم کے لیے ساتر (چھپانے والا) ہو سوائے مَا ظَهَرَ مِنْهَا کے یعنی چہرہ اور ہتھیلیوں کو مستثنیٰ کر کے پورا جسم ڈھک جانا چاہیے۔

② کپڑے کے اندر سے بدن دکھائی نہ دے اور نہ جھلکے' اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ مِنْ اَهْلِ النَّارِ نِسَاءً كَاسِيَاتٍ عَارِيَاتٍ مَائِلَاتٍ مُمِيْلَاتٍ...... لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا)) ❷

''وہ عورتیں دوزخی ہیں جو کپڑے پہن کر برہنہ رہتی ہیں' مردوں کی طرف

---

❶ بيهقي في شعب الايمان (٤/ ٣٧٤' ح: ٥٤٥٥)۔ والطبراني في الكبير (٢٠/ ٢١١' ٢١٢)

❷ مسلم' كتاب الآدب: باب النساء الكاسيات العاريات...... ح/ ٢١٢٨

راغب ہوتی ہیں اور مردوں کو اپنی طرف راغب کرتی ہیں ...... ایسی عورتیں نہ جنت میں جائیں گی اور نہ اس کی خوشبو ہی پاسکیں گی۔"

کپڑے پہن کر برہنہ رہنے کا مطلب یہ ہے' کہ ان کے کپڑے ساتر (جسم کو چھپانے والے) نہیں ہوں گے' بلکہ باریک اور شفاف ہونے کی وجہ سے ان کے اندر سے بدن جھلک رہا ہوگا۔ بنی تمیم کی کچھ عورتیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں اور ان کے جسم پر باریک کپڑے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "اگر تم مومن عورتیں ہو تو یہ مومن عورتوں کے کپڑے نہیں ہیں۔" (الطبرانی)

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک دلہن آئی جو باریک اور شفاف اوڑھنی اوڑھے ہوئے تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "جو عورت اس قسم کے کپڑے پہنتی ہے وہ سورۂ نور پر ایمان نہیں رکھتی۔"

۳ عورتوں کا لباس ایسا چست نہ ہو کہ جسم کے نشیب و فراز نمایاں ہو جائیں جیسا کہ مغربی تہذیب کا لباس ہے' جو جسم اور شہوت کی پرستار تہذیب ہے' اس تہذیب کے زیر اثر فیشن اختراع کرنے والے، اس انداز سے کپڑوں کی کٹنگ کرتے ہیں کہ پستان' کمر اور سرین جیسے اعضائے جسم نمایاں ہو جاتے ہیں اور اس طرز پر سلے ہوئے ہوتے ہیں کہ اس سے جذبات میں ہیجان اور سفلی خواہشات میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اس قسم کا لباس پہننے والی عورتیں بھی کَاسِیَاتٍ عَارِیَاتٍ (کپڑے پہن کر برہنہ رہنے والیوں) میں شامل ہیں۔ اور یہ کپڑے باریک اور شفاف کپڑوں سے بھی زیادہ ترغیب اور فتنہ کا باعث ہیں۔

۴ عورتیں ایسا لباس نہ پہنیں جو مردوں کے لیے مخصوص ہو' مثلاً: پتلون جو ہمارے زمانہ میں مردوں کے لیے مخصوص ہے۔ یہ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جس طرح عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی ہے اور عورت کو مرد کا لباس اور مرد کو عورت کا لباس پہننے سے منع فرمایا ہے۔ [1]

---

[1] ان روایات کی تخریج "لباس اور زینت" کے باب "عورت اور مرد کا ایک دوسرے کی مشابہت کرنا" کے تحت گزر چکی ہے۔

﴿۵﴾ ایسا لباس نہ ہو جو یہودی' نصرانی اور مشرک عورتوں کے لیے مخصوص ہو' کیونکہ ان سے مشابہت اسلام میں ممنوع ہے۔ اسلام' مرد اور عورت میں امتیاز اور ظاہر و باطن میں کافر قوموں کی تقلید سے آزادی چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے بہت سے اُمور پر کفار کی مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد رسول ﷺ ہے:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) ❶

''جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہے۔''

(و) گفتار اور چال ڈھال میں وقار اور استقامت اختیار کرے اور چہرہ اور جسم کو ایسی حرکتوں سے بچائے رکھے جس سے جذبات مشتعل ہوتے ہوں۔ ناز نخرے اور بری ادائیں فاجر عورتوں کا ڈھنگ ہے۔ مسلم خواتین کے اخلاق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۳۲)

''دبی زبان سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ بری خواہش کرنے لگے۔''

(ھ) اپنی پوشیدہ زینت کی طرف مردوں کو متوجہ کرنے کے لیے کشش پیدا نہ کرے' مثلاً: خوشبوؤں کا استعمال' زیورات کی جھنکار وغیرہ۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ﴾ (النور: ۲۴/ ۳۱)

''اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے وہ معلوم ہو جائے۔''

دورِ جاہلیت میں جب عورت لوگوں کے پاس سے گزرتی تو اپنے پاؤں زمین پر مار کر چلتی' تاکہ پازیب کی جھنکار لوگ سنیں۔ قرآن نے اس سے منع فرمایا' کیونکہ یہ حرکت شہوت پسند مردوں کے شہوانی خیالات کو شہ دیتی ہے اور عورت کے بارے میں یہ برا خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ وہ مردوں کی نگاہوں کو اپنی طرف اور اپنی زینت کی طرف مائل کرنا چاہتی ہے۔

❶ ابو داود' کتاب اللباس: باب فی لبس الشهرة' ح/ ۴۰۳۱.

اسی حکم میں مختلف قسم کی مہکنے والی خوشبوئیں اور عطریات شامل ہیں جن کو عورتیں صنفی جذبات کو برانگیختہ کرنے اور مردوں کو اپنی طرف راغب کرنے کی غرض سے استعمال کرتی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

((اَلْمَرأَةُ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا يَعْنِي زَانِيَةً)) ❶

"عورت جب خوشبو لگا کر نکلتی ہے اور کسی مجلس کے پاس سے گزرتی ہے تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ ہے۔"

معلوم ہوا کہ اسلام نے عورت کو اس بات کا پابند نہیں کیا ہے کہ وہ گھر کی چار دیواری میں مقید ہو کر رہ جائے اور جب قبر میں جانے کی نوبت آئے تب ہی باہر نکلے' بلکہ اس کے لیے جائز کر دیا گیا ہے کہ نماز' حصولِ علم اور ہر قسم کی دینی اور جائز دنیوی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے باہر نکل سکتی ہے چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عورتیں اور ان کے بعد خیر القرون کی عورتیں ان اغراض کے لیے باہر نکلا کرتی تھیں۔ ان میں ایسی خواتین بھی تھیں جو قتال اور غزوات میں شرکت کے لیے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء اور قائدین اسلام کے ساتھ باہر نکلی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

((قَدْ اَذِنَ اللّٰهُ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ)) ❷

"اللہ نے تمہیں اپنی ضرورتوں کے لیے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔"

نیز فرمایا:

((اِذَا اسْتَأْذَنَتِ امْرَاَةُ اَحَدِكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعْهَا)) ❸

❶ ابوداود' کتاب الترجل: باب فی طیب المرأة للخروج' ح:٤١٧٣۔ ترمذی' کتاب الادب: باب ماجاء فی کراهیة خروج المرأة متعطرة' ح: ٢٧٨٦۔ نسائی' کتاب الزینة:باب مایکره للنساء من الطیب' ح: ٥١٢٩۔

❷ بخاری کتاب النکاح: باب خروج النساء لحوائجهن ح:٥٢٣٧۔ مسلم' کتاب السلام: باب اباحة الخروج للنساء' لقضاء حاجة الانسان' ح: ٢١٧٠

❸ بخاری' کتاب النکاح: باب استئذان المرأة زوجهافی الخروج الی المسجد وغیره' ح: ٥٢٣٨' مسلم' کتاب الصلوٰة: باب خروج النساء الی المساجد' ح: ٤٤٢۔

''جب کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت چاہے تو اسے چاہیے کہ اسے روکے نہیں۔''

دوسری حدیث میں ہے:

((لَاتَمْنَعُوْا اِمَآءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ)) ❶

''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں جانے سے نہ روکو۔''

بعض متشدد قسم کے علماء اس طرف گئے ہیں کہ عورت کے لیے مرد کے جسم کے کسی بھی حصہ کا دیکھنا حرام ہے۔ وہ ترمذی کی نبہان' ام سلمہ کے غلام، والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

((اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا لِمَيْمُوْنَةَ وَقَدْدَخَلَ عَلَيْهِمَا ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ اِحْتَجِبَا فَقَالَتَا اِنَّهٗ اَعْمٰى' قَالَ اَفَعُمْيَاوَانِ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهٖ؟)) ❷

''نبی ﷺ نے ان سے اور میمونہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا' جبکہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ان کے پاس آگئے تھے' کہ ان سے پردہ کرو۔ انہوں نے کہا: وہ نابینا ہیں۔ فرمایا: ''کیا تم بھی نابینا ہو؟ تم دونوں انہیں دیکھ نہیں رہی ہو؟''

لیکن محققین اہلِ علم کہتے ہیں کہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہے' کیونکہ اس کا راوی نبہان جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا غلام ہے' حدیث کے معاملہ میں قابل حجت نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کی توجیہ کی جاسکتی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ازواج کے ساتھ ان کی حرمت کے پیش نظر سختی برتی ہوگی جس طرح پردہ کے معاملہ میں ان کے لیے احکام سخت تھے۔ اس کی طرف امام ابوداود اور دیگر ائمہ نے اشارہ کیا ہے۔ ایسی صورت میں فاطمہ بنت قیس والی حدیث رہ جاتی ہے جو صحیح بھی ہے اور ثابت شدہ بھی، اور جس کا مفہوم بھی واضح ہے اور وہ یہ ہے:

---

❶ بخاری' کتاب الجمعة: باب (۱۳)' ح/ ۹۰۰' مسلم' حوالہ سابق' ح/ ۱۳۶/ ۴۴۲).

❷ ابوداود' کتاب اللباس: باب فی قوله تعالٰی (وقل للمؤمنات یغضضن ---) ح: ۴۱۱۲) ترمذی' کتاب الادب: باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال' ح/ ۲۷۷۸۔

((اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَمَرَ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَیْسٍ اَنْ تَقْضِیَ عِدَّتَهَا فِیْ بَیْتِ اُمِّ شَرِیْكٍ ثُمَّ اسْتَدْرَكَ فَقَالَ تِلْكَ امْرَأَةٌ یَغْشَاهَا اَصْحَابِیْ اِعْتَدِیْ عِنْدَ ابْنِ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَاِنَّهٗ رَجُلٌ اَعْمٰی تَضَعِیْنَ ثِیَابَكِ وَلَا یَرَاكِ)) ❶

نبی ﷺ نے فاطمہ بنت قیس کو اُم شریک کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا۔ بعد میں آپ نے اس سے رُجوع کرتے ہوئے فرمایا: ''اس عورت کے پاس میرے اصحاب کی آمد و رفت رہتی ہے' لہٰذا تم ابن اُم مکتوم کے ہاں عدت گزارو۔ وہ نابینا ہیں' تم وہاں اپنی اوڑھنی وغیرہ اُتاروگی تو تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے گا'' ❷

عورت شوہر کے مہمانوں کی خدمت کرسکتی ہے

مذکورہ بحث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں اس کے مہمانوں کی خدمت کرسکتی ہے۔ بشرطیکہ لباس' زینت' گفتگو اور چال ڈھال میں اسلامی آداب کو ملحوظ رکھے۔ قدرتی بات ہے کہ اس حال میں مہمان اسے دیکھ لیں گے اور وہ مہمانوں کو دیکھ لے گی۔ لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے ❸ بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

❶ مسلم' کتاب الطلاق: باب المطلقة البائن لانفقة لها' ح: ۱۴۸۰۔

❷ تفسیر القرطبی-ج ۱۲' ص ۲۲۸۔

❸ مصنف نے جو موقف اختیار کیا ہے کہ عورت اپنے خاوند کی موجودگی میں مطلقاً مہمانوں کے سامنے آسکتی اور ان کی خدمت کرسکتی ہے، یہ موقف احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں اخذ شدہ مجموعی نتیجہ کے پیش نظر غلط ہے۔ خاتون کو اپنے پردے اور حیاء کا ہر لمحہ خیال رکھنا چاہیے۔ عورت کی اصل ذمہ داری کھانا تیار کرنا ہے، جبکہ خاوند یا اہل خانہ میں سے کسی بھی مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ کھانا مہمانوں کے سامنے پیش کرے۔ مہمان اگر محرم رشتہ دار ہے تو اس کا معاملہ الگ ہے۔ لیکن احتیاط اور پردے کے اہتمام کی ضرورت اس وقت انتہائی ضروری ہے جب مہمان غیر محرم ہو۔ لہٰذا گھر میں مرد کی عدم موجودگی کی صورت میں اگر عورت مہمان کی خدمت میں کھانا پیش کرتی یا اس سے کوئی ضروری بات کرتی ہے تو اس میں حرج نہیں لیکن یہاں چند آداب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً: عورت کا لباس اس کے مکمل جسم کو ڈھانپنے والا ہو، لباس اس قدر تنگ یا باریک نہ ہو کہ اس کے جسمانی محاسن نمایاں ہوتے ہوں۔ لباس کو خوشبو نہ لگا رکھی ہو۔ اور بات کرنے میں اس قدر نرمی نہ ہو کہ سننے والا شیطانی وساوس کا شکار ہوجائے۔ تنہائی میں مہمان کے پاس فضول بیٹھنے، لمبی وغیر ضروری گفتگو کرنے سے حددرجہ گریز کرے کیونکہ ایسی ہی صورتیں اخلاقی و معاشرتی تباہی ⇐

شیخین (بخاری و مسلم) نے سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

((لَمَّا اَعْرَسَ اَبُوْ اُسَیْدٍ السَّاعِدِیُّ دَعَا النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَاَصْحَابَهٗ فَمَاصَنَعَ لَهُمْ طَعَامًا وَلاَ قَدَّمَ اِلَیْهِمْ اِلَّا امْرَأَتُهٗ اُمُّ اُسَیْدٍ بَلَّتْ تَمَرَاتٍ فِیْ تَوْرٍمِنْ حِجَارَةٍ مِنَ اللَّیْلِ' فَلَمَّا فَرَغَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الطَّعَامِ اَمَاثَتْهُ لَهٗ فَسَقَتْهُ تُتْحِفُهٗ بِذٰلِكَ)) ❶

''ابو اُسید ساعدی نے شادی کی تقریب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو بلایا۔ اس موقع پر کھانا تیار کرنے اور اس کو پیش کرنے کی خدمت ان کی

⇦⇦ کا سبب بنتی ہیں اور اسی حکمت کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر محرم مرد وعورت کے تنہائی میں بیٹھنے کو معیوب قرار دیا اور اس سے شدید منع فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی مرد جب کسی (غیر محرم) عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو ان کے ساتھ شیطان بھی ہوتا ہے'' [سنن الترمذی: کتاب الفتن، باب لزوم الجماعة، حدیث: ۲۱٦۵۔ مسند احمد: ۱/ ۲٦، حدیث: ۱۷۷] آنے والے مرد کو بھی جب معلوم ہو کہ اس وقت گھر کا مالک (خاوند یا کوئی محرم) گھر میں موجود نہیں تو اس گھر میں آنے سے گریز کرنا چاہیے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورتوں میں جانے سے گریز کرو'' [صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأة . . .، حدیث: ۵۲۳۲] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں عورتوں کا لفظ (جمع کا صیغہ) استعمال کیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب ایک سے زیادہ خواتین (غیر محرم) ہوں تو اس وقت بھی ان کے پاس جانے سے گریز ہی کرنا چاہیے تو ایک خاتون کے پاس جانا اور بیٹھنا تو بالاولیٰ ممنوع ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں یوں مذکور ہے کہ ''کوئی مرد کسی (غیر محرم) خاتون کے ساتھ علیحدگی اختیار نہ کرے، البتہ اگر خاتون کے ساتھ اس کا کوئی محرم موجود ہے تو ایسی صورت میں جائز ہے'' [صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأة ....، حدیث: ۵۲۳۳] اس روایت کے پیش نظر خاتون کو بھی کوشش کرنی چاہیے کہ اگر مہمان کے پاس کسی اشد ضرورت کے پیش نظر بیٹھنا پڑے تو خاوند اگر موجود نہ ہو، تو کوئی محرم (بیٹا، باپ، سسر وغیرہ) پاس ضرور موجود ہو۔ یہ خاتون کی عفت وعصمت کے تحفظ کے لیے بہت بہتر ہے۔ اور مرد حضرات کو غیر محرم خواتین کے پاس بلاضرورت آنے، بات کرنے، علیحدگی میں بیٹھنے اور کسی بھی صورت میں ملاقات کرنے سے حتی الوسع گریز کرنا چاہیے کیونکہ یہ تمام صورتیں اخلاقی و معاشرتی برائیوں کی داعیہ ہیں۔ اور انسان کو فتنے میں مبتلا کر دینے والی صورتیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے فتنے کو بہت بڑا فتنہ قرار دیا ہے۔ [اماں اللہ عاصم]

عورت اپنے مکمل حجاب میں رہ کر ہی مہمانوں کی خدمت کر سکتی ہے کوئی مشکل مرحلہ نہیں ہے۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ)

❶ بخاری' کتاب النکاح: باب قیام المرأة علی الرجال فی العرس ـ ح: ۵۱۸۲ـ مسلم' کتاب الاشربة: باب اباحة النبیذ الذی لم یشتد' ح: ۲۰۰٦.

بیوی اُم اُسید نے انجام دی۔ انہوں نے پتھر کے ایک برتن میں کچھ چھوہارے رات بھگونے کے لیے رکھ چھوڑے۔ جب نبی ﷺ کھانے سے فارغ ہوگئے تو ان کو اپنے ہاتھ سے گھول کر آپ ﷺ کی خدمت میں اس کا تحفہ نوش کرنے کے لیے پیش کر دیا۔''

اس حدیث سے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس بات کا جواز نکلتا ہے کہ عورت اپنے شوہر کے علاوہ اس کے مہمانوں کی بھی خدمت کر سکتی ہے۔'' [1] ظاہر ہے اس کا موقع محل وہی ہو سکتا ہے جبکہ فتنہ کا احتمال نہ ہو اور عورت پر ستر کی جو پابندیاں عائد ہوتی ہیں ان کا لحاظ کرے۔ ایسی صورت میں مرد کا اپنی بیوی سے مہمانوں کی تواضع کی خدمت لینا جائز ہے۔ لیکن اگر عورت ستر کے سلسلہ میں اسلام کی عائد کردہ پابندیوں کا لحاظ نہ کرے جیسا کہ موجودہ زمانہ کی اکثر عورتوں کا حال ہے، تو ایسی صورت میں ان کا مردوں کے سامنے آنا حرام ہو جاتا ہے۔

خلافِ فطرت، فعل کبائر میں سے ہے

جنسی خواہش کی جو تنظیم اسلام نے کی ہے اس سلسلہ کی ایک اہم بات یہ ہے کہ جس طرح زِنا اور اس کے ذرائع کو حرام ٹھہرایا ہے، اسی طرح خلاف فطرت فعل کو بھی جسے لوگ ''لواطت'' یا ''عمل قوم لوط'' کے نام سے جانتے ہیں، حرام کر دیا ہے۔

یہ فعل خبیث خلاف فطرت' گندگی سے آلودہ کرنے والا' مردانگی کو خراب کرنے والا اور عورت کے حق میں ظلم ہے۔

کسی سوسائٹی میں اس خباثت کے پھیلنے سے ان کی زندگی میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اس فعل کے غلام بن جاتے ہیں اور پھر اخلاق' عرف' ذوق سلیم سب کو بھلا بیٹھتے ہیں۔ اس معاملہ میں ہمارے لیے قرآن کا بیان کردہ قصہ یعنی قوم لوط کافی ہے۔ اس قوم نے اس گندے اور بے حیائی کے کام کا آغاز کر کے اسے رواج دیا تھا' وہ جائز اور پاکیزہ عورتوں کو چھوڑ دیتے تھے' تاکہ خبیث اور حرام شہوت کا ارتکاب کریں۔ اسی لیے اللہ کے نبی سیدنا لوط علیہ السلام نے ان سے کہا:

[1] فتح الباری: ۹۔ ۲۵۱.

﴿ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝﴾ (الشعراء: ٢٦/ ١٦٥، ١٦٦)

''دنیا والوں میں سے تم ہی ہو جو مردوں کے پاس جاتے ہو' اور تمہارے لیے جو بیویاں اللہ نے پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو؟ بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہوں۔''

اور قرآن نے اس کا ابطال کرتے ہوئے اسے ظلم وزیادتی' جہالت وفساد اور جرم قرار دیا۔

جو شخص اس بے حیائی کا مرتکب ہو اس کی سزا کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ آیا فاعل ومفعول دونوں پر زنا کی حد جاری کی جائے؟ یا دونوں کو قتل کر دیا جائے؟ پھر قتل کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ تلوار سے قتل کیا جائے یا آگ میں ڈال دیا جائے' یا دیوار پر سے گرا دیا جائے؟

اتنی سخت سزا اس لیے تجویز کی گئی ہے کہ اسلامی معاشرہ کو ان فاسد اور مُضر جراثیم سے پاک رکھا جائے' جن سے مہلک عناصر ہی جنم لیتے ہیں۔

استمناء (ہاتھ سے منی خارج کرنے) کا حکم

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نوجوانوں کے خون میں طبعی طور پر تحریک پیدا ہوجاتی ہے اور وہ اپنے ہاتھ سے منی خارج کرتے ہیں تاکہ ان کے اعصاب کو آرام ملے اور جوش ٹھنڈا پڑ جائے۔ اسے آج کل ''عادت سریہ'' (پوشیدہ عادت بد) کہتے ہیں۔

اکثر علماء کے نزدیک یہ حرام ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝﴾ (المؤمنون: ٢٣/ ٥ تا ٧)

''جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ بجز اپنی بیویوں اور اپنی لونڈیوں کے کہ اس بارے میں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ لیکن جو اس کے علاوہ کوئی اور

طریقہ اختیار کرنا چاہے گا تو ایسے ہی لوگ زیادتی کرنے والے ہیں۔"

جو شخص اپنے ہاتھ سے منی خارج کرتا ہے وہ قضائے شہوت کے لیے بیوی یا لونڈی کے علاوہ اور طریقہ اختیار کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔

❀ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ منی کو جسم کے دیگر فضلات کی طرح ایک فضلہ خیال کرتے تھے۔ اور اس بنا پر اس کا اخراج جائز سمجھتے تھے۔ جیسا کہ فصد کھولنا جائز ہے۔ اس مسلک کی تائید علامہ ابن حزم ظاہری نے کی ہے۔ اور فقہائے حنابلہ نے اس کا جواز دو شرطوں کے ساتھ تسلیم کیا ہے:

❀ ایک یہ کہ آدمی کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو

❀ دوسرا یہ کہ نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔

امام احمد کی رائے ایسے حالات میں اختیار کی جاسکتی ہے جبکہ شہوانی خواہشات کا غلبہ اور حرام کے ارتکاب کا اندیشہ پیدا ہو جائے۔ مثال کے طور پر کوئی نوجوان جو زیر تعلیم ہو یا وطن سے دور کسی مقام پر کام کاج کرتا ہو اور جنسیات والے ماحول سے اس کا واسطہ پڑ رہا ہو اور اس بنا پر وہ تکلیف اور پریشانی محسوس کرتا ہو، تو ایسی صورت میں اگر وہ اس ذریعہ کو اختیار کر کے جوشِ طبع کو ٹھنڈا کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس معاملہ میں حد سے تجاوز نہ کرے اور اس کا عادی نہ بن جائے۔

لیکن اس سے بہتر طریقہ وہ ہے جس کی طرف رسول کریم ﷺ نے رہنمائی فرمائی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو نوجوان مسلمان نکاح نہ کرسکتا ہو وہ بکثرت روزے رکھے کہ روزہ قوت ارادی کی پرورش کرتا ہے' صبر کی تعلیم دیتا ہے' تقویٰ کی صلاحیت اور اللہ کی نگرانی کا تصور ذہن میں پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((یَامَعْشَرَ الشَّبَابَ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَ ةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ .)) ❶

---

(۱) بخاری' کتاب النکاح: باب قول النبی ﷺ" من استطاع منکم الباء ة... " ح:۵۰۶۵۔ مسلم' کتاب النکاح: باب استحباب النکاح' ح/ ۱۴۰۰۔

''اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ شادی کرے' کیونکہ یہ نظروں کو نیچا رکھنے کا اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ لیکن جو شخص نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے روزہ رکھنا چاہیے کہ روزہ شہوت کو توڑ دیتا ہے۔''

شادی بیاہ

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے

اسلام نے جنسی خواہش کو بے لگام نہیں چھوڑا ہے کہ شتر بے مہار کی طرح جس راہ پر چاہے چل پڑے' بلکہ اس پر مضبوط گرفت رکھی ہے' چنانچہ اسلام نے زنا ہی کو نہیں اس کے اسباب و متعلقات کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ لیکن دوسری جانب اسلام ایسے رجحانات کا مخالف ہے جو فطری خواہش سے متصادم ہوں' یا اس کو سرے سے ختم کر دینا چاہتے ہوں۔ اسی لیے اسلام نے نکاح کی ترغیب دی ہے اور غیر شادی شدہ رہنے' یا اپنے کو خصی کر لینے کی ممانعت کی ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ استطاعت کے باوجود نکاح سے اس بنا پر اعراض کرے کہ وہ دنیا سے قطع تعلق کر کے اللہ کا ہو کر رہنا چاہتا ہے۔ یا یکسو ہو کر عبادت کرنا چاہتا ہے۔

بعض اصحابِ رسول ﷺ میں ترک دنیا کا رجحان پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن جوں ہی نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ ترک دنیا اسلام کی راہ سے انحراف اور سنتِ نبوی ﷺ سے اعراض ہے۔ اس طرح آپ ﷺ نے ان نصرانی افکار کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ہے۔

سیدنا ابو قلابہ بیان کرتے ہیں:

((اَرَادَ اُنَاسٌ مِنْ اَصْحٰبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَرْفُضُوْا الدُّنْيَا وَيَتْرُكُوْا النِّسَاءَ وَيَتَرَهَّبُوْا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَغَلَّظَ فِيْهِمُ الْمَقَالَةَ ثُمَّ قَالَ: اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالتَّشْدِيْدِ' شَدَّدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَاُولٰئِكَ بَقَايَا هُمْ فِي الدِّيَارِ وَالصَّوَامِعِ' فَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَاتُشْرِكُوْا بِهٖ وَحُجُّوْا وَاعْتَمِرُوْا

وَاسْتَقِيمُوا يَسْتَقِمْ بِكُمْ)) ❶

کچھ اصحاب رسول نے تارک الدنیا بننے' عورتوں کو چھوڑ دینے اور رہبانیت اختیار کرنے کا ارادہ کیا' لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس پر سخت گرفت کرتے ہوئے فرمایا: ''تم سے پہلے کے لوگ دین میں تشدد اختیار کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔ انہوں نے جب تشدد اختیار کیا تو اللہ نے بھی ان کے ساتھ تشدد کا معاملہ کیا۔ ان ہی کے یہ اخلاف (بُرے جانشین) ہیں جو دیار اور خانقاہوں میں پائے جاتے ہیں' پس اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ حج کرو' عمرہ کرو اور راستی اختیار کرو کہ تمہارے ساتھ بھی راستی کا معاملہ کیا جائے۔''

راوی کہتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴾ (المائدة : ٥/ ٨٧)

''اے ایمان لانے والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ ٹھہراؤ اور نہ حد سے تجاوز کرو۔ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اور مجاہد کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں نے چاہا کہ وہ تجرد کی زندگی گزاریں اور اپنے آپ کو خصی بنا لیں اور ٹاٹ کا کپڑا پہنیں۔ اس پر مذکورہ آیت اور اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی۔ ❷

صحیح بخاری وغیرہ کی روایت ہے:

((اِنَّ رَهْطًا مِنَ الصَّحَابَةِ ذَهَبُوْا اِلٰى بُيُوْتِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُوْنَ اَزْوَاجَهُ عَنْ عِبَادَتِهِ' فَلَمَّا أُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا ثُمَّ قَالُوْا اَيْنَ

❶ تفسیر طبری (٩١٧) ۔ تفسیر درمنثور (٣/ ١٤٠)۔ کتاب الزهد لعبد الله بن المبارك (ص/ ٣٦' ح/ ١٠٣١) واسناده ضعيف لارساله ولبعضه شاهد عند ابی داود۔ (٤٩٠٤)

❷ تفسیر طبری(٧/ ١٠-١١)

نَحْنُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَأَخَّرَ۔ فَقَالَ اَحَدُھُمْ اَمَّا اَنَا فَاَصُوْمُ الدَّھْرَ فَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الثَّانِیْ وَاَنَا اَقُوْمُ اللَّیْلَ فَلَا اَنَامُ وَقَالَ الثَّالِثُ وَاَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا۔ فَلَمَّا بَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِیَّ ﷺ بَیَّنَ لَھُمْ خَطَأَھُمْ وَعِوَجَ طَرِیْقِھِمْ وَقَالَ لَھُمْ اِنَّمَا اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِاللّٰہِ وَاَخْشَاكُمْ لَہٗ وَلٰكِنِّیْ اَقُوْمُ وَاَنَامُ وَاَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ۔ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ)) ❶

''صحابہ کا ایک گروہ نبی ﷺ کے گھر گیا تاکہ ازواج مطہرات سے آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم کریں۔ جب ان کو آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے خیال کیا کہ یہ عبادت کم ہے۔ اور کہنے لگے کہاں ہم اور کہاں اللہ کا پیغمبر! آپ ﷺ کے تو تمام اگلے پچھلے گناہ اللہ معاف کر چکا ہے۔ پھر ان میں سے ایک شخص نے کہا: ''میں تو مسلسل روزے رکھوں گا۔''

اور دوسرے نے کہا: ''میں رات بھر عبادت کروں گا بالکل نہیں سوؤں گا۔''

اور تیسرے نے کہا: ''میں عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کروں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔''

جب نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کی غلطی اور کجروی ان پر واضح کرتے ہوئے فرمایا: ''میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں لیکن رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو کوئی میرے طریقہ سے انحراف کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔''

سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

❶ بخاری' کتاب النکاح: باب الترغیب فی النکاح' ح:٥٠٦٣۔ مسلم' کتاب النکاح: باب استحباب النکاح' ح/ ١٤٠١۔

((رَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنِ التَّبَتُّلَ وَلَوْ اَذِنَ لَهٗ لَاخْتَصَیْنَا)) ❶

''رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون کو تجرد کی زندگی گزارنے سے منع فرمایا۔ اگر آپ ﷺ انہیں اجازت دے دیتے تو ہم اپنے آپ کو خصی کر لیتے۔''

آپ ﷺ نے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

((یَامَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَاءَةَ فَلْیَتَزَوَّجْ فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ.)) ❷

''اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ نکاح کر لے کیونکہ نکاح غض بصر اور شرمگاہ کی حفاظت کا باعث ہے۔''

اسی بنا پر بعض علماء کہتے ہیں کہ نکاح کرنا مسلمان پر فرض ہے۔ باوجود استطاعت کے نہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور دیگر علماء کی رائے میں اس شخص پر فرض ہے جو نکاح کا مشتاق ہو اور اپنے لیے اندیشہ محسوس کرتا ہو۔

مسلمان کے لیے مناسب نہیں ہے کہ رزق کی تنگی یا ذمہ داریوں کے اندیشہ کے پیشِ نظر اپنے آپ کو نکاح سے روکے رکھے۔ بلکہ اسے کوشش کرنی چاہیے اور اللہ کے فضل و اعانت کا امیدوار ہونا چاہیے جس کا وعدہ اللہ نے ان لوگوں سے کیا ہے جو عفت و پاکدامنی کی خاطر نکاح کرتے ہیں۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ اَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَ اِمَآئِکُمْ ؕ اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ﴾ (النور : ٢٤/ ٣٢)

---

❶ بخاری' کتاب النکاح: باب مایکرہ من التبتل' ح: ٥٠٧٣۔ مسلم' کتاب النکاح: باب استحباب النکاح' ١٤٠٢

❷ بخاری' کتاب النکاح: باب قول النبی ﷺ "من استطاع منکم الباءۃ" ح ٥٠٦٥۔ مسلم' کتاب النکاح: باب استحباب النکاح' ح: ١٤٠٠۔

''تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں ان کا نکاح کر دو۔ اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَوْنُهُمْ، اَلنَّاكِحُ الَّذِي يُرِيْدُ الْعِفَافَ، وَالْمُكَاتِبُ الَّذِيْ يُرِيْدُ الْاَدَاءَ وَالْغَازِي فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) ❶

''تین اشخاص ایسے ہیں کہ ان کی مدد اللہ کے ذمہ ہے۔ ایک نکاح کرنے والا جو طالب عفت ہو، دوسرا وہ مکاتب غلام جو مال ادا کر کے آزاد ہونا چاہتا ہو اور تیسرا اللہ کی راہ کا مجاہد۔''

جس عورت کو نکاح کا پیغام دینا ہو، اس پر نظر ڈالنا

مسلمان جب شادی کا عزم کر لے اور کسی مخصوص عورت کو نکاح کا پیغام دینے کا ارادہ کر لے تو نکاح کے سلسلہ میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے وہ اس عورت کو ایک نظر دیکھ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اس عورت پر نظر ڈالنا جائز ہے، تاکہ وہ سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آنکھیں بند کر کے چل پڑے اور بعد میں پچھتانے لگے کہ اس مصیبت سے کس طرح چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔

آنکھیں درحقیقت دل کی پیغامبر ہیں اور آنکھوں کے ذریعے دل متاثر ہوتے ہیں اور ارواح کے درمیان اُنسیت پیدا ہو جاتی ہے۔ امام مسلم نے سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَاَخْبَرَهُ اَنَّهُ تَزَوَّجَ امْرَاَةً مِنَ الْاَنْصَارِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، اَنَظَرْتَ اِلَيْهَا؟ قَالَ لَا۔ قَالَ:

❶ مسند احمد (۲/ ۴۳۷)، ترمذی، کتاب فضائل الجهاد: باب ماجاء فی المجاهد والناکح، ح: ۱۶۵۵ ۔نسائی، کتاب النکاح: باب معونة الناکح الذی یرید العفاف، ح:۳۲۲۰۔ ابن ماجه، کتاب العتق: باب المکاتب، ح/ ۲۵۱۸ .

فَاذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا' فَاِنَّ فِىْ اَعْيُنِ الْاَنْصَارِ شَيْئًا)) ❶

میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ وہ انصار کی ایک خاتون سے نکاح کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: تم نے اسے دیکھا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: ''جاؤ اور اُسے دیکھ لو کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ نقص ہوتا ہے۔''

سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((اَنَّهٗ خَطَبَ امْرَاَةً فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ : اُنْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّهٗ اَحْرٰى اَنْ يُّؤْدَمَ بَيْنَكُمَا۔ فَاَتٰى اَبَوَيْهَا فَاَخْبَرَهُمَا بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَكَاَنَّهُمَا كَرِهَا ذٰلِكَ..... فَسَمِعَتْ ذٰلِكَ الْمَرْاَةُ وَهِىَ فِىْ خِدْرِهَا فَقَالَتْ:اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَكَ اَنْ تَنْظُرَ فَانْظُرْ..... قَالَ الْمُغِيْرَةُ: فَنَظَرْتُ اِلَيْهَا فَتَزَوَّجْتُهَا)) ❷

''انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے دیکھ لو کہ ایسی صورت میں تمہارے درمیان موافقت پیدا ہو جانے کا قوی امکان ہے۔'' مغیرہ عورت کے والدین کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے ارشاد سے ان کو مطلع کیا۔ انہوں نے نامناسب سا خیال کیا۔ ....لیکن جب عورت نے پردہ کے اندر سے سُنا تو کہا: اگر رسول اللہ ﷺ نے دیکھنے کے لیے کہا ہے تو دیکھ لیجیے..... مغیرہ کہتے ہیں: یہ جواب سن کر میں نے اسے دیکھ لیا اور اس سے شادی کر لی۔''

مخطوبہ (وہ عورت جس کو شادی کا پیغام دیا جائے) کو کس حد تک دیکھا جا سکتا ہے؟ اس

---

❶ مسلم' کتاب النکاح: باب ندب من اراد النکاح امرأة ..... ح/ ۱۴۲۴۔

❷ مسند احمد (۲۴۶/۴)' ترمذی' کتاب النکاح: باب ماجاء فی النظر الی المخطوبة' ح:۱۰۸۷۔ نسائی' کتاب النکاح: باب اباحة النظر قبل التزویج' ح/ ۳۲۳۷۔ابن ماجه' کتاب النکاح: باب النظر الی المرأة اذا اراد ان یتزوجها' ح: ۱۸۶۶۔ سنن الدارمی۔(۱۳۴/۲۔ح: ۲۱۷۶)

کی کوئی صراحت نبی ﷺ نے نہیں فرمائی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ چہرے اور ہتھیلیوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں پیغام بھیجنے والے کی کیا خصوصیت ہوئی؟ ان اعضاء پر تو پیغام بھیجنے کے بغیر بھی نظر ڈالی جاسکتی ہے! پیغام کے لیے دیکھنے کا جو استثناء ہے، اس سے تو یہی مفہوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں جس حد تک دیکھنا جائز ہے، اس سے کچھ زیادہ ہی دیکھنا اس موقع پر جائز ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

((اِذَا خَطَبَ اَحَدُكُمُ الْمَرْاَةَ فَقَدِرَ اَنْ يَنْظُرَ مِنْهَا بَعْضَ مَايَدْعُوْهُ اِلٰى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ)) ❶

''جب کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے اور اس کے لیے یہ ممکن ہو کہ اس کو کسی قدر دیکھ لے یعنی جس قدر دیکھنا نکاح کے لیے ضروری ہے تو وہ ایسا کرلے۔''

ایک طرف بعض علماء اس حد تک رخصت کے قائل ہیں اور دوسری طرف کچھ دوسرے علماء کا اس معاملہ میں مسلک بہت تنگ ہے۔ بہتر صورت توسط اور اعتدال کی ہے۔ بعض محققین کی رائے میں پیغام دینے والے شخص کو اس حد تک اجازت ہونی چاہیے کہ وہ مخطوبہ کو ایسے لباس میں دیکھے جس میں کہ وہ اپنے باپ' بھائی اور دیگر محرموں کے سامنے بلا تکلف آتی ہے۔ بلکہ اس بات کی بھی اجازت ہونی چاہیے کہ مخطوبہ کے فہم' ذوق اور امتیازی خصوصیات کا مشاہدہ کرنے کی غرض سے کسی محرم کی معیت میں اس کے ساتھ کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں معمولاً اس مخطوبہ کی آمد و رفت رہتی ہو بشرطیکہ وہ مقام جائز نوعیت کا ہو اور مخطوبہ شرعی لباس میں ہو۔ اس لیے کہ یہ باتیں مذکورہ حدیث ''جس قدر دیکھنا نکاح کے لیے ضروری ہے۔'' کے مفہوم میں شامل ہیں۔

(المرأة بين البيت والمجتمع' للاستاذ البهي الخولي۔ص ٢٤)

پیغام دینے والا شخص مخطوبہ اور اس کے گھر والوں کو مطلع کر کے بھی اسے دیکھ سکتا ہے اور

❶ مسند احمد (٣/ ٣٦٠) واللفظ له ورواه ابوداود' في كتاب النكاح: باب في الرجل ينظر الى المرأة' ح: ٢٠٨٢۔

بغیر اطلاع کے بھی' بشرطیکہ ارادہ واقعی پیغامِ نکاح دینے کا ہو۔ سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں ایک درخت کے پیچھے چھپ کر اسے دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ ❶

سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان باپ کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ رسم ورواج کے نام پر اپنی بیٹی کو دیکھنے سے کسی ایسے شخص کو روکے جو واقعی اس کو نکاح کا پیغام دینا چاہتا ہو۔ ضروری ہے کہ رسم ورواج شریعت کے تابع رہیں۔ شریعت کو رسم ورواج کے تابع کرنا بڑی غلط بات ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی جائز نہیں ہے' نہ باپ کے لیے اور نہ پیغام دینے والے کے لیے اور نہ ہی مخطوبہ کے لیے کہ وہ رخصت سے فائدہ اٹھا کر کسی نوجوان لڑکے یا لڑکی کو اس حد تک اجازت دیں کہ وہ پارکوں میں ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے پھریں اور پیغام کے نام پر تھیٹروں' تفریح گاہوں اور بازاروں کی سیر کریں اور ساتھ میں کوئی محرم رشتہ دار بھی نہ ہو۔ اگر محرم بھی ساتھ ہو تو سب بھی ایسی جگہوں پر گھومتے پھرنا جائز نہیں، یہ شادی سے پہلے دیکھ لینے کی رخصت کا ناجائز استعمال ہوگا۔ جو کہ سراسر ممنوع اور گناہ کا باعث ہے۔ آج کل نسلِ نو مغربی تہذیب کے دلدادہ ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انتہا پسندی خواہ وہ دائیں جانب ہو' یا بائیں جانب، (افراط وتفریط) اسلام کے مزاج سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتی۔

پیغام دینے کی حرام صورتیں

1 مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے' کہ وہ کسی ایسی عورت کو نکاح کا پیغام دے' جو طلاق یا شوہر کی وفات کی عدت گزار رہی ہو۔ چونکہ عدت کی مدت سابق رشتہ زوجیت کے احترام کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے اس معاملہ میں زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہو تو دوران عدت اس کے ذہن میں یہ بات اشارے کنایہ میں ڈال سکتا ہے کہ وہ نکاح کے لیے آمادہ ہے۔ مگر صراحت کے

❶ مسند احمد: ۳ ۳۳٤۔

ساتھ وہ پیغام نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۳۵)

''اور اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ پیغام نکاح کی بات اشارہ و کنایہ میں کہو۔''

۲ دوسری بات یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے پیغام پر پیغامِ نکاح دینا حرام ہے' جبکہ ان کی بات چیت کامیابی کے مرحلہ میں پہنچ گئی ہو۔ کیونکہ جس شخص نے پہلے پیغام دیا ہے اس کو ایک قسم کا حق حاصل ہوگیا ہے' جس کا خیال رکھنا چاہیے۔ نیز لوگوں کے ساتھ تعلقات کی بہتری اور خلافِ مروّت کام کرنے سے احتراز کے پیش نظر بھی ایسا کرنا ضروری ہے' ورنہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے شخص کا حق چھین لیا گیا اور یہ ایک طرح کی زیادتی ہوگی۔ لیکن اگر پہلا شخص جس نے پیغام دیا ہے، اپنا ارادہ ترک کر دے' یا خود ہی دوسرے شخص کو پیغام کی اجازت دے دے تو ایسی صورت میں دوسرے شخص کے پیغام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنَ فَلاَ يَحِلُّ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يَبْتَاعَ عَلٰى بَيْعِ اَخِيْهِ وَلاَ يَخْطُبُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ)) ❶

''مومن مومن کا بھائی ہے' کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرے اور نہ یہ بات جائز ہے کہ اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام دے۔''

نیز فرمایا:

((لاَ يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلٰى خِطْبَةِ الرَّجُلِ حَتّٰى يَتْرُكَ الْخَاطِبُ قَبْلَهُ اَوْ يَأْذَنَ لَهُ)) ❷

---

❶ مسلم' کتاب النکاح: باب تحریم الخطبة علی خطبة اخیه' ح: ۱٤۱٤۔

❷ بخاری' کتاب النکاح: باب لا یخطب علی خطبة اخیه' ح: ۵۱٤۲۔ مسلم' حواله سابق' ح: ۱٤۱۲۔

''کوئی شخص کسی کے پیغام پر پیغام نہ دے' تاوقتیکہ جس نے پیغام دیا ہے وہ اپنا ترک نہ کرے یا دوسرے شخص کو اجازت نہ دے۔''

کنواری لڑکی سے نکاح کی اجازت لی جائے اور جبر نہ کیا جائے

جوان لڑکی اپنے نکاح کے معاملہ میں اولین اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی رائے کو کوئی اہمیت نہ دینا اور اس کی رضا مندی کی پروا نہ کرنا اس کے باپ یا ولی کے لیے جائز نہیں ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

((اَلثَّیِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِیِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِیْ نَفْسِهَا وَاِذْنُهَا صِمَاتُهَا)) ❶

''شوہر دیدہ عورت ولی کے مقابلہ میں اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے۔ اور کنواری عورت سے اس کے نفس کے معاملہ میں اجازت لی جائے' اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔''

((وَجَاءَ تْ فَتَاةٌ اِلَى النَّبِیِّ ﷺ فَاَخْبَرَتْهُ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا مِنَ ابْنِ اَخِیْهِ وَهِیَ لَهٗ كَارِهَةٌ فَجَعَلَ النَّبِیُّ ﷺ الْاَمْرَ اِلَیْهَا فَقَالَتْ: قَدْ اَجَزْتُ مَاصَنَعَ اَبِیْ وَلٰكِنْ اَرَدْتُ اَنْ اُعْلِمَ النِّسَاءَ اَنَّ لَیْسَ لِلْاٰبَاءِ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ.)) ❷

''ایک لڑکی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے لیکن یہ رشتہ اسے پسند نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے اسے فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا۔ اس نے کہا: میرے والد نے جو رشتہ کر دیا ہے میں اسے برقرار رکھتی ہوں۔ دراصل میں عورتوں کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ باپ کو لڑکی کی مرضی کے بغیر رشتہ کر دینے کا اختیار نہیں ہے۔''

باپ کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ لڑکی کا نکاح کسی ایسے شخص کا پیغام آجانے پر

---

❶ مسلم' کتاب النکاح: باب استیذان الثیب فی النکاح بالنطق' ح ۱۴۲۱۔

❷ ابن ماجه: کتاب النکاح' باب من زوج بسنة وهی کارهة' ح ۱۸۷۴ و اسناده ضعیف۔

مؤخر کر دے جو دیندار' با اخلاق اور اس کی برابری کا ہو۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((ثَلٰثٌ لَايُؤَخَّرْنَ۔ اَلصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ' وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ' وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدَتْ لَهَا كُفْئًا)) ❶

''تین چیزوں کو مؤخر نہیں کرنا چاہیے: نماز جبکہ وقت ہو جائے' جنازہ جبکہ حاضر ہو' مجرد عورت کا نکاح جبکہ اس کی برابری کا رشتہ مل جائے۔''

نیز فرمایا:

((اِذَا اَتَاكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهٗ وَخُلُقَهٗ فَزَوِّجُوْهُ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِي الْاَرْضِ فِتْنَةٌ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ)) ❷

''جب ایسا رشتہ سامنے آجائے جس کے دین و اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دو' ورنہ زمین میں بڑا فتنہ اور فساد برپا ہوگا۔''

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے

جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، وہ یہ ہیں:

❶ باپ کی بیوی

(یعنی سوتیلی ماں) خواہ باپ نے اسے طلاق دے دی ہو' یا بیوہ ہو گئی ہو۔

زمانہ جاہلیت میں یہ نکاح جائز تھا' لیکن اسلام نے اس کو باطل قرار دیا' کیونکہ باپ کی منکوحہ ماں کے درجہ میں ہوتی ہے۔ اس لیے مناسب یہی تھا کہ باپ کے احترام کے پیش نظر اسے حرام کر دیا جائے۔ یہ حرمت ابدی ہے جس کے بعد نہ بیٹے کے دل میں خواہش پیدا ہو سکتی ہے، نہ سوتیلی ماں کے دل میں۔ بلکہ دونوں کے درمیان احترام اور تقدس کا رشتہ استوار ہو چکا ہوتا ہے۔

❷ ماں: اسی طرح دادی اور نانی اور جو اس سے اوپر کے درجہ میں ہوں۔

❸ لڑکی: اسی طرح پوتی اور نواسی جو اس سے نیچے کے درجہ میں ہوں۔

❶ ترمذی کتاب الجنائز' باب ماجاء فی تعجیل الجنازۃ ح ۱۰۷۵'۱۷۱ و اسنادہ ضعیف۔

❷ ترمذی و کتاب النکاح: باب ماجاء فیمن ترضون دینہ فزوجوہ' ح ۱۰۸۵۔

❹ بہن: خواہ سگی ہو یا علاتی یا اخیافی۔

❺ پھوپھی: یعنی باپ کی سگی، علاتی یا اخیافی بہن۔

❻ خالہ: یعنی ماں کی سگی، علاتی یا اخیافی بہن۔

❼ بھتیجیاں۔

❽ بھانجیاں۔

یہ رشتہ دار خواتین اسلام میں ''محارم'' کہلاتی ہیں، کیونکہ یہ مسلمان کے لیے ابدی طور پر حرام ہیں۔ کسی وقت اور کسی حال میں ان سے نکاح جائز نہیں ہوسکتا۔ مرد کو بھی ان کی نسبت سے ''محرم'' کہا جاتا ہے۔

ان رشتوں کو حرام قرار دینے کی مصلحتیں

(ا) مہذب انسان کی فطرت کبھی اس بات کو گوارا نہیں کرتی کہ وہ اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اپنی ماں، بہن اور بیٹی سے تعلق قائم کرلے۔ انسان تو انسان بعض حیوانات بھی ایسا نہیں کرتے۔ خالہ اور پھوپھی کے بارے میں بھی آدمی اپنی ماں ہی کی طرح احترام کے جذبات رکھتا ہے۔ اور چچا اور ماموں، عورت کے لیے بمنزلہ والد کے ہوتے ہیں۔

(ب) اگر شریعت نے ان محرمات کے سلسلہ میں احکام نہ دیئے ہوتے جس نے شہوانی تعلق کے تصور ہی کو ختم کر کے رکھ دیا ہے، تو ان کے ساتھ خلوت میں رہنے اور سد اختلاط کی وجہ سے عجب نہیں تھا کہ ان کے ساتھ جنسی تعلقات پیدا ہوجاتے۔

(ج) ان اقرباء کے ساتھ گہری جذباتی وابستگی ہوتی ہے جس کی بنا پر آدمی انکا احترام کرتا ہے اور ان کے ساتھ ہمدردی وشفقت سے پیش آتا ہے۔ اس لیے مناسب یہی تھا کہ آدمی محبت کے جذبات کے ساتھ اجنبی عورتوں سے ازدواجی تعلق قائم کرے۔ اس طرح نئے تعلقات قائم ہوجاتے ہیں اور لوگوں کے درمیان محبت و مودت کا دائرہ وسیع ہوجاتا ہے:

﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ (الروم : ۳۰/ ۳۱)

''اور تمہارے درمیان مودت ورحمت پیدا کر دی۔''

(د) جو فطری جذبہ ان رشتہ داروں کے بارے میں انسان کے اندر پایا جاتا ہے اس کا برقرار رہنا اشد ضروری ہے' تاکہ ان کے درمیان جو دائمی رشتہ ہے، وہ پختہ ہو سکے اور ان سے محبت اور ان کی سرپرستی وغیرہ کے لیے بنیاد فراہم ہو سکے۔ اس کے برعکس ان کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرنے کا مطلب ان سے اختلاف اور نزاع کے لیے بنیاد فراہم کرنا ہے' جس کا نتیجہ علیحدگی اور تعلقات کے انقطاع کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

(ہ) ان رشتہ داروں سے ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی صورت میں جو نسل پیدا ہوگی اس کا کمزور ہونا اغلب (زیادہ غالب) ہے۔ اور اگر کسی کنبہ میں جسمانی یا عقلی عیب ہوگا تو اس کی نسل میں وہ منتقل ہو سکتا ہے۔

(و) عورت اس بات کی ضرورت مند ہوتی ہے کہ اس کی طرف سے کوئی مقدمہ لڑنے والا ہو اور اس کے شوہر کے پاس اس کے مفاد کی حمایت کرنے والا ہو۔ خاص طور سے ایسی صورت میں عورت اس کی شدید ضرورت محسوس کرتی ہے جبکہ میاں بیوی کے تعلقات خراب ہو جائیں۔ لیکن جب پوزیشن یہ ہو کہ اس کا حامی ہی حریف بن جائے تو پھر عورت کا کیا حال ہوگا؟

رضاعت کی بنا پر حرام رشتے

❾ جس عورت نے بچپن میں دودھ پلایا ہو اس سے نکاح کرنا ایک مسلمان مرد کے لیے حرام ہے۔ دودھ پلانے کی وجہ سے عورت ماں کے حکم میں ہوگئی۔ دودھ نے اس کے گوشت اور ہڈیوں کے بننے میں حصہ لیا ہے اور رضاعت نے دونوں کے درمیان ماں بیٹے کا جذباتی تعلق پیدا کر دیا ہے۔ رضاعت کے مؤثر ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ بچپن میں یعنی بچہ کی عمر دو سال ہونے سے قبل' اسے دودھ پلایا گیا ہو۔ اس زمانہ بچہ کے دودھ پینے کا مطلب یہ ہے کہ بچہ خود سیری کے احساس سے پستان چھوڑ دے۔ پانچ مرتبہ کی قید مختلف روایتوں کے پیش نظر راجح اور مبنی بر اعتدال ہے۔

⑩ رضاعی بہنیں: جس طرح عورت بچہ کی رضاعی ماں بن گئی' اسی طرح اس (ماں) کی لڑکیاں بچہ کی رضاعی بہنیں بن گئیں۔ نیز اس عورت کی بہنیں بچہ کی رضاعی خالائیں بن گئیں۔

اسی طرح عورت کے دوسرے رشتہ دار بھی اس کے رضاعی رشتہ دار بن گئے۔

حدیث نبوی ہے:

((یُحَرَّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا یُحَرَّمُ مِنَ النَّسَبِ)) ❶

''جو رشتے نسب سے حرام ہو جاتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔''

جس طرح نسب سے پھوپھی' خالہ' بھتیجی اور بھانجی کا رشتہ حرام ہے اسی طرح رضاعت سے بھی یہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں۔

مصاہرت سے رشتوں کی حُرمت

⑪ بیوی کی ماں: (ساس) کا رشتہ بھی حرام رشتوں میں شامل ہے۔ اسلام میں یہ رشتہ اس کی بیٹی کے ساتھ محض عقد ہو جانے کی بنا پر حرام ہو جاتا ہے' خواہ اس بیٹی سے زن وشو کا تعلق قائم نہ ہوا ہو' کیونکہ ساس ماں کے درجہ میں ہے۔

⑫ ربیبہ: یعنی جس بیوی سے مرد وزن کا تعلق قائم کر چکا ہو اس کی لڑکی (جو دوسرے شوہر سے ہو) لیکن اگر اس سے زن کا تعلق قائم نہ کر چکا ہو تو اس کی لڑکی سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

⑬ بیٹے کی بیوی: بیٹے سے مراد صلبی بیٹا ہے نہ کہ متبنّیٰ (لے پالک) کیونکہ اسلام نے تبنیت کے قاعدہ کو باطل قرار دیا ہے کہ یہ خلافِ حقیقت اور خلافِ واقع بات ہے اور اس سے حلال حرام اور حرام حلال ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

❶ بخاري' كتاب الشهادات: باب الشهادة على الانساب.....' ح:٢٦٤٥۔ مسلم' كتاب الرضاع: باب تحريم ابنة الاخ من الرضاعة' ح: ١٤٤٧۔

﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ﴾

(الاحزاب : ۳۳/ ٤)

''اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا نہیں بنایا ہے۔ یہ محض تمہارے منہ سے نکلی ہوئی باتیں ہیں۔''

یعنی یہ محض منہ سے نکلی ہوئی بات ہے۔ اس سے حقیقت بدلتی نہیں ہے اور نہ اجنبی آدمی رشتہ دار بن سکتا ہے۔

مذکورہ تینوں رشتوں کی حُرمت مُصاہرت کی وجہ سے ہے۔ مصاہرت سے جو رشتہ استوار ہوتا ہے وہ اس بات کا متقاضی ہے کہ درج ذیل یہ رشتے حرام قرار پائیں۔

دو بہنوں کو جمع کرنا

۹۳ اسلام نے دو بہنوں کو جمع کرنا بھی حرام ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ زمانہ جاہلیت میں یہ جائز تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دو بہنوں کا باہمی رشتہ اخوت، جس کو اسلام دائمی طور پر برقرار رکھنا چاہتا ہے، ایسی صورت میں برقرار نہیں رہ سکتا جبکہ دو بہنیں آپس میں سوکنیں بھی ہوں۔

قرآن نے دو بہنوں کو جمع کرنے کی حُرمت صراحت کے ساتھ بیان کی ہے۔ ❶ رسول اللہ ﷺ نے مزید یہ حکم دیا:

((لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا)) ❷

''عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ جمع نہ کیا جائے۔ اور نہ اسے اس کی خالہ کے ساتھ ایک نکاح میں جمع کیا جائے۔''

جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے۔ نیز فرمایا:

((اِنَّكُمْ اِنْ فَعَلْتُمْ ذٰلِكَ قَطَعْتُمْ اَرْحَامَكُمْ)) ❸

---

❶ صحیح ابن حبان(۱٦٦٦)معجم کبیر طبرانی: (۱۱ ۳۳۷)۔

❷ وان تجمعوا بین الاختین۔(سورۃ النساء:۲۳) اور یہ کہ تم دو بہنیں (ایک نکاح) میں جمع کرو۔

❸ بخاری' کتاب النکاح: باب لا تنکح المرأۃ علی عمتھا' ح: ۵۱۰۹۔ مسلم' کتاب النکاح: باب تحریم الجمع بین المراۃ و عمتھا...... ح: ۱٤۰۸ .

''اگر تم ایسا کرو گے تو قطع رحمی کرو گے۔''

اسلام نے صلہ رحمی کی نہایت تاکید کی ہے لہٰذا وہ ایسی بات کو کس طرح جائز قرار دے سکتا ہے جو قطع رحمی کا باعث ہو؟

شادی شدہ عورتیں

⑮ شادی شدہ عورت کے لیے جب تک کہ وہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہے دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ دوسرے کے ساتھ نکاح کا جواز دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے:

(۱) شوہر کا انتقال ہو جائے یا وہ طلاق دے دے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے جس عدت کا حکم دیا ہے وہ پوری ہو جائے۔

یہ عدت سابق زوجیت کے حق میں وفا اور عورت کے لیے تحفظ کا ذریعہ ہے۔

حاملہ کے لیے عدت کی مدت وضع حمل تک ہے، خواہ یہ مدت کم ہو یا زیادہ۔

اور جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا اس کی عدت چار ماہ دس راتیں ہیں۔

اور مطلقہ کی عدت تین حیض ہے۔ تین حیض کی قید اس لیے رکھی گئی ہے تاکہ رحم پاک ہو جائے (استبراء رحم) اور سابق شوہر سے حمل قرار پانے کا جو امکان ہوتا ہے اس کے پیش نظر یہ حکم دیا گیا احتیاط کے طور پر ہے تاکہ اختلاط نسب سے روکا جائے۔ یہ عدت ان عورتوں کے لیے نہیں ہے جو اس قدر کم سن یا اتنی بوڑھی ہو چکی ہوں کہ ان کو حیض نہ آتا ہو۔ ایسی عورتوں کی عدت تین ماہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۲۸)

''مطلقہ عورتیں تین حیض تک اپنے کو روکے رکھیں۔''

اور فرمایا:

﴿ وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ ﴾ (الطلاق: ۲/ ٤)

''تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں، اگر تمہیں ان کے معاملہ میں شبہ ہے۔ تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اور یہی عدت ان کی بھی ہے جن کو ابھی حیض نہ آیا ہو۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وضعِ حمل ہو جائے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ (البقرة: ٢/ ٢٣٤)

''اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں چار مہینے دس راتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں۔''

عورتوں کی مذکورہ پندرہ اصناف سے نکاح کرنا حرام ہے۔ یہ پندرہ اصناف قرآن کریم کی سورۂ نساء میں مذکور ہیں:

﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَرَبَاۗىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَاۗىِٕلُ اَبْنَاۗىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ﴾

(النساء: ٤/ ٢٢ تا ٢٤)

''جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں ان سے نکاح نہ کرو۔ مگر جو کچھ پہلے ہو چکا۔ بے شک یہ بے حیائی اور ناپسندیدہ بات ہے اور نہایت برا چلن ہے۔ تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں۔ تمہاری بیٹیاں۔ تمہاری بہنیں۔ تمہاری پھوپھیاں۔ تمہاری خالائیں۔ تمہاری بھتیجیاں۔ تمہاری بھانجیاں۔ اور تمہاری وہ

مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو۔ اور تمہاری رضاعی بہنیں۔ اور تمہاری بیویوں کی مائیں (ساسیں)۔ اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جو تمہاری گودوں میں پلی ہوں۔ اور تمہاری ان بیویوں سے ہوں جن سے تمہارا تعلق زن وشو ہو چکا ہو۔ اگر ان سے تمہارا تعلق زن وشو نہ ہوا ہو تو (ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں) تم پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں۔ اور یہ کہ تم دو بہنوں کو بیک وقت جمع کرو مگر جو کچھ پہلے ہو چکا۔ بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔ اور وہ عورتیں بھی (حرام ہیں) جو (کسی دوسرے کی) قید نکاح میں ہوں۔"

مشرک عورتیں

⑫ مشرک عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے۔ مشرکہ یعنی بت پرست عورت' مثلاً عرب کی مشرک عورتیں اور ان جیسی دوسری عورتیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۲۱)

"اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو' جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ایک مؤمن لونڈی ایک آزاد مشرکہ سے بہتر ہے اگرچہ تمہیں بھلی معلوم ہو۔ اور اپنی عورتیں مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ایک مؤمن غلام ایک آزاد مشرک مرد سے بہتر ہے' اگرچہ وہ تمہیں بھلا لگے۔ یہ لوگ آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے تمہیں جنت اور مغفرت (بخشش) کی طرف بلاتا ہے۔"

اس آیت نے واضح طور سے بیان کر دیا کہ مسلمان عورت کا نکاح مشرک مرد سے جائز نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دو ادیان کے درمیان اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہے۔

ایک گروہ جنت کی طرف بلاتا ہے اور دوسرا آگ کی طرف۔

یہ اللہ' رسالت اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔ نبوت کا انکار کرتا اور آخرت کا منکر ہے۔

رشتہ ازدواج تو باعثِ سکون اور ذریعہ مودّت ہے مگر یہ دونوں سرے جن کے درمیان کافی فاصلہ ہے، کس طرح ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں؟

کتابیہ سے نکاح

یہودی اور نصرانی کتابیہ سے نکاح' ان کے اہل کتاب ہونے کی بنا پر قرآن نے جائز ٹھہرایا ہے۔ اور ان کے ساتھ خصوصی معاملہ کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اگرچہ انہوں نے اپنے دین میں تحریف کی ہے لیکن بہر حال وہ آسمانی مذہب کے حامل ہیں۔ اسلام نے جس طرح ان کا ذبیحہ جائز قرار دیا ہے، اسی طرح ان کی عورتوں سے رشتہ ازدواج قائم کرنا بھی جائز ٹھہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (المائدۃ: ۵/ ۵)

''جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان کی پاکدامن عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔''

اسلامی رواداری کی یہ ایک نادر مثال ہے' جو شاید سے دیگر مذاہب وملل میں مل سکے گی۔ اسلام نے اہل کتاب کو کافر اور گمراہ قرار دینے کے باوجود مسلمان کے لیے جائز کر دیا ہے کہ کتابیہ اس کی بیوی اور اس کے گھر کی مالکہ ہو' جس سے وہ سکون حاصل کر سکتا ہے' جو اس کی راز دار بن سکتی ہے اور جو اس کی اولاد کی ماں ہو سکتی ہے۔ اسلام نے اس کی اجازت دی جبکہ زوجیت کے تعلق کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ (الروم: ۳۰/ ۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں' تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان

مودّت و رحمت پیدا کی۔"

یہاں ہم اس بات پر متنبہ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں' کہ دیندار مسلم خاتون جو دین سے گہرا لگاؤ رکھتی ہو، ایک مسلمان کے لیے اس مسلمان عورت سے بہتر ہے جس نے اسلام کو محض وراثت میں پایا ہو۔ ہمارے نبی ﷺ نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ)) ❶

"دیندار خاتون سے نکاح کرو کہ یہ کامیابی کا باعث ہے۔ تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ (اگر ایسا نہ کرو)

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مسلمان عورت خواہ وہ کیسی ہی ہو مسلمان مرد کے لیے کتابی عورت کے مقابلہ میں بہتر ہے۔ نیز جب کوئی مسلمان اپنی اولاد کے عقیدہ اور تربیت کے تعلق سے ایسی بیوی کی طرف سے اندیشہ محسوس کرے تو دین کی خاطر اس سے اجتناب کرنا اور اس اندیشہ سے بچنا ضروری ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں اگر کسی ملک میں مسلمان مردوں کی تعداد کم ہو تو ایسی صورت میں مسلمان مردوں پر کتابی عورتوں سے نکاح کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں اگر مسلمان اپنی عورتوں کو چھوڑ کر کتابی عورتوں سے نکاح کریں گے' جبکہ مسلمان عورتیں صرف مسلمان مردوں ہی سے نکاح کر سکتی ہیں' تو گویا مسلمان لڑکیوں کو مبتلائے مصیبت کرنا ہوگا کہ ان کو کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا اور وہ بے کار ہو کر رہ جائیں گی۔ یہ صورت مسلم معاشرہ کے لیے سخت مضر ہے اور اس ضرر کا ازالہ اسی طرح ممکن ہے کہ اس مباح چیز کو مشروط مانا جائے اور ایک وقت تک کے لیے اس پر عمل درآمد موقوف رکھا جائے۔

مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح

مسلمان عورت پر غیر مسلم سے نکاح کرنا حرام ہے خواہ غیر مسلم کتابی ہو یا غیر کتابی۔ اس کے لیے مسلمان عورت کا کسی حال میں بھی غیر مسلم سے نکاح جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

❶ بخاری' کتاب النکاح: باب الاکفاء فی الدین' ح: ۵۰۹۰۔ مسلم' کتاب الرضاع: باب استحباب نکاح ذات الدین ح : ۱٤٦٦۔

﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۲۱)

''اپنی عورتوں کو مشرکین کے نکاح میں مت دو' جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔''

اور مؤمن مہاجر عورتوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ﴾ (الممتحنۃ: ۶۰/ ۱۰)

''پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ (مہاجر) عورتیں مؤمن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو۔ وہ نہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لیے حلال۔''

اور کوئی نص ایسی وارد نہیں ہوئی جس میں اہل کتاب کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہو' لہٰذا مسلمانوں کا اس کی حُرمت پر اجماع ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کو یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے لیکن مسلمان عورتوں کو یہودیوں اور نصرانیوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد گھر کا مالک ہوتا ہے اور عورت کے لیے قوام کی حیثیت رکھتا ہے' نیز اس کے بارے میں جوابدہ ہوتا ہے۔ مزید برآں یہ حقیقت ہے کہ اسلام نے کتابیہ بیوی کو آزادی عقیدہ کی ضمانت دی ہے اور شرعی قوانین و احکامات کے ذریعہ اس کے حقوق متعین کیے ہیں اور اس کی حرمت کا تحفظ کیا ہے۔ لیکن دیگر مذاہب مثلاً یہودیت اور نصرانیت نے کسی اور مذہب سے تعلق رکھنے والی بیوی کے لیے نہ کسی قسم کی آزادی کی ضمانت دی ہے اور نہ اس کے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔ ایسی صورت میں اسلام کس طرح اپنی بیٹیوں کے مستقبل کو خطرہ میں ڈال سکتا ہے؟ اور ان کو ایسے لوگوں کے حوالے کر سکتا ہے جو ان عورتوں کے دین کے معاملہ میں نہ رشتہ داری کا خیال کریں اور نہ عہد کا؟

دراصل مرد کو اپنی بیوی کے عقیدہ کا احترام کرنا چاہیے' تاکہ دونوں کے درمیان بہتر تعلقات قائم رہیں۔ اور جہاں تک مسلمان کے عقیدہ کا تعلق ہے وہ یہودیت و نصرانیت کو اپنی اصل کے اعتبار سے ان کی تحریفات سے قطع نظر کرتے ہوئے' آسمانی مذہب خیال کرتا

ہے' وہ تورات و انجیل پر ایمان رکھتا ہے اور سیّدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام جیسے اولو العزم رسولوں کو بھی مانتا ہے۔ اس لیے کسی کتابی عورت کے لیے ایسے مرد کے پہلو میں زندگی گزارنا مشکل نہیں ہے جو اس کے اصل دین' اس کی کتاب اور اس کے نبی کا احترام کرتا ہو اور احترام ہی نہیں بلکہ ان کی باتوں کو مانے بغیر ایمان ہی صحیح نہ قرار پاتا ہو۔ اس کے برخلاف یہودی اور نصرانی اسلام کا کوئی اعتراف نہیں کرتے، نہ اسلام کی کتاب کا اور نہ اس کے رسول کا۔ لہٰذا یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک مسلمان عورت اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے مرد کے زیر سایہ زندگی گزارے؟ جبکہ مسلمان عورت کا دین اس سے شعائر و عبادات اور فرائض و واجبات کا مطالبہ کرتا ہے اور کتنی چیزوں کو حلال اور کتنی ہی چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے؟ ایسی صورت میں مسلمان عورت کے لیے اپنے عقیدہ اور اپنے دین کا تحفظ کرنا' جبکہ مرد قوام ہو کر اس کا پوری طرح منکر ہو' ایک امر محال ہے۔

یہاں اسلام کی اس معقولیت کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس نے مسلمان کا بت پرست مشرکہ سے نکاح کیوں حرام ٹھہرایا ہے! واقع یہ ہے کہ اسلام شرک اور بت پرستی کا سخت مخالف ہے۔ بنابریں زوجین کے درمیان سکون' مودت اور رحمت کی صورت کس طرح پیدا ہو سکتی ہے؟

زانی عورتیں

یہاں زانی عورتوں سے مراد قحبہ گری کرنے والی عورتیں ہیں جو اعلانیہ زنا کا پیشہ اختیار کرتی ہیں۔ روایت ہے کہ سیّدنا مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک زناکار عورت سے جس کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں ان کا تعلق تھا اور جس کا نام عناق تھا' نکاح کرنے کی اجازت طلب کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض فرمایا' یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً ۫ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ﴾ (النور : ۲۴/ ۳)

''زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ کے ساتھ۔ اور زانیہ کے ساتھ نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک۔ اور یہ اہل ایمان پر حرام کر دیا گیا ہے۔''

آپ ﷺ نے یہ آیت انہیں سنائی اور فرمایا:

((لَا تَنْكِحْهَا)) ❶

''اس سے نکاح نہ کرو۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاکدامن مؤمن عورتوں اور پاکدامن کتابی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ٹھہرایا ہے۔ اسی طرح مردوں کے لیے نکاح مندرجہ ذیل شرط کے ساتھ جائز ٹھہرایا ہے:

﴿مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ (النساء: ٤/ ٢٤)

''وہ قید نکاح میں لانے والے ہوں نہ کہ بدکاری کرنے والے۔''

تو جو شخص کتاب اللہ کے اس حکم کو تسلیم نہ کرے اور اس کی پابندی قبول نہ کرے وہ مشرک ہے۔ اس سے نکاح کرنا وہی شخص پسند کرسکتا ہے جو اسی کی طرح مشرک ہو' لیکن جس نے اس حکم کو تسلیم کیا اور اس کی پابندی کو قبول کیا' لیکن عمل اس کے خلاف کیا اور جس عورت سے نکاح حرام ہے اس سے نکاح کرلیا تو وہ زانی ہے۔

سورۂ نور کی مذکورہ آیت درج ذیل آیت کے بعد بیان ہوئی ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ (النور: ٢٤/ ٢)

''زانی عورت اور زانی مردان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔''

یہ جسمانی سزا ہے اور وہ تادیبی سزا تھی۔ کیونکہ زانی یا زانیہ سے نکاح کی حرمت اس بات کی متقاضی ہے کہ اسے اہم مقامات پر رہنے نہ دیا جائے' اس کی قومیت (Nationality) کو ختم کر دیا جائے' یا موجودہ عرف کے لحاظ سے جو معاشرتی حقوق مقرر ہیں ان سے اسے محروم کر دیا جائے۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

❶ ابوداود' کتاب النکاح: باب فی قوله تعالیٰ (الزانی لا ینکح الا زانیة)' ح/ ٢٠٥١، ترمذی' کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة النور' ح/ ٣١٧٧۔ نسائی' کتاب النکاح: باب تزویج الزانیة' ح: ٣٢٣٠۔

''یہ حکم جو قرآن کی رو سے بالکل صریح اور واجب ہے وہ مقتضائے عقل وفطرت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کے لیے یہ بات حرام ٹھہرائی ہے کہ وہ کسی فاحشہ عورت کا شوہر یا دیوث یا رفیق ہو۔ اللہ نے انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے وہ ایسی باتوں کو قبیح اور معیوب خیال کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی شخص کو بہت زیادہ برا بھلا کہنا ہو تو بولتے ہیں ''یہ فاحشہ عورت کا شوہر ہے۔'' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے لیے حرام ٹھہرایا کہ وہ واقعی ایسا بن جائے۔ اس تحریم سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ...... عورت کا یہ گناہ شوہر کے بستر کی خرابی اور نسب کی خرابی کا موجب ہے' حالانکہ اللہ نے نسب کو عظیم مصلحتوں پر قائم فرمایا ہے اور اس کو اپنی نعمتوں میں شمار کیا ہے۔ لیکن زنا نطفہ کے اختلاط کا باعث ہے اور اس سے نسب مشتبہ ہو جاتا ہے' لہٰذا شریعت کی یہ خوبی ہے کہ اس نے زانیہ سے نکاح حرام ٹھہرایا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے اور اپنے رحم کو پاک نہ کرے۔ (یعنی کم از کم ایک حیض نہ آئے)۔'' (اغاثة اللهفان۔ ج ۱'٦٦'٦٧)

زانیہ سے نکاح کی حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ زانیہ خبیث عورت ہوتی ہے...... اللہ سبحانہ نے نکاح کو باعث مودت و رحمت بنایا ہے اور مودت خالص محبت کا نام ہے' لہٰذا ایک خبیث عورت کس طرح ایک پاکیزہ مرد کی محبوب بیوی بن سکتی ہے؟ زوج کو زوج اس لیے کہتے ہیں کہ وہ باہم مماثل (ہم آہنگ) ہوتے ہیں۔ لیکن طیب اور خبیث کے درمیان شرعاً اور عقلاً کامل منافرت پائی جاتی ہے' اس لیے دونوں کے درمیان نہ ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہمدردی اور محبت کے جذبات۔ اللہ تعالیٰ نے بالکل صحیح فرمایا ہے:

﴿الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ ۖ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۚ﴾ (النور : ٢٤/ ٢٦)

''خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے' پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے۔''

نکاحِ متعہ

اسلام میں نکاح کی حیثیت ایک مضبوط عقد اور پختہ عہد کی ہے' جس کی پشت پر زوجین کا ابدی زندگی گزارنے کا ارادہ کارفرما ہوتا ہے' تاکہ باہم نفسیاتی سکون اور مودت و رحمت کی فضا پیدا ہو۔ علاوہ ازیں اس کا مقصد عمرانی بھی ہے یعنی سلسلہ تناسل کو جاری رکھنا تاکہ نوع انسانی کی بقا کا سامان ہو۔

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً﴾ (النحل: ١٦/ ٧٢)

"اور اللہ نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کیے۔"

رہا متعہ کا نکاح جو مرد کے کسی عورت سے مقررہ مدت کے لیے مقررہ اجرت پر تعلق پیدا کرنے کا نام ہے' تو وہ اس حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ اس کی اجازت شریعت کی تکمیل سے پہلے سفر اور غزوات وغیرہ کے موقع پر دی گئی تھی' لیکن بعد میں آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور ابدی طور پر اس کو حرام قرار دیا۔

شروع میں متعہ کو اس لیے جائز قرار دیا گیا تھا کہ مسلمان جاہلیت سے اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے عبوری دور سے گزر رہے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں زنا آسان اور عام تھا۔ جب اسلام آیا اور غزوات و جہاد کے لیے سفر کا معاملہ درپیش ہوا تو عورتوں سے دوری لوگوں پر شاق گزرنے لگی۔ مسلمانوں کے اندر ایمان کے لحاظ سے قوی اور ضعیف دونوں طرح کے لوگ تھے۔ ضعیف الایمان لوگوں کے زنا میں مبتلا ہو جانے اور بے حیائی کے راستہ پر جا پڑنے کا اندیشہ تھا۔ دوسری طرف جو لوگ قوی الایمان تھے انہوں نے اپنے کو خصی کر لینے کا ارادہ کر لیا تھا۔

چنانچہ سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كُنَّا نَغْزُوْمَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَيْسَ مَعَنَا نِسَاءٌ، فَقُلْنَا اَلَا نَسْتَخْصِيْ؟ فَنَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ وَ رَخَّصَ لَنَا اَنْ

نَنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ إِلَى أَجَلٍ)) ❶

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں جایا کرتے تھے اور ہمارے ساتھ عورتیں نہیں ہوتی تھیں' اس لیے ہم نے عرض کیا: کیا ہم اپنے آپ کو خصی نہ کر لیں؟ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا اور ہمیں اجازت دی کہ ہم کسی عورت سے ایک مدت تک کے لیے کپڑے کے عوض نکاح کر سکتے ہیں۔''

متعہ کا یہ جواز رخصت کی حیثیت رکھتا تھا' تا کہ ضعیف الایمان اور قوی الایمان دونوں گروہوں کی مشکلات کا حل نکل آئے۔ اسلام مسلمان کی ازدواجی زندگی کے لیے جو شرعی قوانین بنانا چاہتا تھا اس راہ میں یہ ایک قدم تھا' وہ ایسی ازدواجی زندگی عطا کرنا چاہتا تھا جو نکاح کے جملہ مقاصد کو پورا کرے' مثلاً: پاکدامنی' رشتہ نکاح کی مستقل حیثیت' سلسلہ تناسل' مؤدت ورحمت نیز خاندان کے دائرہ کی مصاہرت (سسرال) کے ذریعہ توسیع وغیرہ۔

جس طرح قرآن نے شراب اور سود کی حرمت کے بارے میں تدریجاً احکام دیئے جبکہ زمانہ جاہلیت میں ان چیزوں کا بڑا رواج اور غلبہ تھا اسی طرح نبی ﷺ نے شرمگاہوں کی حرمت کے سلسلہ میں بھی احکام دینے میں تدریج کا لحاظ فرمایا۔ چنانچہ مجبوری کی صورت میں متعہ کی اجازت دی' لیکن بعد میں نکاح کی اس قسم کو بھی حرام قرار دیا۔ جیسا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور صحابہ کے ایک گروہ کا بیان ہے اور صحیح مسلم نے سیّدنا سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے:

((أَنَّهُ غَزَامَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ فَتْحِ مَكَّةَ فَأَذِنَ لَهُمْ فِيْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ قَالَ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتّٰى حَرَّمَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ❷

''وہ نبی ﷺ کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر غزوہ میں شریک تھے۔ آپ ﷺ

---

❶ بخاري كتاب النكاح: باب مايكره من التبتل والخصاء' ح: ٥٠٧٥' مسلم' كتاب النكاح: باب نكاح المتعة' ح: ١٤٠٤۔

❷ مسلم كتاب النكاح: باب نكاح المتعة' ح: ١٤٠٦۔

نے شرکائے غزوہ کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے وہاں سے نکلنے سے پہلے ہی اسے حرام کر دیا۔“

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَاِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ ذٰلِكَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ)) ❶

”اللہ نے اسے قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ہے۔“

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا حُرمت ایسی قطعی ہے جیسے ماں، بیٹی وغیرہ سے نکاح کرنا؟ یا یہ حرمت مردار، خون اور سور کے گوشت کی طرح ہے کہ یہ چیزیں مجبوری کی صورت میں اور مشقت میں پڑنے کے اندیشہ کے پیش نظر جائز ہو جاتی ہیں؟

جمہور صحابہ کرام کی رائے میں یہ تحریم قطعی ہے، جس میں شریعت کے اس حکم کو مستقل حیثیت دینے کے بعد رخصت کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ البتہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے اختلاف کیا تھا۔ ان کی رائے میں متعہ کرنا مجبوری کی صورت میں جائز تھا، چنانچہ کسی نے ان سے متعہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کو جائز کہا۔ ان کے غلام نے پوچھا کیا یہ حکم شدید مجبوری کی صورت میں ہے؟ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جی ہاں۔ ❷ لیکن جب ابن عباس رضی اللہ عنہما کو معلوم ہو گیا کہ لوگوں نے اس معاملہ میں کافی گنجائش پیدا کر لی ہے اور بات مجبوری کی حد تک نہیں رہی تو انہوں نے جواز کا فتویٰ دینا بند کر دیا اور اس سے رجوع کر لیا۔ ❸

تعددِ ازواج

اسلام ایک ایسا دین ہے جو فطرت سے ہم آہنگ اور تمام مصائب و مشکلات کا علاج ہے۔ وہ انسان کو مہذب بناتا اور افراط و تفریط سے باز رکھتا ہے۔ اُس کی اس خوبی کا مشاہدہ ہم اس کے اس موقف سے کرتے ہیں، جو اس نے تعدد ازواج کے سلسلہ میں اختیار کیا ہے۔

❶ مسلم، حوالہ سابق، ح: ۲۱/ ۱٤۰٦۔

❷ بخاری، کتاب النکاح: باب نهی النبی ﷺ عن نکاح المتعة اخیراً، ح/ ۵۱۱٦۔

❸ بیهقی فی السنن الکبریٰ۔ (۷/ ۲۰۵) واسناده ضعیف۔ (زادالمعاد۔ ج ٤، ص ۷، بحواله بیهقی)۔

اسلام نے انسانیت' فرد اور اجتماعیت سب کا لحاظ کرتے ہوئے تمام مسلمان کے لیے ایک سے زائد بیویاں رکھنا جائز کر دیا ہے۔

قبل از اسلام مختلف قوموں اور ملتوں میں بہ کثرت عورتوں سے شادی کرنے کا رواج تھا' کبھی تو ایک شخص دس دس بیویاں کر لیتا اور کبھی یہ تعداد بلا شرط و بلا قید سینکڑوں تک پہنچ جاتی۔ لیکن جب اسلام آیا تو اس نے تعدد ازواج کے لیے قید اور شرط عائد کر دی۔

جہاں تک قید کا تعلق ہے تو اسلام نے زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی حد مقرر کر دی۔ چنانچہ جب غیلان ثقفی نے اسلام قبول کیا تو ان کی دس بیویاں تھیں۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا:

((اِخْتَرْ مِنْهُنَّ اَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ)) [1]

''ان میں سے کوئی سی چار بیویاں رکھ لو اور بقیہ کو چھوڑ دو۔''

اسی طرح جس شخص کے پاس قبول اسلام کے وقت آٹھ یا پانچ بیویاں تھیں ان کو بھی آپ نے چار سے زیادہ رکھنے سے منع فرمایا۔ [2]

رہا نبی ﷺ کی نو ازواج کا مسئلہ تو آپ ﷺ کی زندگی میں دعوتی ضرورت اور آپ ﷺ کے بعد اُمت کی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خصوصی اجازت دے دی تھی۔

تعددِ ازواج کے جواز کے لیے عدل کی شرط

تعددِ ازواج کے لیے اسلام نے جو شرط عائد کی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کو اپنے نفس پر یہ اعتماد ہو کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان کھانے پینے' رہنے' سونے اور خرچ کرنے کے معاملہ میں عدل کرے گا' لیکن جس شخص کو اپنے نفس پر یہ اعتماد نہ ہو کہ وہ ان حقوق کو عدل اور مساوات کے ساتھ ادا کر سکے گا' تو اس کے لیے ایک سے زائد بیوی کرنا جائز نہیں ہے۔

---

1. مسند احمد (۲/ ۱٤) ۔ ترمذی' کتاب النکاح: باب ماجاء فی الرجل یسلم وعندہ عشرۃ نسوۃ' ح/ ۱۱۲۸' ابن ماجہ' کتاب النکاح: باب الرجل یسلم وعندہ اکثر من اربع نسوۃ' ح: ۱۹۵۳۔
2. ابو داؤد' کتاب الطلاق: باب فیمن اسلم وعندہ نساء اکثر من اربع' ح:۲۲٤۱۔ابن ماجہ' حوالہ سابق' ح:۱۹۵۲۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ (النساء: ٤/ ٣)

''لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک پر اکتفاء کرلو۔''

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ يَمِيلُ لِإِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَجُرُّ أَحَدَ شِقَّيْهِ سَاقِطًا أَوْ مَائِلًا)) ❶

''جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ صرف ایک طرف مائل ہو کر رہ جائے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک بازو گر رہا ہوگا اور وہ اسے گھسیٹ رہا ہوگا۔''

جس میلان اور جھکاؤ کے متعلق اس حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے' اس کا مطلب حقوق کے معاملہ میں کمی بیشی کرنا ہے۔ قلبی میلان مراد نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نا قابلِ استطاعت عدل میں داخل ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے صرف نظر فرمایا ہے:

﴿وَلَن تَسْتَطِيعُوا أَن تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ﴾ (النساء: ٤/ ١٢٩)

''اور بیویوں کے درمیان تم اگر چاہو بھی تو پورا پورا عدل نہیں کر سکتے لہٰذا کسی ایک کی طرف جھک نہ پڑو۔''

اسی لیے رسول اللہ ﷺ شب باشی وغیرہ میں عدل کرنے کے باوجود فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تُؤَاخِذْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ)) ❷

---

❶ مسند احمد (٢/ ٢٤٧)۔ ابوداود' کتاب النکاح: باب فی القسم بین النساء' ح:٢١٣٣' ترمذی' کتاب النکاح: باب ماجاء فی تسویة بین الضرائر' ح: ١١٤١' نسائی' کتاب عشرة النساء: باب میل الرجل الی بعض نسائه' ح: ٣٣٩٤' ابن ماجه' کتاب النکاح: باب القسمة بین النساء' ح/ ١٩٦٩۔

❷ ابوداود' کتاب النکاح' باب فی القسم بین النساء' ح:٢١٣٤' ترمذی' کتاب النکاح: باب ماجاء فی تسویة بین الضرائر' ح:١١٤٠۔ نسائی' کتاب عشرة النساء: باب میل الرجل الی بعض نسائه' ح: ٣٣٩٥۔ ابن ماجه' کتاب النکاح: باب القسمة بین النساء' ح/ ١٩٧١۔

''اے اللہ! جہاں تک میرے بس میں ہے یہ میری تقسیم ہے' تو جو تیرے بس میں ہے اور میرے بس میں نہیں ہے اس پر میری گرفت نہ فرما۔'' (اصحاب السنن)

یعنی کسی ایک بیوی کی طرف جو جذباتی اور قلبی میلان ہو جاتا ہے وہ انسان کے بس میں نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کی یہ دعا اسی سلسلہ میں تھی۔

جب آپ ﷺ سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ ڈالتے' جس کے حق میں قرعہ نکل آتا اس کو ہم سفر بنا لیتے۔ ❶ یہ طریقہ آپ ﷺ نے دلوں کی خلش کو دُور کرنے اور سب کو خوش رکھنے کے لیے اختیار فرمایا تھا۔

تعددِ ازواج کے جواز کی مصلحت

اسلام اللہ کا آخری دین ہے' جس پر سلسلہ رسالت ختم ہو جاتا ہے' اس لیے اسلامی شریعت بھی دوامی اور ہمہ گیر ہے' جو تمام زمانوں اور تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اس میں افراد اور گروہوں کی مجبوریوں اور ضرورتوں نیز ان کی مصلحتوں کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے۔

بعض مردوں کو اولاد سے زبردست رغبت ہوتی ہے لیکن وہ عورت کے بانجھ یا بیمار ہونے کی وجہ سے اولاد سے محروم رہتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں اس عورت کے لیے باعزت اور اس شخص کے لیے بہتر طریقہ یہ نہیں ہے کہ وہ پہلی بیوی کو اپنے پاس رکھتے ہوئے اور اس کے حقوق ادا کرتے ہوئے دوسری بیوی سے شادی کر لے' تاکہ اس کی اولاد کی خواہش پوری ہو؟

بعض مردوں کی قوت باہ شدید ہوتی ہے اور ان پر شہوت کا غلبہ ہوتا ہے' لیکن بیوی کو مرد سے رغبت نہیں ہوتی' یا وہ بیمار ہوتی ہے' یا اس کے حیض کی مدت طویل ہوتی ہے اور مرد عورت کے معاملہ میں زیادہ صبر نہیں کر سکتا۔ تو کیا ان صورتوں میں کسی گرل فرینڈ (Girl Friend) کو تلاش کرنے کی بجائے دوسری بیوی کر لینا بہتر نہ ہوگا؟

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں بڑھ جاتی ہے۔ خاص طور سے جنگ کے ایام میں تو کتنے ہی ممتاز افراد اور نوجوانوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ایسے

❶ بخاری' کتاب النکاح: باب القرعة بين النساء اذا اراد سفرا' ح:٥٢١١۔ مسلم' کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل ام المؤمنين عائشة ﷺ' ح: ٢٤٤٥۔

موقع پر سماج کی مصلحت اور خود عورتوں کی مصلحت کا یہی تقاضا ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر زوجیت کی زندگی سے محروم اور کنواری بڑھیائیں ہو کر رہ جانے کے مقابلہ میں سوکن کی حیثیت سے رہنے کو ترجیح دیں' کہ یہ سکون' مؤدت اور پاکدامنی کی زندگی ہے اور اس طرح اسے ماں بن جانے کا شرف بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اور درحقیقت ایسی ہی زندگی ان کی فطرت کی آواز ہے۔

نکاح کی استطاعت رکھنے والے مردوں کی تعداد کے مقابلہ میں عورتوں کی تعداد جب بڑھ جائے تو وہ تین میں سے کوئی ایک صورت اختیار کر سکتی ہیں:

۱ یا تو وہ پوری عمر محرومی کی تلخیوں میں گزار دیں۔

۲ یا ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ مردوں کے لیے کھیل تماشا بن جائیں۔

۳ یا یہ کہ ان کا نکاح ایسے شادی شدہ مردوں کے ساتھ جائز قرار دیا جائے جو نفقہ ادا کرنے پر قادر ہوں اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کر سکتے ہوں۔

بے شک یہی آخری راستہ ہی ایک عادلانہ حل اور نسخہ شفاء ہے اور اسلام نے اسی کا حکم دیا ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (المائدۃ: ۵/ ۵۰)

''جو لوگ اللہ پر یقین کرنے والے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے۔''

یہ ہے تعددِ ازواج کی حقیقت و حکمت جس کے سلسلہ میں مسیحی مغرب مسلمانوں پر اعتراض کرتا ہے' جبکہ ان لوگوں کا اپنا حال یہ ہے کہ انہوں نے مردوں کے لیے تعدد معشوقات اور تعددِ محبوبات کو بلا تحدید اور کسی قسم کی قانونی یا اخلاقی پابندی کو تسلیم کیے بغیر جائز کر لیا ہے۔ اس لادینی اور فحاشی کا ثمر انہیں جس (حرام) اولاد کی شکل میں مل رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ ان حقائق کے پیشِ نظر غور فرمایئے کہ کس گروہ کی بات وزنی ہے اور کون راہ راست پر گامزن ہے؟

زوجین کے باہمی تعلقات

قرآن کریم نے نکاح کے مقاصد نہایت مہتم بالشان طریقہ پر بیان کیے ہیں۔ یہ وہ ستون ہیں جن پر ازدواجی زندگی کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ جنسی اضطراب کی جگہ زوجین کے درمیان پیار و محبت اور سکون نفس' بیوی اور شوہر کے خاندانوں کے درمیان مؤدت والفت کے تعلقات' انسانی ہمدردی اور مشفقانہ جذبات کا مکمل ظہور اور والدین کی حیثیت میں اولاد کے ساتھ جذباتی وابستگی وغیرہ وہ مقاصد ہیں جو رشتہ نکاح کے ذریعہ مطلوب ہیں۔ ان مقاصد کی طرف سورۂ روم کی درج ذیل آیت اشارہ کر رہی ہے:

﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾

(الروم: ۳۰/ ۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان مؤدت ورحمت پیدا کی۔ یقیناً اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔''

مذکورہ مقاصد کے علاوہ قرآن نے حسی پہلو اور زوجین کے درمیان جسمانی تعلق کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے' بلکہ اس معاملہ میں بھی بالکل سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کی ہے' جس پر چل کر انسان گندے اور غلط طریقوں سے بچتے ہوئے اپنی فطری خواہش کو پورا کر سکتا ہے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ یہود اور مجوسی عورتوں سے حالت حیض میں کنارہ کشی اختیار کرنے کے معاملہ میں بڑا غلو کرتے تھے۔ اور نصاری حیض کی پرواہ کیے بغیر عورتوں سے مجامعت کرتے تھے۔ رہے اہل جاہلیت تو وہ حائضہ کے ساتھ نہ کھاتے پیتے تھے اور نہ اُٹھتے بیٹھتے تھے بلکہ اس کو گھر سے باہر نکال دیتے تھے۔ ان کا سلوک بالکل یہودیوں اور مجوسیوں جیسا تھا۔

اس صورتِ حال کے پیش نظر بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ حائضہ کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے؟ اس معاملہ میں حلال کیا ہے اور حرام کیا؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ ﴾

(البقرۃ: ۲/ ۲۲۲)

''وہ تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو وہ گندگی ہے۔ اس میں عورتوں سے الگ رہو اور ان سے قربت نہ کرو' جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں' پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ' اس طرح جس طرح کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہنے کا مطلب بعض بدوؤں نے یہ سمجھا کہ ان کے ساتھ رہنا سہنا جائز نہیں ہے' لیکن نبی ﷺ نے آیت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے تمہیں عورتوں سے حالتِ حیض میں مجامعت (مباشرت، ہمبستری) سے باز رہنے کا حکم دیا تھا۔ عجمیوں کی طرح انہیں گھر سے نکالنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ جب یہودیوں نے یہ بات سنی تو کہا: اس شخص نے ہر معاملہ میں ہماری مخالفت کرنے کی ٹھان لی ہے۔''[1] (تفسیر رازی۔ ج۶' ص۶۶)

مسلمان اپنی بیوی سے حالتِ حیض میں متمتع (فائدہ مند) ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ حیض کی جگہ سے دور رہے۔ اس طرح اسلام نے جیسا کہ اس کا مستقل اصول ہے دو انتہاؤں کے درمیان اعتدال کا موقف اختیار کیا۔ یعنی حائضہ سے اس قدر دوری بھی نہیں کہ اس کو گھر سے نکال دیا جائے اور اس حد تک اختلاط بھی نہیں کہ مجامعت کو جائز سمجھ لیا جائے۔

[1] قال الشیخ الالبانی "لم اجدہ بھذا السیاق فی شئی من الکتب السنة التی عندی' و قریب منه ماذکرہ السیوطی فی "الدر المنثور'' (۱/ ۲۵۸) من تخریج ابن ابی حاتم (۲۰۱۲) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔
واخرجه مسلم فی کتاب الحیض: باب جواز غسل الحائض رأس زوجها' ح:۳۰۲۔ بلفظ مختلف عن انس بن مالك رضی الله عنه۔(غایة المرا: ۱۴۸۔۱۴۹)

جدید علم طب نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ حیض کے خارج شدہ خون میں ایک قسم کا مسموم مادہ ہوتا ہے جو اگر جسم کے اندر رہ جائے تو مضر (صحت) ہوتا ہے۔ اسی طرح حالتِ حیض میں جماع سے اجتناب کرنے کے راز پر سے بھی پردہ اٹھا دیا ہے۔ چنانچہ عورت کے صنفی اعضاء دورانِ حیض خون کے مجتمع ہونے کی وجہ سے سکڑے ہوئے ہوتے ہیں اور اعصاب داخلی غدود کے سیلان کے باعث حالت اضطراب میں ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں جنسی اختلاط اس کے لیے مضر ہوتا ہے اور کبھی حیض کی رکاوٹ کا سبب بن جاتا ہے جس سے اسے اعصابی تکلیف ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات صنفی اعضاء میں سوزش بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ❶

دُبر سے اجتناب

عورتوں سے جسمانی تعلق کے سلسلہ میں سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (البقرة: ۲/ ۲۲۳)

''عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں' تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے مستقبل کا سامان کرو اور اللہ سے ڈرو اور یہ جان لو کہ تمہیں اس سے لازماً ملنا ہے اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو۔''

مذکورہ آیت کے سببِ نزول اور اس کی حکمت پر علامۂ ہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:

''یہودیوں نے طریقہ مباشرت کے سلسلہ میں کسی آسمانی حکم کے بغیر خواہ مخواہ تنگی پیدا کر لی تھی۔ اور انصار وغیرہ جو ان سے قریب رہتے تھے، ان ہی کے طریقہ کو اختیار کیے ہوئے تھے۔ یہ لوگ اس بات کے قائل تھے کہ جب آدمی پشت کی جانب سے مجامعت کرتا ہے تو اولاد بھینگی پیدا ہوتی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ ❷ یعنی مجامعت اگلے حصہ ہی میں کی

---

❶ ملاحظہ ہو: الاسلام والطب الحدیث۔ از ڈاکٹر عبد العزیز اسمعیل مرحوم۔

❷ بخاری' کتاب التفسیر' سورة البقرة: باب (نسآؤکم حرث لکم ....) ح: ٤٥٢٨)۔ مسلم' کتاب النکاح: باب جواز جماعه امراته فی قبلها...... ح:١٤٣٥۔

جائے خواہ اس کا طریقہ آگے کی جانب سے آنے کا ہو یا پیچھے کی جانب سے آنے کا۔ طریقہ مباشرت کا کوئی تعلق تمدنی یا ملی مصلحت سے نہیں ہے۔ رہی ذاتی مصلحت تو انسان اپنی مصلحت کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس معاملہ میں یہودیوں کی تنگ نظری ان کی موشگافیوں کا نتیجہ تھی اس لیے اس کو رد ہی کیا جانا چاہیے تھا۔'' ❶

دین نے اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی کہ وہ مباشرت کے طریقوں اور اس کی کیفیتوں کی تحدید کرے۔ اس کی نظر میں اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ آدمی اللہ سے ڈرے اور یہ جان لے کہ اسے اللہ سے بہر حال ملنا ہے اور اس تصور کے پیش نظر وہ دُبر سے اجتناب کرے کیونکہ وہ گندی جگہ ہے۔ اور یہ فعل خبیث لواطت کے مشابہ ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ شریعت اسے ممنوع قرار دیتی' چنانچہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَدْبَارِهِنَّ)) ❷

''عورتوں کی دُبر (سرین) میں صحبت نہ کرو۔''

اور جو شخص عورت کے دُبر میں صحبت کرتا ہے اس فعل کو آپ ﷺ نے قوم لوط کا عمل قرار دیا۔

((هِيَ اللُّوْطِيَّةُ الصُّغْرىٰ)) ❸

''یہ بھی ایک قسم کی لواطت ہے۔''

انصار کی ایک عورت نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ پشت کی جانب سے اگلے حصہ میں مجامعت کرنے کا کیا حکم ہے تو آپ ﷺ نے آیت ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ تلاوت فرمائی۔ ❹

---

❶ حجة الله البالغة۔ ج ۲' ص ۱۳۶۔

❷ مسند احمد (۵/ ۲۱۳)ابن ماجه' كتاب النكاح: باب النهى عن اتيان النساء فى ادبار هن' ح:۱۹۳٤۔

❸ مسند احمد (۲/ ۱۸۲'۲۱۰)

❹ مسند احمد (٦/ ۳۰۵'۳۱۰).

اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

((یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَهْلَكْتُ، قَالَ وَمَا اَهْلَكَكَ؟ قَالَ حَوَّلْتُ رَحْلِي الْبَارِحَةَ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ شَيْئًا حَتّٰى نَزَلَتِ الْاٰيَةُ السَّابِقَةُ فَقَالَ لَهٗ اَقْبِلْ وَاَدْبِرْ وَاتَّقِ الْحَيْضَةَ وَالدُّبُرَ)) ❶

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں ہلاک ہوگیا۔ فرمایا: ''کیا بات ہے؟'' سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا' گزشتہ شب میں نے اپنی سواری کا رخ بدل دیا۔ یعنی پشت کی طرف سے مجامعت کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''آگے سے آؤ یا پیچھے سے مگر حیض کی حالت میں اور دُبر میں مجامعت کرنے سے اجتناب کرو۔''

زن وشوئی کے رازوں کی حفاظت

قرآن نے نیک بیویوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ (النساء: ٤/ ٣٤)

''نیک عورتیں (خاوند کی) فرمانبردار اور اللہ کی حفاظت کے تحت رازوں کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔''

جن پوشیدہ باتوں کی حفاظت کرنا ضروری ہے ان میں زوجین کے درمیان خصوصی تعلق رکھنے والی باتیں بھی شامل ہیں۔ ان رازدارانہ باتوں کا تذکرہ دوستوں اور سہیلیوں کی مجلسوں اور انجمنوں میں کرنا صحیح نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

((اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الرَّجُلُ يُفْضِي اِلَى الْمَرْاَةِ وَتُفْضِي اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا)) ❷

''قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین شخص وہ ہوگا جو عورت سے اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے اور بعد میں اس کے راز افشاء کرتا ہے۔''

❶ مسندا حمد (١/ ٢٩٧)' ترمذی' کتاب تفسیر القرآن:باب و من سورة البقرة' ح: ٢٩٨٠ .

❷ مسلم' کتاب النکاح: باب تحریم افشاء سر المرأة' ح/ ١٤٣٧۔

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اور جب سلام پھیرا تو ہماری طرف رخ کر کے فرمایا: ''بیٹھے رہو اور سنو۔ کیا تم میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے تو دروازہ بند کر لیتا ہے اور پردہ ڈال دیتا ہے' پھر جب باہر نکلتا ہے تو لوگوں سے بیان کرتا پھرتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ ایسا اور ایسا کیا؟''

آپ کے اس سوال کا جواب کسی نے نہیں دیا...... پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''کیا تم میں کوئی ایسی عورتیں ہیں جو اس طرح کی باتیں کرتی ہوں؟'' ایک عورت نے جو اپنے گھٹنوں کے بل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننے کی کوشش کر رہی تھی نے کہا: اللہ کی قسم!...... مرد بھی ایسی باتیں کرتے ہیں اور عورتیں بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((هَلْ تَدْرُوْنَ مَامَثَلُ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ؟ اِنَّ مَثَلَ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ مَثَلَ شَيْطٰنٍ وَشَيْطَانَةٍ لَقِيَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ بِالسِّكَّةِ فَقَضٰى حَاجَتَهٗ مِنْهَا وَالنَّاسُ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ)) ❶

''جانتے ہو جو شخص ایسی باتیں کرتا ہے اس کی مثال کیسی ہے؟ اس کی مثال شیطان یا شیطانہ جیسی ہے جو اپنی بیوی سے سرراہ ملتا ہے اور اپنی حاجت پوری کرتا ہے' آنحالیکہ لوگ یہ (تماشا) دیکھ رہے ہوتے ہیں۔''

یہ مثال ایک مسلمان کے لیے اس لحاظ سے کافی ہے کہ وہ اس قسم کی حماقتوں سے متنفر ہو جائے' کیونکہ یہ نہایت ذلیل حرکت ہے اور کوئی مسلمان شیطان یا شیطانہ بننا پسند نہیں کر سکتا۔

❶ مسند احمد (۲/ ۵۴۰۔۵۴۱) ابو داود' کتاب النکاح :باب مایکرہ من ذکر الرجل ۔ح: ۲۱۷۴۔ واسنادہ ضعیف۔

خاندانی منصوبہ بندی

(Family Planing)

نوع انسان کی بقاء کے لیے ازدواج اولین مقصد ہے۔ اور اس بقاء کا انحصار سلسلہ تناسل کے جاری رہنے پر ہے۔ اسی لیے اسلام نے افزائش نسل کو نہایت پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اسلام کی نظر میں لڑکے ہوں یا لڑکیاں سب خیر و برکت کا باعث ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ اسلام نے اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ معقول وجوہ اور قابل لحاظ ضرورتوں کی بنا پر خاندانی منصوبہ بندی کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ عہد رسالت میں سلسلہ پیدائش کو روکنے یا کم کرنے کے لیے عزل' (یعنی انزال کے وقت منی رحم کے باہر خارج کرنے) کا طریقہ رائج تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عہد رسالت میں اس طریقہ کو اختیار کرتے تھے' چنانچہ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((كُنَّا نَعْزِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَالْقُرْاٰنُ يَنْزِلُ)) ❶

''ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عزل کیا کرتے تھے اس حالت میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہوتا۔''

اور صحیح مسلم میں ہے:

((كُنَّا نَعْزِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَنْهَنَا)) ❷

''ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عزل کیا کرتے تھے۔ جب نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

---

❶ بخاری' کتاب النکاح: باب العزل' ح/ ٥٢٠٩۔ مسلم' کتاب النکاح: باب حکم العزل' ح: ١٤٤٠۔

❷ مسلم' حوالہ سابق' ح/ ١٣٨/ ١٤٤٠۔

((فَجَاء رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ لِيْ جَارِيَةً وَاَنَا اَعْزِلُ عَنْهَا وَاِنِّيْ اَكْرَهُ اَنْ تَحْمِلَ وَاَنَا اُرِيْدُ مَايُرِيْدُ الرِّجَالُ وَاِنَّ الْيَهُوْدَ تُحَدِّثُ اَنَّ الْعَزْلَ الْمَوْؤُدَةُ الصُّغْرٰى فَقَالَ عليه السلام كَذَبَتِ الْيَهُوْدُ، لَوْاَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَخْلُقَهُ مَا اسْتَطَعْتَ اَنْ تَصْرِفَهُ)) ❶

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری ایک لونڈی ہے جس سے میں عزل کرتا ہوں۔ مجھے اس سے وہی رغبت ہے جو مردوں کو عورتوں سے ہوتی ہے۔ لیکن میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ حاملہ ہو جائے۔ اور یہود عزل کو مودہ صغری (ایک درجہ میں قتل اولاد) سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہود غلط کہتے ہیں۔ اگر اللہ بچہ پیدا کرنا چاہے تو تم اس کو ٹال نہیں سکتے۔''

آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ عزل کرنے کے باوجود ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ منی کا ایک آدھ قطرہ نکل کر رحم میں پہنچ جاتا ہے اور لاعلمی میں حمل ٹھہر جاتا ہے۔

ایک مرتبہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں عزل کا ذکر چھڑ گیا تو ایک شخص نے کہا کہ لوگ اسے ''موؤدۃ صغری'' سمجھتے ہیں۔ یہ سن کر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''موؤدۃ'' (زندہ درگور کرنا بالفاظ دیگر قتل اولاد) کا اطلاق اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ جنین سات اطوار سے گزر جائے۔ منی کا خلاصہ نطفہ بن جائے، پھر جما ہوا خون، پھر گوشت کا لوتھڑا، پھر ہڈیاں، پھر گوشت پوست، اور ان سب مدارج سے گزرنے کے بعد انسان کی شکل اختیار کر جائے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ نے بالکل صحیح کہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو طویل عمر عطاء فرمائے۔'' ❷ ❸

---

❶ ابوداؤد، کتاب النکاح: باب ماجاء فی العزل۔ ح/ ۲۱۷۱

❷ رواہ عبد الرزاق فی المصنف (۷/ ۱٤۱، ح:۱۲۵۵۳، ۷/ ۱٤۵، ح: ۱۲۵۷۱) نحوہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قولہ۔ واللہ اعلم

❸ اسے احادیث میں مخفی طور پر زندہ درگور کرنے کا جو کہا گیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عزل بھی کراہت کے ساتھ جائز ہے اور موجودہ دور کے مصنوعی طریقوں کا انطباق اس پر نہیں ہوتا عزل میں منی کے اندر رہنے ⇦

خاندانی منصوبہ بندی کے جواز کی صورتیں

خاندانی منصوبہ بندی کا جواز چند ضرورتوں کی بنا پر ہے۔ ایک ضرورت تو یہ ہے کہ ماں کی زندگی یا صحت کو مرض یا زچگی کی وجہ سے خطرہ لاحق ہو۔ یہ بات تجربہ سے معلوم ہو جائے یا قابل اعتماد ڈاکٹر بتا دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (البقرة: ٢/ ١٩٥)

''اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔''

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾﴾ (النساء: ٤/ ٢٩)

''اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو' یقیناً اللہ تم پر مہربان ہے۔''

دوسری ضرورت یہ ہے کہ دنیوی حرج میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو، جس کے نتیجہ میں دینی حرج پیدا ہو جائے اور آدمی اولاد کی خاطر حرام چیز کو قبول کرنے اور ناجائز باتوں کا ارتکاب کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرة: ٢/ ١٨٥)

''اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے' تم پر سختی کرنا نہیں چاہتا۔''

﴿مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ﴾ (المائدة: ٥/ ٦)

''اللہ تم پر تنگی مسلط کرنا نہیں چاہتا۔''

تیسری ضرورت اولاد کی صحت کے خراب ہو جانے یا ان کی صحیح تربیت نہ ہونے کا احتمال ہے۔ صحیح مسلم میں ہے:

((عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي أَعْزِلُ عَنِ امْرَأَتِي۔ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِمَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ أُشْفِقُ عَلَى وَلَدِهَا۔ أَوْ قَالَ۔ عَلَى أَوْلَادِهَا۔ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَوْ كَانَ ضَارًّا لَضَرَّ فَارِسَ وَالرُّومَ)) ❶

⇦ کے چانس ہوتے ہیں جبکہ مصنوعی طریقے میں نہیں۔ اور مصنوعی طریقوں کے معاشرے میں پھیلنے کی وجہ سے زنا کاری اور بدکاری عام ہو چکی ہے اس لیے ان سے اجتناب لازم ہے۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی ﷾)

❶ مسلم' كتاب النكاح: باب جواز الغيلة۔ ح: ١٤٤٣۔

"اُسامہ بن زید سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا: بچہ کو، یا یہ کہا کہ بچوں کو۔ نقصان پہنچنے کے اندیشہ سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر نقصان پہنچنے کی بات صحیح ہوتی تو فارس و رُوم والوں کو ضرور نقصان پہنچتا۔"

گویا نبی ﷺ کے نزدیک افراد کا یہ طرزِ عمل اُمت کے لیے بحیثیت مجموعی مُضر نہیں تھا۔ اور مُضر نہ ہونے کی دلیل یہ تھی کہ فارس و رُوم کی قوموں کو' جو اس وقت کی بڑی طاقتور حکومتیں تھیں' اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔

شرعاً جو ضرورتیں معتبر ہیں ان میں سے ایک ضرورت یہ ہے کہ دودھ پیتے بچہ کو نئے حمل کی وجہ سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو' کیونکہ ایسی صورت میں اس بات کا امکان ہے کہ ماں کا دودھ خراب ہو جائے اور بچہ کمزور ہو جائے۔

نبی ﷺ اُمت کو ایسی باتیں اختیار کرنے کی ہدایت فرماتے تھے جو اُمت کے حق میں مفید ہوں اور ان باتوں کو اختیار کرنے سے منع فرماتے تھے' جو اُمت کے حق میں مضر ہوں۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لاَ تَقْتُلُوا اَوْلاَدَكُمْ سِرًّا فَإِنَّ الْغَيْلَ يُدْرِكُ الْفَارِسَ فِيهِ عَثْرَةٌ)) ❶

"اپنی اولاد کو خفیہ طریقہ پر ہلاک نہ کرو کیونکہ دودھ پیتے بچے کی موجودگی میں بیوی سے صحبت کرنے سے بچہ کو نقصان پہنچتا ہے۔ شہسوار بن کر ٹھوکر کھاتا ہے۔"

لیکن نبی ﷺ نے اس کی ممانعت حرمت کے درجہ میں نہیں فرمائی' کیونکہ آپ ﷺ کے زمانہ میں دیگر قوموں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا اور انہیں اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔ نیز اگر دودھ پلانے کی وجہ سے جماع کی قطعی ممانعت کر دی جاتی تو ان کے شوہروں کو اس سے تکلیف ہوتی' جبکہ دودھ پلانے کا سلسلہ دو سال تک جاری رہتا ہے۔ ان تمام

❶ ابو داود' کتاب الطب: باب فی الغیلة ح: ۳۸۸۱۔ واسنادہ ضعیف۔

باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَنْهٰى عَنِ الْغِيْلَةِ ثُمَّ رَأَيْتُ فَارِسَ وَالرُّوْمَ يَفْعَلُوْنَهٗ وَلَا يَضُرُّ اَوْلَادَهُمْ شَيْئًا)) ❶

''میں چاہتا تھا کہ دودھ پیتے بچوں کی ماؤں سے مباشرت کرنے سے منع کروں' لیکن فارس اور روم کے لوگوں کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایسا کرتے ہیں اور ان کے بچوں کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔''

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان دونوں حدیثوں میں جمع و تطبیق کی صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ:

''نبی ﷺ کے سامنے دونوں پہلو تھے۔ ایک یہ کہ دودھ پیتے بچہ کی موجودگی میں اس کی ماں سے مباشرت' بچہ کے حق میں نقصان دہ ہوگی' اگرچہ یہ نقصان بچہ کو قتل کرنے یا ہلاک کرنے کے مترادف نہیں ہے۔ تاہم نقصان کے اندیشہ کے پیش نظر آپ ﷺ نے ممانعت فرمائی' لیکن یہ ممانعت حرمت کے درجہ میں نہیں تھی۔ پھر آپ ﷺ نے سد ذریعہ کے طور پر اس سے روکنا چاہا' لیکن دوسرا پہلو آپ ﷺ کے سامنے یہ آیا' کہ اس ذریعہ کا انسداد اس مفسدہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا' جو مدتِ رضاعت میں مباشرت کی ممانعت کی صورت میں پیدا ہوسکتا ہے۔ خاص طور سے نوجوانوں اور شہوت و ہیجان نفسی کے مفسدہ میں مبتلا ہو جانے کا قومی اندیشہ ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی رائے یہ ہوئی کہ یہ مصلحت سد ذریعہ کے مفسدہ کے مقابلہ میں راجح ہے۔ نیز اس دور کی دو بڑی قوموں کا طرز عمل بھی پیش نظر تھا جو اس سے احتراز نہیں کرتی تھیں۔ ان امور کے پیش نظر آپ ﷺ نے اس کی ممانعت نہیں فرمائی۔'' ❷

ہمارے زمانہ میں منع حمل کے نئے نئے ذرائع ایجاد ہوئے ہیں جن کو استعمال کر کے اس مصلحت کا تحفظ کیا جاسکتا ہے' جو رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر تھی' یعنی دودھ پیتے بچہ کو نقصان پہنچنے سے بچانا اور اس مفسدہ سے بھی بچانا' جو دورانِ رضاعت مباشرت سے

❶ مسلم' کتاب النکاح: باب جواز الغیلۃ۔ح:۱۴۴۲۔
❷ مفتاح دار السعادۃ۔ ص۔ ۶۲۔ج ۲' ص ۶۶ ۔

ممانعت کی صورت میں پیدا ہوسکتا ہے۔ ❶

اس کی روشنی میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی نظر میں دو ولادتوں کے درمیان کی مثالی مدت اس شخص کے لیے ہے، جو رضاعت کی تکمیل کرنا چاہتا ہو، تیس (۳۰) یا تینتیس (۳۳) مہینے ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک عزل جائز ہے' بشرطیکہ بیوی کی اجازت سے کیا جائے' کیونکہ اولاد اور تلذذ دونوں میں اس کا حق ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا۔ ❷

اس سے اسلام کا وہ ممتاز نقطہ نظر نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے جو اس نے عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں ایسے زمانہ میں اختیار کیا جبکہ لوگ حقوقِ نسواں سے بالکل آشنا نہ تھے۔

اسقاطِ حمل

اسلام نے مانعِ حمل طریقے اختیار کرنا' ایسی صورت میں جائز ٹھہرایا ہے' جبکہ ضرورت اس کی متقاضی ہو۔ لیکن جب حمل قرار پا چکا ہو تو اس کو نقصان پہنچانا کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نفخ روح کے بعد جنین (ماں کے پیٹ میں بچہ) کا اسقاط حرام اور جرم ہے' ایک مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ صورت جنین کے حق میں' جو ایک زندہ وجود اور اپنی ساخت میں کامل ہے' صریح ظلم ہے۔ اسی لیے فقہاء کہتے ہیں کہ حمل ساقط کرانے کی صورت میں اگر جنین زندہ پیدا ہو کر مر جائے تو دیت لازم آئے گی۔ اور اگر جنین مردہ پیدا ہو گیا تو جرمانہ ادا کرنا ہوگا' جس کی مقدار دیت سے کم ہوگی۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ جب قابلِ اعتماد ذرائع سے یہ اندازہ ہو جائے کہ جنین کو بچانے

---

❶ واضح رہے کہ مؤلف کی یہ بحث فیملی پلاننگ سے متعلق ہے' نہ کہ نس بندی سے متعلق' اس لیے اس کو نس بندی کے جواز پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا۔ نس بندی درحقیقت خلق اللہ میں تبدیلی ہے' اس لیے اس کا گناہ اور ناجائز ہونا بالکل واضح ہے' الا یہ کہ آدمی کے لیے جبر واضطرار کی صورت پیدا ہو جائے۔ (مترجم)

❷ بیهقی فی السنن الکبریٰ (۲/ ۲۳۱) واسناده ضعیف۔

کی صورت میں لا محالہ ماں کی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور اسقاط کے سوا کوئی دوسری صورت جان بچانے کی ممکن نہیں ہے' تو ایسی صورت میں اسقاط ضروری ہو جاتا ہے۔ ❶ شریعت کا عام قاعدہ یہ ہے کہ دو ضرر رساں چیزوں میں سے کم ضرر رساں چیز کو اختیار کیا جائے۔ اس قاعدے کے پیش نظر بچہ کی جان کو بچانے کی خاطر ماں کی زندگی کو خطرہ میں نہیں ڈالا جاسکتا' کیونکہ ماں کی زندگی اصل ہے اور اس کا حق مقدم ہے۔ لہٰذا اس کی زندگی کو جنین پر ہرگز قربان نہیں کیا جاسکتا۔ ❷

اور امام غزالی فرماتے ہیں کہ:

> ''منع حمل اور اسقاط میں فرق کیا جانا چاہیے' منع حمل قتل اولاد کے مترادف نہیں ہے' کیونکہ قتل اولاد کا اطلاق اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ بچہ وجود میں آچکا ہو۔ بچہ کے وجود میں آنے کے کئی مدارج ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ رحم میں نطفہ قرار پا جائے اور اس میں زندگی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ ایسی صورت میں اس کو ضائع کرنا گناہ کا کام ہے۔ پھر جب خون کا لوتھڑا بن جائے تو اس کو ضائع کرنا اس سے زیادہ گناہ کی بات ہے۔ اور جب اس میں روح پھونکی جا چکی ہو اور وہ صحیح الخلقت انسان بن گیا ہو تو اس کو ضائع کرنا گناہ میں مزید اضافہ کا موجب ہے۔ اور حد درجہ گناہ یہ ہے کہ بچہ کو پیدائش کے بعد قتل کر دیا جائے۔'' ❸

زوجین کے معاشرتی حقوق

نکاح وہ پختہ عہد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے درمیان ذریعہ ارتباط بنایا ہے۔ دونوں میں سے ہر فرد نکاح کے بعد زوج کہلاتا ہے' کیونکہ وہ دوسرے کا جوڑ ہوتا ہے اور اپنے دل میں اس کے درد کی چوٹ محسوس کرتا ہے۔

---

❶ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا اگر کبھی کبھار شاذ و نادر کوئی اِکا دُکا واقعہ ایسا رونما ہوتا ہے کہ جس میں یہ طرز عمل اپنانا پڑتا ہے۔ بعض لوگ مصنوعی اضطراری صورت پیدا کر کے اپنی صحت اور حسن کے تحفظ کے لیے اسقاط کروا چھوڑتے ہیں، جبکہ ایسا صرف اس وقت درست ہے جب واقعی ماں کی جان جا رہی ہو۔ واللہ اعلم۔ (محمد طاہر نقاش)

❷ فتاویٰ شیخ شلتوت ٤٦٤ . ❸ احیاء العلوم۔ کتاب النکاح ٢_٥٣ .

قرآن کریم نے اس بندھن کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرة: ٢/ ١٨٧)

''وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔''

یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ زوجین کو باہم متحد' ایک دوسرے کی ستر پوشی کرنے والا' ایک دوسرے کا حامی اور ایک دوسرے کے لیے باعث زینت ہونا چاہیے' گویا دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں جن کو بغیر کسی کوتاہی کے ادا کرنا چاہیے۔ یہ حقوق مساوی ہیں بجز ان باتوں کے جو مردوں کے ساتھ ان کی فطرت کے لحاظ سے مخصوص ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ﴾ (البقرة: ٢/ ٢٢٨)

''عورتوں کے لیے بھی معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں' البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔''

یہ درجہ قوام اور ذمہ دار و جوابدہ ہونے کا ہے۔ نبی ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا: ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ وَلاَ تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلاَ تُقَبِّحْ وَلاَتَهْجُرْ اِلَّا فِي الْبَيْتِ)) ❶

''یہ کہ انہیں اپنے ساتھ کھلاؤ پلاؤ اور پہناؤ' اس کے چہرہ پر نہ مارو اور نہ اسے برا بھلا کہو۔ اور اسے اس کے گھر کے سوا کہیں نہ چھوڑو۔''

اس لیے کسی مسلمان شوہر کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کے نان نفقہ اور پوشش کی طرف سے بے اعتنائی برتے۔ حدیث میں ہے:

((كَفٰى بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ يُضِيعَ مَنْ يَقُوْتُ)) ❷

---

❶ ابوداود' کتاب النکاح: باب فی حق المرأة علی زوجها' ح: ٢١٤٣۔ ابن ماجه' کتاب النکاح: باب حق المرأة علی الزوج' ح/ ١٨٥٠۔

❷ ابو داود کتاب الزكاة، باب فی صلة الرحم، ح: ١٦٩٢، و هو عند مسلم فی کتاب الزكاة، باب فضل النفقة علی العیال والمملوك، ح: ٩٩٦ بلفظ "كفى بالمرء ان يحبس عمن يملك قوته۔"

"آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ جن کے نان ونفقہ کی اس پر ذمہ داری ہے ان کی طرف سے وہ بے پروا ہو جائے۔"

اسلام شوہر کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی بیوی کے منہ پر مارے کیونکہ یہ انسانی احترام کے خلاف ہے۔ اور اس سے جسم کے اشرف حصہ کو جس میں جسم کے جملہ محاسن جمع ہیں، تکلیف پہنچتی ہے۔ گو نافرمان اور سرکش بیوی کو بوقت ضرورت بغرض تادیب مارنا جائز ہے' لیکن اس طرح زدوکوب کرنا' کہ اسے اذیت پہنچے یا اس کے چہرہ کو مار لگے، جائز نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ بیوی کو برا بھلا کہا جائے اور اذیت دہ باتیں کی جائیں' یا ایسی باتیں کی جائیں جو اسے ناگوار ہوں' یا مثلاً یہ کہا جائے کہ اللہ تیرا برا کرے وغیرہ۔

رہا شوہر کا حق بیوی پر تو نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ اَنْ تَأْذَنَ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا وَهُوَ كَارِهٌ وَلَا تَخْرُجَ وَهُوَ كَارِهٌ وَلَا تُطِيْعُ فِيْهِ اَحَدًا' وَلَا تَعْتَزِلُ فِرَاشَهٗ وَلَا تَضْرِبُهٗ فَاِنْ كَانَ هُوَ اَظْلَمُ فَلْتَاْتِهِ حَتّٰى تَرْضِيَهٗ' فَاِنْ قَبِلَ مِنْهَا فِبِهَا وَنِعِمَتْ وَقَبِلَ اللّٰهُ عُذْرَهَا وَاَفْلَحَ حُجَّتَهَا' وَاِنْ هُوَ لَمْ يَرْضَ فَقَدْ اَبْلَغَتْ عِنْدَ اللّٰهِ عُذْرَهَا)) ❶

"جو عورت اللہ پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں اس شخص کو آنے کی اجازت دے دے جسے وہ پسند نہ کرتا ہو۔ اور نہ اس کی مرضی کے بغیر وہ باہر نکلے۔ اور نہ اس کے معاملہ میں کسی کی بات مانے۔ اور نہ اپنے شوہر کے بستر سے الگ رہے۔ اور نہ اس کو مارے۔ اگر شوہر ظالم ہو تو اپنی حد تک اسے خوش رکھنے کی کوشش کرے۔ اگر اس کی یہ خدمت شوہر نے قبول کر لی تو فبہا۔ اللہ اس کے عذر کو قبول فرمائے گا اور اس کا برسر حق ہونا

❶ مستدرك حاكم(۱۹۰۲) السنن الكبرى للبيهقي (۲۹۳۷) واسناده ضعيف وقال الذهبي: منكر واسناده منقطع"۔

ظاہر فرمائے گا۔ اور اگر شوہر راضی نہ ہو تو اللہ کے حضور اس کا عذر پہنچ ہی جائے گا۔"

میاں بیوی کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں صبر کرنا چاہیے

مسلمان شوہر کو اپنی بیوی کی ناپسندیدہ باتوں پر صبر کرنا چاہیے۔ اور انسان میں انسان ہونے کی حیثیت سے جو نقائص ہوتے ہیں اور عورتوں میں نسوانیت کی بنا پر جو کمزوریاں ہوتی ہیں، ان کو برداشت کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اسی طرح بیوی کی برائیوں کے مقابلہ میں اچھائیوں اور عیوب کے مقابلہ میں اس کی خوبیوں پر نظر رکھنی چاہیے۔ حدیث میں ہے:

((لَا يَفْرُكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ سَخِطَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا غَيْرَهُ)) ❶

"کوئی مؤمن کسی مؤمنہ سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس میں ایک خصلت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری خصلت پسندیدہ ہوگی۔"

اور ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝﴾ (النساء: ٤/ ١٩)

"ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے رہو۔ اگر تمہیں وہ ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔"

اسلام نے جس طرح شوہر کو بیوی کی ناگوار باتوں پر صبر و تحمل سے کام لینے کی ہدایت کی ہے اسی طرح بیوی کو بھی یہ ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے شوہر کو ممکن حد تک خوش رکھنے کی کوشش کرے اور اپنے شوہر کو ناراضگی کی حالت میں چھوڑ کر شب بسر نہ کرے۔ حدیث میں ہے:

((ثَلَاثَةٌ لَا تَرْتَفِعُ صَلَاتُهُمْ فَوْقَ رُؤُسِهِمْ شِبْرًا۔ رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ، وَامْرَاَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ، وَاَخَوَانِ

(١) مسلم، كتاب الرضاع: باب الوصية بالنساء، ح: ١٤٦٧.

مُتَصَارِمَانِ)) ❶

''تین اشخاص ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت بھر بھی اوپر نہیں اٹھتی۔ ایک وہ شخص جو لوگوں کی امامت کرے آنحالیکہ لوگ اسے ناپسند کرتے ہوں' دوسری وہ عورت جو اس حال میں شب بسر کرے کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو' تیسرے وہ دو بھائی جو ایک دوسرے سے لڑیں۔''

نافرمانی اور نزاع کی صورت میں

مرد گھر کا سردار اور خاندان کا سرپرست ہے' اس بنا پر کہ اس کی تخلیق اسی طرز پر ہوئی ہے اور اس کے اندر اس کی استعداد پائی جاتی ہے۔ اور کارگہ حیات میں اس کی حیثیت بھی یہی کچھ ہے نیز وہ مہر اور نان نفقہ کا ذمہ دار ہے۔ لہٰذا عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی اطاعت سے خروج اختیار کرے اور اس سے سرکشی کرے۔ ورنہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تعلقات خراب ہو جائیں گے اور سفینہ بیت ڈانواں ڈول ہونے لگے گا اور عجب نہیں کہ کسی ناخدا کے نہ ہونے کی وجہ سے غرق ہو جائے۔

شوہر جب دیکھ لے کہ بیوی کی طرف سے نافرمانی کا صدور (ظہور) ہو رہا ہے اور بیوی اس کے خلاف سر اٹھا رہی ہے تو کلمۂ خیر' مؤثر نصیحت اور حکیمانہ باتوں کے ذریعہ اس کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرے۔ لیکن جب نصیحت کارگر ثابت نہ ہو تو اس کو اس کے بستر پر چھوڑ دے تاکہ نسوانی جذبات ابھر آئیں اور فرمانبرداری کرنے لگے۔

اور اگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو تو پھر اس پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن ایسی صورت میں اذیت دہ حد تک زدوکوب کرنے اور چہرے پر مارنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ بعض عورتوں کے لیے بعض حالات میں یہی علاج کارگر ہوتا ہے۔ مارنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوڑے یا

---

❶ ابن ماجه' كتاب اقامة الصلوات: باب من امّ قوماً وهم له كارهون' ح/ ٩٧١۔ صحيح ابن حبان (موارد ۔ ٣٧٧) وله شاهد عند الترمذي في كتاب الصلوٰة: باب ماجاء في من ام قوماً وهم له كارهون' ح/ ٣٦٠ بلفظ "ثلاثة لا تجاوز صلاتهم اذانهم ۔" و فيه"العبد الآبق' مكان "اخوان متصارمان"۔

لکڑی وغیرہ سے مارنا' بلکہ اس کی نوعیت نبی ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ایک خادم سے' جس نے کسی کام کے سلسلہ میں آپ ﷺ کو غصہ دلایا تھا' فرمایا:

((لَوْلَا الْقِصَاصُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَأَوْجَعْتُكَ بِهٰذَا السِّوَاكِ)) ❶

''اگر قیامت کے دن بدلہ نہ لیا جانے والا ہوتا تو میں تجھے اس مسواک سے مارتا۔''

نبی ﷺ نے زدوکوب کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((عَلَامَ يَضْرِبُ اَحَدُكُمْ امْرَأَتَهُ ضَرْبَ الْعَبْدِ وَلَعَلَّهُ اَنْ يُجَامِعَهَا فِي اٰخِرِ الْيَوْمِ)) ❷

''تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح کیوں پیٹتا ہے جس طرح غلاموں کی پٹائی ہوتی ہے؟ اور اس کے بعد شاید وہ رات میں اس سے مجامعت بھی کرے۔''

جو لوگ عورتوں کو مارتے ہیں ان کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا تَجِدُوْنَ اُولٰئِكَ خِيَارَكُمْ)) ❸

''ایسے لوگوں کو تم اپنے میں بہتر نہ پاؤ گے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ تم میں جو لوگ اچھے ہوں گے وہ کبھی اپنی بیویوں کو نہیں ماریں گے' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورتوں کو مارنا فی الجملہ جائز ہے''

❶ حلية الاوليا(٨/ ٣٧٨)' طبقات ابن سعد (١/ ٣٨٢) مجمع الزوائد (١٠/ ٣٥٣)' بحواله الطبرانى (٢٣/ ٣٧٦) وابى يعلى(٦/ ٢٥٥'ح: ٦٨٩٢'٦/ ٢٦١-٢٦٢'ح ٦٩٠٨) ورواه البخارى فى الادب المفرد (١٨٤) نحوه۔

❷ مسند احمد (٤/ ١٧)۔ بخاری' كتاب التفسير: سورة والشمس'ح:٤٩٤٢' مسلم' كتاب الجنة: باب النار يدخلها الجبارون' ح/ ٢٨٥٥۔

❸ ابوداود' كتاب النكاح: باب فى ضرب النساء' ح/ ٢١٤٦۔ ابن ماجه' كتاب النكاح: باب ضرب النساء'ح/ ١٩٨٥۔

جس کا مناسب موقع اس وقت ہے جبکہ شوہر اپنی بیوی میں کوئی ایسی ناگوار بات دیکھ لے جس میں اس کی اطاعت کرنا اس پر واجب ہے۔ ایسی صورت میں وہ اسے تادیباً مار سکتا ہے۔ البتہ اگر دھمکی وغیرہ سے کام چل سکے تو اچھا ہے اور جب ذو معنی الفاظ استعمال کرنے سے کام چلتا ہو مار پیٹ سے احتراز کرنا چاہیے' کیوں کہ اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور یہ حسنِ معاشرت کے خلاف ہے' حالانکہ حسنِ معاشرت ازدواجی زندگی میں اصلاً مطلوب ومحبوب ہے۔ الّا یہ کہ کسی ایسے معاملہ میں اسے مارنا پڑے جو اللہ کی نافرمانی سے تعلق رکھتا ہو۔

نسائی نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے:

((مَاضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِمْرَأَةً لَهٗ وَلاَ خَادِمًا قَطُّ وَلاَ ضَرَبَ بِيَدِهٖ شَيْئًا قَطُّ اِلَّا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْتُنْتَهَكُ حُرُمَاتُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ)) [1]

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بیوی یا خادم کو کبھی نہیں مارا اور نہ کسی اور شخص پر کبھی اپنا ہاتھ اٹھایا۔ ہاں اللہ کی راہ میں حدودِ الٰہی کی بے حرمتی کی وجہ سے اللہ کی خاطر کسی کو سزا دی ہو تو یہ اور بات ہے۔'' (فتح الباری-ج۹-ص ۲۴۹)

لیکن اگر یہ سب باتیں غیر مؤثر ثابت ہو جائیں اور اختلافات کی خلیج وسیع ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اسلامی معاشرہ اور اہل الرائے اور اصحاب خیر کو اس میں مداخلت کر کے اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ شوہر کے اہل میں سے ایک حکم (ثالث) اور بیوی کے اہل سے ایک حکم جو خیر پسند ہو مقرر کر لیں۔ اگر انہوں نے میاں بیوی کو ملانا اور خرابی کی اصلاح کرنا چاہا تو اللہ ان کے درمیان ضرور موافقت پیدا کر دے گا۔ ان امور کے سلسلہ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ

[1] مسلم' کتاب الفضائل : باب مباعدته ﷺ لآثار' ح:۲۳۲۸۔ نسائی فی الکبر (۵/ ۳۷۰' ۳۷۱' ح:۹۱۶۴) واللفظ له۔

وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَإِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿٣٤﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿٣٥﴾﴾ (النساء: ٤/ ٣٤-٣٥)

"جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں نصیحت کرو۔ ان کو ان کے بستروں میں چھوڑ دو۔ اور انہیں مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف بہانے نہ ڈھونڈو' یقین جانو کہ اللہ بالاتر اور بہت بڑا ہے۔ اور اگر تمہیں دونوں کے درمیان افتراق کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو۔ اگر دونوں اصلاح کے طالب ہوئے تو اللہ انکے درمیان سازگار (فضاء وماحول) پیدا کر دیگا۔ بے شک اللہ علیم وخبیر ہے۔"

صرف ایسی صورت میں طلاق جائز ہو جاتی ہے

ان تمام صورتوں اور تمام کوششوں کے ناکام ہو جانے کے بعد شوہر کے لیے جائز ہو جاتا ہے کہ وہ بہ تقاضائے ضرورت آخری چارۂ کار تلاش کرے جسے اسلام نے مشروع قرار دیا ہے' تاکہ مشکلات کا حل نکل آئے...... اور یہ آخری چارۂ کار طلاق ہے۔ اسلام نے اس طریقہ کو اختیار کرنے کی اجازت بہ کراہت دی ہے۔ اسے نہ مندوب قرار دیا ہے اور نہ مستحب، بلکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰهِ الطَّلَاقُ)) ❶

"اللہ نے طلاق سے زیادہ کسی ناپسندیدہ چیز کو حلال نہیں قرار دیا۔"

نیز فرمایا:

((مَا اَحَلَّ اللّٰهُ شَيْئًا اَبْغَضَ اِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ)) ❷

❶ ابوداود' كتاب الطلاق: باب فی كراهية الطلاق' ح: ٢١٧٨' ابن ماجه' كتاب الطلاق: باب (١)' ح/ ٢٠١٨۔

❶ ابوداود' كتاب الطلاق: باب فی كراهية الطلاق' ح/ ٢١٧٧ .

''اللہ نے طلاق سے زیادہ کسی ناپسندیدہ چیز کو حلال نہیں قرار دیا۔''

اور طلاق کا حلال مگر ناپسندیدہ ہونا، اس بات سے ظاہر ہے کہ طلاق ایک رخصت ہے جسے ضرورۃً جائز قرار دیا گیا ہے۔ اسے ایسی صورت میں اختیار کیا جا سکتا ہے جبکہ گھریلو زندگی متاثر ہو جائے اور زوجین کے دلوں میں نفرت بیٹھ جائے اور وہ اس قابل نہ رہیں کہ حدود اللہ پر قائم رہ سکیں اور حقوقِ زوجیت ادا کر سکیں۔ بقول کسے جب وفاق کی کوئی صورت نہ رہی تو فراق سہی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهِ ﴾ (النساء : ٤/ ١٣٠)

''اگر دونوں جدا ہو جائیں گے تو اللہ ان میں سے ہر ایک کو اپنی وسعت سے بے نیاز کر دے گا۔''

اسلام سے قبل طلاق کا طریقہ

طلاق کو اسلام ہی نے تنہا جائز نہیں قرار دیا ہے بلکہ اسلام سے پہلے پوری دنیا میں طلاق کا طریقہ رائج تھا' بجز ایک دو قوموں کے۔ مرد جب عورت پر غصہ ہو جاتا' کسی معقول وجہ سے یا ناحق' تو اسے اس کے مکان سے باہر نکال دیتا اور عورت اپنی مدافعت میں کچھ نہ کر سکتی۔ نہ اس سے اس کا کوئی معاوضہ لے سکتی تھی اور نہ اس کو اور کسی قسم کا حق حاصل تھا۔

جس زمانہ میں یونانیوں نے شہرت حاصل کی اور ان کی تہذیب کا ڈنکا بج رہا تھا اس وقت ان میں بھی طلاق کسی قید اور شرط کے بغیر رائج تھی۔

اور رومانیوں کے نزدیک طلاق نکاح کے وجود میں آنے ہی سے معتبر سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ اگر زوجین عدمِ طلاق کی شرط لگاتے تو منصف نکاح کے باطل ہونے کا فیصلہ دے دیتا۔

رومانیوں کے قدیم قبائل کے نزدیک مذہبی نکاح کی صورت میں طلاق حرام ہو جاتی تھی' البتہ شوہر کو اپنی بیوی پر لامحدود اختیارات حاصل ہو جاتے تھے یہاں تک کہ بعض حالات میں بیوی کو قتل کرنا بھی اس کے لیے روا ہو جاتا۔ بعد میں ان کے مذہب نے طلاق کو اسی طرح مباح قرار دیا جس طرح کہ شہری قانون کی رو سے مباح تھی۔

یہودی مذہب میں طلاق

جہاں تک یہودی مذہب کا تعلق ہے اس نے بیوی کی حالت کو بہتر بنانے کا سامان کیا' لیکن طلاق کو جائز قرار دے کر اس کے جواز میں بڑی وسعت پیدا کر دی۔ شوہر بیوی پر فسق کا جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں شرعاً طلاق دینے کے لیے مجبور تھا' یہاں تک کہ اگر شوہر اس کے جرم کو معاف کر دیتا تب بھی اس کے لیے طلاق دینا ضروری تھا' نیز قانون کی رو سے بھی اگر دس سال گزر جانے کے باوجود عورت کے اولاد نہیں ہوئی ہے تو طلاق دینا ضروری تھا۔ ❶

مسیحی مذہب میں طلاق

مسیحی مذہب طلاق کے معاملہ میں بالکل منفرد ہے۔ اس نے یہودی مذہب کی مخالفت کی اور انجیل نے حضرت مسیح کی طرف منسوب کر کے طلاق کو حرام قرار دیا۔ نیز طلاق دینے والے مرد اور مطلقہ عورت کا نکاح حرام ٹھہرایا۔ متی کی انجیل میں ہے:

> ''یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے' لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کراتا ہے۔ اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔''

اور مرقس کی انجیل میں ہے:

> ''جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔'' ❷

انجیل میں اس تحریم کی علت یہ بیان کی گئی ہے:

> ''جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔'' ❸

---

❶ الاسلام دین عام خالد' از فرید و جدی' ص ۱۷۲ .

❷ مرقس ۱۰:۱۱'۱۲ .

❸ متی ۱۹:٦ .

یہ جملہ معناً اپنی جگہ بالکل صحیح ہے لیکن اسے طلاق کی حرمت کے لیے علت قرار دینا قابلِ تعجب ہے۔ اللہ کی طرف سے زوجین کے جوڑے جانے کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ اس نے نکاح کی اجازت دی ہے اور اسے مشروع ٹھہرایا ہے۔ اب اگر اس نے کچھ ضرورتوں کی بنا پر طلاق کی اجازت دے دی تو یہ تفریق بھی اللہ ہی کی طرف سے ہوئی اگرچہ انسان نے تفریق کا یہ کام انجام دیا ہو۔ اس سے واضح ہوا کہ جسے اللہ نے جوڑا ہے اسے جدا کرنے والا انسان نہیں ہے' بلکہ اللہ ہی ہے۔ کیا زنا کی صورت میں دونوں کو جدا کرنے والا اللہ نہیں ہے؟ اسی طرح زنا کے علاوہ تفریق کے اور اسباب بھی ہو سکتے ہیں؟

طلاق کے مسئلہ میں مسیحی مذہب کا اختلاف

اگرچہ انجیل نے زنا کی صورت میں طلاق کو حرمت سے مستثنیٰ کر دیا ہے لیکن کیتھولک مذہب نے اس استثناء کی تاویل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ درحقیقت یہاں کوئی استثناء ہے ہی نہیں اور نہ طلاق دینے کی کوئی گنجائش ہے۔ طلاق کا تو مسیحی مذہب میں وجود ہی نہیں ہے۔ رہی زنا کی علت تو وہ فی نفسہٖ عقد کو فسخ کرنے والی ہے اس لیے زنا کی صورت میں مرد کے لیے نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے کہ عورت کو چھوڑ دے۔

اس کے برعکس پروٹسٹنٹ مذہب کے پیروکار طلاق کو مخصوص صورتوں میں' مثلاً بیوی کے زنا کرنے یا شوہر کی خیانت وغیرہ کرنے کی صورت میں' جائز قرار دیتے ہیں۔ انجیل متی کے بیان پر یہ اضافہ ہے جو انہوں نے کیا ہے۔ لیکن ایسی صورت میں طلاق دینے والے مرد اور مطلقہ عورت دونوں کا بعد میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا حرام ٹھہرایا ہے۔

رہے آرتھوڈاکس (Orthodox) مذہب کے پیروکار تو مصر میں ان کی مذہبی مجالس نے بیوی کے زنا کے ارتکاب اور چند دیگر اسباب کی بنا پر طلاق کو جائز قرار دیا ہے۔ ان اسباب میں سے تین سال تک بیوی کا بانجھ رہنا' متعدی امراض اور جھگڑوں کا طویل سلسلہ جس میں صلح کی طرف سے ناامیدی، جیسے اسباب شامل ہیں۔ لیکن یہ اسباب انجیل پر اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مذہب کے محافظ دوسروں سے ان اسباب کی بنا پر طلاق کا جواز منوا نہیں سکے ہیں۔ اور اسی بنا پر مصر کی مسیحی عدالت نے ایک مسیحی عورت کا دعویٰ

جس کے ذریعہ اس نے اپنے تنگدست شوہر سے طلاق طلب کی تھی، مسترد کرتے ہوئے یہ ریمارک دیا ہے' کہ یہ عجیب معاملہ ہے کہ دین کے بعض علمبرداروں اور اس مجلس کے ممبروں نے ایسے اسباب کی بنا پر طلاق کو جائز قرار دیا ہے جس کی کوئی سند انجیل میں موجود نہیں ہے۔

طلاق کے معاملہ میں مسیحیت کی ان پابندیوں کا نتیجہ

ان پابندیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیت کے پیروکار اپنے دین سے سرکشی کر بیٹھے اور انجیل کی ہدایت سے اس طرح نکل گئے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے' اور جس کو اللہ نے جوڑا تھا اس کو جدا کر کے رہے۔ چنانچہ مسیحی مغرب نے ایسے شہری قوانین بنائے کہ ان کا اس قید دوام سے نکلنا جائز ہو گیا' اور امریکہ وغیرہ بہت سے ممالک نے تو طلاق کے جواز کے معاملہ میں بالکل چھوٹ دے دی۔ گویا کہ وہ انجیل کو چیلنج کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معمولی اسباب کی بنا پر لوگ طلاق کا ہتھیار استعمال کرنے لگے۔ اور جب اس انتہا پسندی کے نتیجہ میں ازدواجی زندگی اور خاندانی نظام میں انتشار پیدا ہوا تو ان کے عقلاء و زعماء کے نزدیک قابل شکایت قرار پایا۔ یہاں تک کہ معاملات طلاق کا ایک مشہور جج یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ عنقریب ان کے ملک سے ازدواجی زندگی ختم ہو جائے گی اور عورت مرد کے درمیان اباحیت اور انارکی کی صورت میں تعلقات قائم ہوں گے۔ اور ازدواجی زندگی کی حیثیت آج تجارتی کمپنی کی ہے جس کے دونوں حصے دار معمولی اسباب کی بنا پر معاہدہ کو توڑ دیتے ہیں۔ یہ صورت حال تمام مذاہب کی ہدایت کے خلاف ہے۔

طلاق کے معاملہ میں مسیحیت کا منفرد رویہ

''دین کی تعلیمات سے ہٹ کر عائلی قوانین کو شہری قوانین کے مطابق ڈھالنے کی مثال غالباً مغربی مسیحیت کے سوا کہیں نہیں ملے گی۔ اہل مذاہب اپنی عائلی زندگی کو مذہبی تعلیم کے تابع رکھتے ہیں' لیکن اہل مسیحیت ہی ایک ایسی قوم ہے کہ جس نے اس سلسلہ میں اپنے دین سے انحراف کیا اور خاص طور سے طلاق کے معاملہ میں' کیونکہ ان کا اپنا احساس یہ تھا کہ اس کی تعلیمات طلاق کے معاملہ میں خلاف حقیقت ہیں۔ انسانی مزاج اس سے نا آشنا ہے اور انسانی زندگی پر اس کا انطباق درست نہیں۔'' ❶

---

❶ حقوق الانسان فی الاسلام' از ڈاکٹر علی عبدالواحد وافی' ص ۸۸۔

مسیحیت وقتی علاج تھا، نہ کہ شریعت عامہ

طلاق کے معاملہ میں انجیل میں جو کچھ مذکور ہے' اگر وہ صحیح ہو' اور بالفرض قرون اولیٰ میں اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا گیا تھا' تب بھی یہ بات واضح ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے پیش نظر دوامی اور عمومی شریعت بنانا نہ تھا جو تمام انسانوں کے لیے ہو۔ آپ کا مقصد تو یہ تھا کہ یہود نے اللہ کی بخشی ہوئی رخصتوں کے معاملہ میں جو حد سے تجاوز کیا ہے کہ انہوں نے طلاق کے معاملہ میں کیا ہے' اس کی مخالفت کی جائے۔ انجیل متی میں ہے کہ جب فریسیوں نے حضرت مسیح کا امتحان لینا چاہا تو آپ سے پوچھا:

> ''کیا ہر ایک سبب سے اپنی بیوی کو چھوڑ دینا روا ہے؟ اس نے جواب میں کہا: کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جس نے انہیں بنایا اس نے ابتدا ہی سے انہیں مرد اور عورت بنا کر کہا' کہ اس سبب سے مرد باپ اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا اور وہ دونوں میں ایک جسم ہوں گے۔ پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں' اس لیے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔ انہوں نے اس سے کہا: پھر موسیٰ نے کیوں حکم دیا ہے کہ طلاق نامہ دے کر چھوڑ دی جائے؟ اس نے ان سے کہا کہ موسیٰ نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تم کو اپنی بیویوں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی مگر ابتدا سے ایسا نہ تھا۔ اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے۔'' [1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے طلاق کی جو اجازت دی تھی، اس میں جب یہود نے غلو کیا تو سیّدنا مسیح علیہ السلام نے سزا کے طور پر طلاق ان پر حرام کر دی بجز زانیہ کے۔ یہ وقتی علاج تھا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ایک ہمہ گیر اور دوامی شریعت کے ظہور تک کے لیے تھا۔

---

[1] متی ۱۹: ۱تا ۱۰۔

یہ بات معقول نہیں ہے کہ سیّدنا مسیح طلاق کے اس حکم کو دائمی شریعت کی حیثیت دینا چاہتے تھے' کیونکہ آپ کے حواری اور مخلص تلامذہ نے خود اس حکم کو بوجھل قرار دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا:

''اگر مرد کا بیوی کے ساتھ ایسا ہی حال ہے تو بیاہ کرنا ہی اچھا نہیں۔'' ❶

کیونکہ ایسی صورت میں نکاح کرنے کا مطلب اپنی گردن میں ایسا طوق ڈال دینا ہے جس سے چھٹکارا کسی طرح ممکن نہیں' خواہ مرد کا دل بیوی کی طرف سے کتنا ہی متنفر ہو اور وہ اس سے کتنا ہی کبیدہ خاطر ہو' اور خواہ دونوں کے مزاج اور رجحانات میں کتنا ہی اختلاف ہو۔

طلاق کے سلسلہ میں اسلام کی قیود

اسلامی شریعت نے طلاق کے معاملہ میں متعدد قیود عائد کی ہیں' جس سے طلاق کا دائرہ محدود ہو گیا ہے۔ جن ذرائع کا ذکر ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں ان سے کام لیے بغیر اور بلا ضرورت طلاق دینا اسلام میں حرام اور ممنوع ہے۔ کیونکہ اس سے بیوی کے علاوہ خود شوہر کو بھی ضرر (نقصان) پہنچتا ہے اور خلافِ مصلحت بھی ہے۔ اس لیے ایسی صورت میں طلاق دینا اسی طرح حرام ہے جس طرح کہ مال کو ضائع کرنا۔ نبی ﷺ کے ارشاد

((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ)) ❷

''نہ اپنی ذات کو ضرر پہنچاؤ اور نہ دوسروں کو۔''

کی رُو سے بھی ایسی طلاق کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

رہے بہ کثرت طلاق دینے والے ذائقہ پرست، تو یہ بات نہ اللہ کو پسند ہے اور نہ اس کے رسول ﷺ کو۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((لَا أُحِبُّ الذَّوَّاقِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالذَّوَّاقَاتِ مِنَ النِّسَاءِ)) ❸

''ذائقہ پرست مرد اور ذائقہ پرست عورتیں مجھے پسند نہیں ہیں۔''

---

❶ متی ۱۹: ۱۱.

❷ ابن ماجہ' کتاب الاحکام: باب من بنی فی حقه مایضر بجاره' ح: ۲۳۴۰' ۲۳۴۱۔

❸ الجامع لعبد الله بن وهب (۶۹)۔ اسناده ضعيف

((إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الذَّوَّاقِيْنَ وَلَا الذَّوَّاقَاتِ)) ❶

''اللہ کو ذائقہ پرست مرد اور ذائقہ پرست عورتیں پسند نہیں ہیں۔''

اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طلاق ضرورت کو پورا کرنے ہی کی غرض سے مشروع کی گئی ہے۔

حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے

طلاق دینے کی ضرورت پیش آنے پر کسی وقت بھی طلاق دینا جائز نہیں ہے' بلکہ اس کے لیے مناسب وقت کا انتظار ضروری ہے۔ اور شرعاً اس کا مناسب وقت حالتِ طہر ہے۔ یعنی عورت حیض اور نفاس کی حالت میں نہ ہو۔ نیز اس حالت طہر میں اس نے مجامعت (ہمبستری) نہ کی ہو۔ الّا یہ کہ عورت حاملہ ہو اور اس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو۔

یہ اس لیے کہ حالت حیض اور حالت نفاس میں شوہر بیوی سے علیحدہ رہتا ہے۔ قربت سے یہ محرومی، ہوسکتا ہے کہ اسے طلاق دینے پر آمادہ کرے۔ اس امکان کے پیش نظر حکم دیا گیا ہے کہ شوہر حیض کے ختم ہو جانے اور بیوی کے پاک ہو جانے کا انتظار کرے اور پاک ہو جانے پر ہاتھ لگانے (مباشرت) سے پہلے طلاق دے دے۔

جس طرح حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے اسی طرح اس حالت طہر میں بھی طلاق دینا حرام ہے جس میں وہ مجامعت (ہمبستری) کر چکا ہے۔ کیا معلوم اسے حمل ٹھہر گیا ہو۔ اور کیا عجب اگر اس حمل کا شوہر کو علم ہو جاتا تو وہ اپنی رائے بدل دیتا' طلاق نہ دیتا اور جنین (ماں کے بطن میں بچہ) کی وجہ سے بیوی کی رفاقت کو پسند کرتا!

لیکن جب بیوی حالتِ طہر میں ہو اور شوہر نے مجامعت نہ کی ہو' یا حاملہ ہو اور حمل ظاہر ہو گیا ہو تو ایسی صورت میں طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ بیوی سے نفرت پختہ ہو گئی ہے اس لیے ایسی صورت میں طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عہدِ رسالت میں اپنی بیوی کو حالت

---

❶ مصنف ابن ابی شیبة (٥/ ٢٥٢۔ ٢٤٣) ۔ طبرانی فی الاوسط (٨/ ٤١٣' ح: ٧٨٤٤) البزار (کشف الاستار' ٢/ ١٩٢ ح ١٤٩٧' ١٤٩٨)' اسناده ضعیف .

حیض میں طلاق دے دی' سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان سے کہو کہ رجوع کریں' پھر اگر چاہیں تو حالت طہر میں چھونے سے قبل طلاق دے دیں۔'' ❶

یہ ہے وہ عدت کے لیے طلاق' جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ کہ ''اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو عدت کے لیے طلاق دو'' یعنی جس وقت سے وہ اپنی عدت کا آغاز کرسکیں۔ اس سے مراد حالتِ طہر ہے۔ ❷

دوسری روایت میں ہے:

((مُرْهُ فَلْيُرَا جِعْهَا ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا اَوْ حَامِلًا)) ❸

''ان سے کہو کہ رُجوع کریں پھر حالت طہر یا حاملہ ہونے کی صورت میں طلاق دے دیں۔''

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حالتِ حیض میں طلاق واقع نہیں ہوتی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی طلاق مشروع نہیں فرمائی ہے اور نہ اس کی اجازت دی ہے' اس لیے ایسی طلاق طلاقِ شرعی نہیں ہے' پھر اسے صحیح کس طرح کہا جاسکتا ہے اور وہ نافذ کس طرح ہوسکتی ہے؟

امام ابوداود نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا:

((كَيْفَ تَرٰى فِيْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ حَائِضًا؟ فَقَصَّ عَلَى السَّائِلِ قِصَّتَهٗ حِيْنَ طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ وَهِيَ حَائِضٌ وَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَدَّهَا عَلَيْهِ وَلَمْ يَرَهَا شَيْئًا)) ❹

''تمہاری رائے اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دیتا ہے؟ انہوں نے خود اپنا طلاق دینے کا قصہ بیان کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طلاق کو رد کر دیا تھا اور اس کو طلاق شمار نہیں کیا تھا۔''

---

❶ بخاري' كتاب الطلاق: باب (۱)' ح/ ۵۲۵۱'۵۲۵۸.

❷ مسلم' كتاب الطلاق: باب تحريم طلاق الحائض' ح: ۱۴۷۱۔

❸ مسلم' كتاب الطلاق: باب تحريم طلاق الحائض' ح:۵/ ۱۴۷۱۔

❹ ابوداود' كتاب الطلاق: باب في طلاق السنة' ح: ۲۱۸۵۔

طلاق کی قسم کھانا حرام ہے

طلاق کو قسم قرار دینا یعنی یہ قسم کھا بیٹھنا کہ فلاں کام کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں طلاق واقع ہوگی' جائز نہیں۔ اس طرح اپنی بیوی کو ڈرا دھمکا کر یہ کہنا بھی جائز نہیں ہے کہ اگر تو نے یہ کام کیا تو تجھے طلاق ہے۔ کیونکہ اسلام میں قسم کا ایک خاص صیغہ ہے جس کے علاوہ کسی اور صیغے میں قسم کی اجازت اسلام نے نہیں دی ہے۔ یہ صیغہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ)) ❶

''جس نے اللہ کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔''

((مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَصْمُتْ)) ❷

''جس کو قسم کھانا ہو وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔''

مطلقہ کو اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارنا چاہیے

اسلامی تعلیمات کی رو سے مطلقہ پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارے۔ عورت کے لیے گھر سے باہر نکلنا اس پر حرام ہے اور خاوند کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو ناحق گھر سے باہر نکالے۔ کیونکہ دوران عدت اس بات کا امکان ہے کہ مرد رجوع کر لے' جبکہ طلاق پہلی یا دوسری مرتبہ دی گئی ہو۔ ایسی صورت میں اگر بیوی گھر میں اپنے شوہر سے قریب رہے گی تو اسے شوہر کے جذبات کو آمادہ کرنے کا موقع ملے گا اور شوہر کو بھی اچھی طرح غور کرنے کا موقع ملے گا۔

عدت کا حکم رحم کی پاکیزگی' شوہر کے حق کی رعایت اور اس کی زوجیت کے احترام کی غرض سے دیا گیا ہے' جبکہ دلوں کا حال یہ ہے کہ وہ بدلتے بھی رہتے ہیں۔ آدمی نئے انداز سے سوچنے بھی لگتا ہے اور غصہ ختم ہو کر آدمی راضی بھی ہو جاتا ہے۔ اور جذبات کی رو میں

❶ ابوداود، کتاب الایمان والنذور: باب کراھیة الحلف بالأباء، ح: ٣٢٥١۔ ترمذی، کتاب النذور و الایمان: باب (٩)، ح: ١٥٣٥۔

❷ بخاری، کتاب الشھادات: باب کیف یستحلی؟، ح: ٢٦٧٩۔ مسلم، کتاب الایمان باب النھی عن الحلف بغیر اللہ، ح: ٣ ١٦٤٦۔

بہنے والا ٹھنڈا بھی پڑ جاتا ہے۔ اور نا گوار خیال کرنے والا شخص پسند بھی کرنے لگتا ہے۔
مطلقہ عورتوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۝﴾

(الطلاق: ٦٥/ ١)

''اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔ انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ ہی وہ خود نکلیں' الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں اور جو کوئی حدود اللہ سے تجاوز کرے گا وہ اپنے ہی نفس پر ظلم کرے گا۔ تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ کوئی صورت پیدا فرمائے۔''

لیکن اگر علیحدگی ناگزیر ہو جائے تو پھر دونوں کو معروف طریقہ پر اور خوبصورتی کے ساتھ علیحدگی اختیار کرنی چاہیے۔ نہ اذیت دی جائے، نہ الزام تراشی کی جائے اور نہ حقوق تلف کیے جائیں۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ (الطلاق: ٦٥/ ٢)

''تو بھلے طریقہ پر ان کو روک رکھو یا بھلے طریقہ پر ان سے علیحدگی اختیار کرو۔''

اور فرمایا:

﴿وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۝﴾

(البقرة: ٢/ ٢٤١)

''اور مطلقہ عورتوں کو معروف طریقہ پر کچھ دینا ہے۔ یہ حق ہے متقیوں پر۔''

ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ طلاق

اسلام نے مسلمان کو اختیار دیا ہے کہ وہ تین طلاقیں تین مرتبہ دے۔ اس طور سے کہ اس طہر میں جس میں اس نے مجامعت نہ کی ہو' ایک طلاق دے دے اور پھر اسے اسی حال

میں چھوڑ دے یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔ اگر شوہر دورانِ عدت اسے رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے' لیکن اگر وہ رجوع نہ کرے اور عدت ختم ہو جائے تو پھر وہ نئے نکاح کے ساتھ اسے واپس لاسکتا ہے اور اگر شوہر ضرورت نہ سمجھے تو عورت دوسرے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔

اگر پہلی طلاق کے بعد شوہر نے اسے دوبارہ اپنی زوجیت میں لے لیا اور پھر دونوں کے درمیان تعلقات کشیدہ ہو گئے اور صلح صفائی کی صورت پیدا نہ ہو سکی' تو وہ دوسری مرتبہ طلاق دے سکتا ہے۔ اس طریقہ کے مطابق جس کا ذکر اوپر گزر چکا۔ شوہر کو اب بھی یہ اختیار رہتا ہے کہ دوران عدت رجوع کرے یا عدت گزر جانے پر نئے نکاح کے ساتھ اپنی زوجیت میں لے لے۔

لیکن اگر اس نے دوبارہ واپس لینے کے بعد پھر تیسری مرتبہ طلاق دے دی تو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ دونوں کے درمیان نفرت پختہ ہو گئی ہے اور موافقت کی صورت ممکن نہیں ہے۔ ایسی صورت میں یعنی تیسری طلاق کے بعد شوہر کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اسے واپس لے لے۔ اب وہ اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ ایسا نکاح جو صحیح بھی ہو اور شرعی طریقہ پر ہوا ہو، نیز فی نفسہٖ نکاح مقصود ہو محض سابق شوہر کے لیے حلالہ کرنے کی غرض سے نہ کیا گیا ہو۔

اس طریقہ طلاق کے برخلاف' جو شخص تین وقفوں کو ایک وقفہ میں جمع کر دیتا ہے اور بیک کلمہ (ایک ساتھ ہی) تین طلاقیں دے دیتا ہے' وہ شرعی طریقہ کے خلاف کرتا ہے اور راہ راست سے انحراف کرتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی ہیں تو غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

((أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ؟ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلاَ اَقْتُلُهٗ)) ❶

''کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے؟ اس حال میں کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ حتی کہ ایک شخص (آپ ﷺ کی سخت برہمی کو دیکھ کر) اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟''

---

❶ نسائی' کتاب الطلاق: باب الثلاث المجموعة ومافيه من التغليظ' ح: ۳۴۳۰۔

معروف طریقہ پر روکے رکھنا یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا

طلاق دینے کے بعد جب عدت کی مدت مکمل ہونے کو ہوتو شوہر کو دو میں سے کوئی ایک بات اختیار کرنی چاہیے:

1. یا تو اسے معروف طریقہ پر روکے رکھے' یعنی حسن سلوک اور اصلاح کے ارادہ سے رجوع کر لے' لڑنے اور تکلیف دینے کا ارادہ نہ ہو۔

2. یا پھر معروف طریقہ پر علیحدگی اختیار کر لے' یعنی عدت پوری ہونے تک اسے چھوڑے رکھے اور اس کے بعد کوئی الجھن پیدا کیے بغیر' اور کسی قسم کا نقصان نہ پہنچاتے ہوئے' نیز ادائیگی حقوق کے معاملہ میں بخل سے کام نہ لیتے ہوئے' جدا ہو جائے۔

شوہر کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب عدت ختم ہونے کو ہوتو اذیت دہی اور عدت کو لمبا کرنے کی غرض سے رجوع کرے اور بیوی کو ممکنہ طویل مدت تک دوسرے نکاح سے محروم رکھے۔

اہلِ جاہلیت اس قسم کی حرکتیں کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس طرح عورت کو تکلیف دینا حرام ٹھہرایا ہے۔ اور یہ حرمت ایسے مؤثر پیرایہ میں بیان فرمائی ہے کہ دل دہل جاتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوٓا ءَايَٰتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِۦ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٣١﴾﴾ (البقرة: ٢/ ٢٣١)

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آجائے تو بھلے طریقہ سے انہیں روک لو یا بھلے طریقہ سے انہیں رخصت کر دو...... ستانے کے لیے انہیں نہ روکو کہ یہ زیادتی ہوگی۔ اور جو ایسا کرے گا وہ اپنے ہی نفس پر ظلم کرے گا اور اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ اور اللہ کے فضل کو نہ بھولو اور اس

کتاب وحکمت (سنت) کو یاد رکھو جو اس نے تمہاری نصیحت کے لیے نازل کی ہے۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔"

مطلقہ کو اپنی مرضی سے دوسرا نکاح کرنے سے روکا نہ جائے

مطلقہ کی عدت جب پوری ہو جائے تو اسے اپنی مرضی سے کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے سے روکنا، نہ سابق شوہر کے لیے جائز ہے اور نہ ولی کے لیے اور نہ ہی کسی اور شخص کے لیے۔ اور اگر منگیتر اپنی منسوبہ سے معروف اور عرفی طریقہ پر باہم راضی ہو جاتے ہیں تو عورت کے اس انداز رغبت پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ بعض طلاق دینے والے مرد، عورت پر اپنا اثر باقی رکھنا چاہتے ہیں اور دوسرے نکاح کے بارے میں اسے ڈراتے دھمکاتے رہتے ہیں۔ یہ سب جہالت اور جاہلیت کے کام ہیں۔

اسی طرح اگر عورت اپنے سابق شوہر کے پاس واپس جانا چاہتی ہو اور معروف طریقہ پر اس واپسی کے سلسلہ میں دونوں راضی ہوں تو ولی یا گھر والوں کا اس معاملہ میں رکاوٹ پیدا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (النساء: ٤/ ١٢٨)

"اور صلح کر لینا ہی بہتر ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرة: ٢/ ٢٣٢)

"جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو تم اس بات میں مزاحم نہ بنو کہ وہ اپنے (ہونے والے) شوہروں سے نکاح کر لیں، جبکہ وہ معروف طریقہ سے باہم نکاح کر لینے پر راضی ہو جائیں۔"

عورت کا حق جبکہ شوہر اسے پسند نہ ہو

عورت کو اگر شوہر پسند نہ ہو اور اس کے خیال میں اس کے ساتھ نباہ نہ ہو سکتا ہو تو وہ

حق مہر واپس دے کر اپنے نفس کو چھڑا سکتی ہے۔ شوہر کی طرف سے جو مہر، تحفہ وغیرہ ملا ہو اسے مفاہمت کے ذریعہ کم وبیش واپس کر کے اپنے کو زوجیت کے بندھن سے آزاد کرا سکتی ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ شوہر نے جو کچھ دیا تھا اس سے زیادہ واپس نہ لے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾

(البقرۃ: ۲/ ۲۲۹)

"اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ دونوں حدود الٰہی پر قائم نہیں رہ سکیں گے تو ان دونوں پر اس معاملہ میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔"

حدیث میں ہے:

((وَقَدْ جَاءَتِ امْرَأَةُ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَقَالَتْ يَارَسُولَ اللَّهِ! ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أَعِيبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ وَلٰكِنِّي لَا أُطِيقُهُ بُغْضًا۔ فَسَأَلَهَا عَمَّا أَخَذَتْ مِنْهُ، فَقَالَتْ حَدِيقَةً۔ فَقَالَ لَهَا أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ؟ قَالَتْ نَعَمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِثَابِتٍ: اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً)) ❶

ثابت بن قیس کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ثابت بن قیس کے اخلاق اور دینداری میں کوئی عیب نکالنا نہیں چاہتی لیکن مجھے وہ پسند نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "تمہیں اس سے کیا ملا تھا؟" اس نے کہا: باغ۔ فرمایا: "تم اس باغ کو واپس کرنے کے لیے تیار ہو؟" اس نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے ثابت سے کہا: "باغ واپس لے لو اور اسے ایک طلاق دے دو۔"

بیوی کے لیے جلد بازی سے کام لے کر شوہر سے طلاق طلب کرنا حرام ہے جبکہ اسے شوہر کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچ رہی ہو اور نہ علیحدگی اختیار کرنے کی کوئی معقول وجہ ہو۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

❶ بخاری، کتاب الطلاق: باب الخلع، ۵۲۷۳.

((اَيُّمَا امْرَاَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا الطَّلَاقَ مِنْ غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ .)) ❶

”جو عورت اپنے شوہر سے ایسی صورت میں طلاق طلب کرتی ہے جبکہ شوہر کی طرف سے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچ رہی ہو تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔“

بیوی کو ستانا حرام ہے

بیوی کو ستانا اور اس کے ساتھ برا سلوک کرنا' (اس نیت سے) تاکہ وہ فدیہ (خرچہ وغیرہ) دے کر چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے مجبور ہو جائے' ہرگز جائز نہیں ہے' الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہو جائے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ (النساء: ٤/ ١٩)

”تم نے جو کچھ اپنی بیویوں کو دیا ہے اس کا ایک حصہ واپس لینے کی غرض سے انہیں تنگ نہ کرو' الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔“

اور اگر شوہر کو بیوی پسند نہ ہو اور وہ خود اسے علیحدہ کر کے دوسری سے نکاح کا خواہشمند ہو تو ایسی صورت میں بیوی سے کچھ واپس لے لینا جائز ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾

(النساء: ٤/ ٢٠)

”اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانے کا ارادہ کر لو اور تم نے ایک کو ڈھیروں مال دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم بہتان لگا کر اور صریح حق تلفی کر کے اسے واپس لو گے؟“

---

❶ ابوداود' کتاب الطلاق: باب فی الخلع' ح:٢٢٢٦' ترمذی' کتاب الطلاق : باب ماجاء فی المختلعات' ح/ ١١٨٧' ابن ماجه' کتاب الطلاق: باب کراهية الخلع للمرأة' ح:٢٠٥٥۔

بیوی کو چھوڑنے کی قسم کھانا حرام ہے

اسلام نے حقوق نسواں کا بڑا لحاظ کیا ہے۔ اس کی ایک درخشندہ مثال یہ ہے کہ اس نے شوہر کے لیے اس بات کو حرام ٹھہرایا ہے کہ وہ اپنی بیوی پر غصہ ہو کر اس سے خوابگاہ میں اتنے طویل عرصہ کے لیے علیحدگی اختیار کر لے' جس کی عورت متحمل نہ ہو۔ شوہر جب بیوی سے علیحدہ رہنے کی قسم کھا بیٹھے تو اس کے لیے چار ماہ تک کی مہلت ہے۔ ممکن ہے اس مدت میں اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے اور وہ اپنا ارادہ بدل دے۔ اگر اس نے چار ماہ گزرنے سے پہلے اپنی بیوی سے تعلق قائم کر لیا تو اس سے جو گناہ سرزد ہوا، اس کو اللہ معاف کر دے گا اور اس کے لیے توبہ کی قبولیت کا وسیع دروازہ کھولے گا۔ ایسی صورت میں اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر یہ مدت گزر گئی اور اس نے اپنے ارادہ سے رجوع نہیں کیا اور قسم نہیں توڑی' تو اس کی بیوی اس سے جدا ہو جائے گی۔ بیوی کے حقوق کی طرف سے بے اعتنائی برتنے کا یہ ٹھیک ٹھیک بدلہ ہے۔

بعض فقہاء کے نزدیک مذکورہ مدت کے گزر جانے پر طلاق پڑ جاتی ہے۔ قاضی یا حاکم کے فیصلہ کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور بعض فقہاء مدت گزر جانے پر حاکم کے سامنے معاملہ پیش کرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ حاکم اسے دو میں سے کوئی ایک بات اختیار کرنے کا موقع دے گا۔ یا تو وہ اپنے ارادہ پر نظر ثانی کر کے اپنی بیوی کو رضامند کر لے' یا پھر طلاق دے دے۔ دو میں سے جو چیز اسے شیریں معلوم ہو اسے اختیار کر لے۔

بیوی سے قربت نہ کرنے کی اس قسم کو شرعی اصلاح میں ''اِیلاءٌ'' کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن فَآءُو فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٧﴾﴾

(البقرة: ٢/ ٢٢٦تا٢٢٧)

''جو لوگ اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھیں ان کے لیے چار ماہ کی

مہلت ہے۔ اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اور اگر طلاق کا فیصلہ کر لیں تو اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

چار ماہ کی مہلت اس لیے دی گئی ہے' تا کہ شوہر کو نظر ثانی کرنے اور ہوش سے کام لینے کا پورا موقع مل جائے۔ ایک عورت اپنے شوہر سے عادۃً زیادہ سے زیادہ اس عرصہ تک صبر کر سکتی ہے۔

اس سلسلہ میں مفسرین نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قصہ نقل کیا ہے' کہ ایک رات جب آپ سراغ رسانی کے لیے نکلے تو ایک عورت کی آواز سنی' جس کا شوہر جہاد کے لیے چلا گیا تھا۔ اس کی عدم موجودگی سے متاثر ہو کر وہ بے تابانہ اشعار گنگنا رہی تھی:

''رات طویل ہوگئی اور ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ اور مجھے یہ تصور رلا رہا ہے کہ میرا خلیل میرے پاس موجود نہیں ہے کہ اس کے ساتھ کھیلوں۔ قسم سے اگر اللہ کے عذاب کا ڈر نہ ہوتا تو اس چار پائی کے بازو حرکت میں آ جاتے۔''

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ حال سن کر اپنی بیٹی سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ شوہر کی غیر موجودگی میں عورت کب تک صبر کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا: ''چار ماہ!'' اس وقت امیر المؤمنین نے یہ فیصلہ فرمایا: کسی شخص کو اس کی بیوی سے چار ماہ سے زیادہ دُور نہ رکھا جائے۔'' [1]

---

[1] تفسیر ابن کثیر (ص:۱۸۰) بحوالہ موطا امام مالك و محمد بن اسحاق۔ و انظر ایضاً فتوح البلدان۔(ص:۱٤۸).

والدین اور اولاد کے باہمی تعلقات

تحفظ نسب

اولاد باپ کا راز' اس کی خصوصیات کی حامل' زندگی میں اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور مرنے کے بعد اس کے وجود کا تسلسل باقی رکھنے والی' موت کے بعد اُس کے لیے صدقہ جاریہ، اس کی یاد کا مظہر' اس کے حسن و قبح اور امتیازی خصوصیات کی وارث' اس کے دل کا ٹکڑا اور جگر گوشہ ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ نے زنا کو حرام ٹھہرایا ہے اور نکاح کو فرض قرار دیا ہے' تا کہ نسب کا تحفظ ہو اور نطفوں کا باہم اختلاط نہ ہو۔ نیز اولاد اپنے باپ کو اور باپ اپنی اولاد کو پہچان سکے۔ نکاح ہی وہ مسنون طریقہ ہے جس کی وجہ سے عورت مرد کے لیے مختص ہو جاتی ہے اور اس پر شوہر کی خیانت حرام ہو جاتی ہے۔ نکاح کی صورت میں جو بچہ بھی زوجیت کے بستر پر پیدا ہوتا ہے وہ شوہر کی اولاد کہلاتا ہے۔ اس انتساب (نسبت) کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی کہ باپ کو اعلان کرنا پڑے یا ماں کو دعویٰ کرنے کی ضرورت پیش آئے کیونکہ ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق

((اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ)) [1]

''بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا۔''

اپنے بیٹے کے نسب کا انکار کرنا جائز نہیں

بنابریں شوہر کے لیے جائز نہیں کہ اس کی بیوی نے اس کے بستر پر (یعنی اس کے ساتھ صحیح ازدواجی رشتہ قائم ہونے کی صورت میں) جس بچہ کو جنم دیا ہو' اس کے نسب کا انکار

[1] بخاری' کتاب الحدود: باب للعاهر الحجر' ح: ٦٨١٨ ۔ مسلم' کتاب الرضاع: باب الولد للفراش ح:١٤٥٧۔

کرے۔ اس کا انکار کرنا بیوی دونوں بچہ کے حق میں سخت مضرت رساں اور باعثِ عار ہوگا' لہٰذا محض وہم و گمان یا افواہ کی بنا پر اس قسم کا قدم اٹھانا صحیح نہیں ہے۔ البتہ اگر ثبوت اور ناقابلِ انکار قرائن وشواہد کی بنا پر اسے یقین ہو جائے کہ بیوی نے اس کے ساتھ خیانت کی ہے تو ایسی صورت میں اسلامی شریعت بچہ کو پرورش کے لیے زبردستی ایسے شخص کے حوالہ نہیں کرنا چاہتی جو اسے اپنا بچہ تسلیم نہیں کرتا اور نہ زبردستی اسے اس کا وارث ہی بنانا چاہتی ہے۔

غرضیکہ اسلامی شریعت اسے زندگی بھر کے لیے شک وشبہ میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتی۔ اس الجھن سے نکلنے کی جو شکل اس نے تجویز کی ہے۔ اسے ''لِعان'' کہتے ہیں۔ لہٰذا جس کو اس بات پر وثوق یا غالب گمان ہو کہ اس کی بیوی نے اس کے بستر کو دوسرے کے نطفہ سے آلودہ کیا ہے اور بچہ کسی اور کے نطفہ سے ہے (لیکن اس بات پر کوئی شہادت نہ پیش کرسکتا ہو) تو ایسی صورت میں اسے اپنا مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش کرنا چاہیے۔ قاضی ان کے درمیان (پورا کیس سننے کے بعد لعان کرائے گا' جس کی تفصیل قرآن کریم نے سورۂ نور میں بیان کی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴾ (النور: ٢٤/ ٦ تا ٩)

''جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (مشاہدہ کے) دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں' تو ایسے شخص کی شہادت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ وہ اپنے الزام میں سچا ہے۔ اور پانچویں بار کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہے۔ اور اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کر کہ یہ مرد جھوٹا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر (عورت پر) اللہ کا غضب ہو اگر وہ (مرد) اپنے الزام میں سچا ہے۔''

اس کے بعد ان کے درمیان ہمیشہ کے لیے تفریق کر دی جائے گی اور بچہ کا الحاق ماں سے کر دیا جائے گا۔

تبنیت (لے پالک بنانا) اسلام میں حرام ہے

جس طرح باپ کے لیے اپنی نسبی اولاد کا انکار کرنا جائز نہیں ہے' اسی طرح جو بچہ اس کی صلبی اولاد نہ ہو، اس کو بیٹا بنا لینا بھی جائز نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب دوسری قوموں کی طرح اپنا نسب تبنیت کے ذریعہ جس شخص سے چاہتے ملاتے اور آدمی جس لڑکے کو چاہتا اپنا متبنّیٰ بیٹا بنا لیتا۔ اور متبنّیٰ کے حقوق و فرائض بیٹوں ہی کی طرح ہوتے۔ یہ تبنیت اس صورت میں بھی اختیار کی جاتی جبکہ متبنّیٰ کا باپ معلوم اور اس کا نسب معروف ہوتا۔

اسلام کی جب آمد ہوئی تو عرب سماج میں تبنیت کا یہ طریقہ رائج تھا۔ چنانچہ نبی ﷺ نے سیّدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو دور جاہلیت میں متبنّیٰ بنایا تھا۔ [1] لیکن اسلام نے اس کو ایک خلاف حقیقت جانا ہے' یعنی جعلی طور پر ایک اجنبی شخص کو خاندان کا فرد بنا دیا جاتا ہے اور وہ گھر کی عورتوں کے ساتھ اس طرح خلوت میں رہتا ہے گویا کہ وہ ان کا محرم ہے' حالانکہ وہ ان کا محرم نہیں ہوتا اور یہ عورتیں اس کے لیے اجنبی ہوتی ہیں۔

جو شخص کسی کو متبنّیٰ بناتا ہے پھر وہ اس کو اپنا وارث بناتا ہے۔ ایسی صورت میں اصل قرابت دار وراثت کے مستحق ہونے کے باوجود اس سے محروم رہتے ہیں' جس کی وجہ سے حقیقی رشتہ داروں کے دل میں منہ بولے بیٹے کے بارے میں کینہ وحسد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور لامحالہ اس کا نتیجہ فتنہ اور تعلقات کی خرابی کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ ان وجوہات و اسباب سے قرآن نے اس جاہلی نظام کو باطل اور قطعی حرام قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَاۗىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ﴾ (الاحزاب: ٣٣/ ٤ تا ٥)

''اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنایا ہے۔ یہ تمہارے

[1] مستدرك حاكم (٣/ ٢١٣) طبقات ابن سعد (٣/ ٢٧، ٤٠) الاصابة (١/ ٥٦٣)

منہ سے نکلی ہوئی بات ہے' لیکن اللہ حق بات فرماتا ہے اور صحیح طریقہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اُن کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو کہ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔ لیکن اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔''

قرآن کا یہ بیان کہ'' یہ تمہارے منہ سے نکلی ہوئی بات ہے'' اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ خالی خولی بات ہے جس کے پیچھے کوئی خارجی حقیقت کارفرما نہیں ہے۔

فی الواقع زبان سے نکلی ہوئی بات نہ حقائق کو بدلتی ہے اور نہ واقعات و مشاہدات کو۔ محض اس سے اجنبی شخص رشتہ دار نہیں بن جاتا اور نہ منہ بولا بیٹا کسی طرح حقیقی بیٹا بن جاتا ہے۔ منہ سے نکلی بات متبنیٰ کی رگوں میں گود لینے والے شخص کا خون نہیں دوڑا سکتی اور نہ گود لینے والے شخص کے دل میں شفقت پدری پیدا کرسکتی ہے۔ اسی طرح لڑکے کے دل میں پسری جذبات بھی نہیں پیدا کرسکتی اور نہ اس میں اس خاندان کی جسمانی' عقلی اور نفسیاتی خصوصیات پیدا کرسکتی ہے۔ اس نظام کے جملہ نقوش مثلاً وراثت' متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کی حرمت وغیرہ کو اسلام نے بالکل مٹا دیا۔ چنانچہ وراثت کے سلسلہ میں قرآن نے کسی ایسے تعلق کو جو نہ خون کا ہو' نہ زوجیت کا ہو اور نہ ہی حقیقی قرابت کا ہو، کوئی اہمیت نہیں دی اور اس کو میراث میں حصہ دار نہیں بنایا۔

﴿ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (الانفال: ۸/ ۷۵)

''اور خون کے رشتہ دار اللہ کے قانون میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔''

اور نکاح کے سلسلہ میں قرآن نے اعلان کیا کہ حقیقی بیٹوں کی بیویاں حرام ہیں نہ کہ منہ بولے بیٹوں کی:

﴿ وَحَلَاۗئِلُ اَبْنَاۗىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ (النساء: ٤/ ٢٣)

''اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب (پشت) سے ہوں۔''

لہٰذا گود میں لینے والے شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ متبنیٰ کی بیوہ یا مطلقہ بیوی سے

نکاح کرے کیونکہ وہ حقیقتاً اجنبی شخص کی بیوی ہے اور جب متبنّیٰ نے اس کو طلاق دے دی تو اس کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عملی شہادت کے ذریعہ تبنیت کا ابطال

یہ بات لوگوں کے لیے آسان نہ تھی کیونکہ تبنیت کا اجتماعی نظام عربوں کی زندگیوں میں گہری جڑیں گاڑ چکا تھا۔ اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی حکمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ اس کا ابطال نہ صرف قول سے بلکہ عمل سے بھی کیا جائے۔ اس اہم کام کو سرانجام دینے کے لیے نبی ﷺ کی ذات گرامی کا انتخاب عمل میں آیا' تاکہ ہر قسم کے شک وشبہ کا ازالہ ہو جائے اور مسلمان اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج محسوس نہ کریں۔ اور انہیں یقین ہو جائے کہ حلال وہ ہے جسے اللہ نے حلال ٹھہرایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔

سیّدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جو زید بن محمد کہلاتے تھے' زینب بن جحش رضی اللہ عنہا سے جو نبی ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں' نکاح کر لیا تھا۔ لیکن دونوں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے اور زید اپنی بیوی کی شکایت نبی ﷺ سے کرنے لگے۔ نبی ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ زید طلاق دے دیں گے اور اس کے بعد آپ ﷺ انہیں اپنی زوجیت میں لے لیں گے۔ لیکن بعض اوقات بشری کمزوری غالب آ جاتی اور آپ ﷺ اس کا اظہار لوگوں پر نہ کرتے' بلکہ زید کی شکایت سن کر کہتے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ اس موقع پر قرآن نازل ہوا اور اس نے اس قدیم نظام جاہلی کا بالکل خاتمہ کر دیا:

﴿فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴾

(الاحزاب: ۳۳/ ۳۷)

''پھر جب زید نے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس کا نکاح تم سے کر دیا تاکہ مؤمنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں۔ اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی

چاہیے تھا۔" ❶

تبنیت بمعنی تربیت

یہ وہ تبنیت نہیں ہے جس کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ کہ تبنیت کا یہ طریقہ اختیار کر کے آدمی دوسرے کے لڑکے کو گود میں لے لیتا ہے اور اس کو اپنے نسب اور اپنے خاندان سے ملاتا ہے اور اس پر بیٹے کے احکام کا اطلاق کرتا ہے۔ مثلاً گھر کی عورتوں کے ساتھ اختلاط جائز، رشتوں کو اس پر حرام کر دینا اور میراث کا اس کو مستحق بنانا وغیرہ۔ لیکن تبنیت بمعنی تربیت ایک صورت ایسی بھی ہے جو مذکورہ قسم سے مختلف ہے۔ لوگ اس صورت کو بھی تبنیت خیال کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ وہ تبنیت نہیں ہے جسے اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے۔ وہ یہ کہ آدمی کسی یتیم یا لاوارث بچہ کو اپنے پاس رکھ لے اور اس کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کرے نیز اس کی پرورش اور تربیت اس طرح کرے گویا کہ وہ اس کا حقیقی بیٹا ہے۔ اس کو کھلانے پلانے' کپڑے پہنانے اور تعلیم وغیرہ دینے کے معاملہ میں بالکل اپنے بیٹے ہی جیسا سلوک کرے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ اسے اپنی طرف منسوب نہ کرے اور نہ ہی بیٹے کے احکام کا اس پر اطلاق کرے۔ اگر ان حدود میں رہ کر معاملہ کیا جاتا ہے تو یہ ایک پسندیدہ بات ہوگی جس پر وہ اجر عظیم کا مستحق ہوگا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا)) ❷

"میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا، جنت میں اس طرح ہوں گے۔ آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے اور اس میں تھوڑی سی کشادگی پیدا کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی۔"

گمشدہ بچہ جو کسی کو مل جائے، یتیم ہی کے حکم میں ہے اور اس پر بدرجہ اولی ابن السبیل یعنی مسافر کا اطلاق ہوتا ہے' جس کا خیال (کفالت رکھنے کی اسلام نے ہدایت کی ہے۔

---

❶ بخاری' کتاب التفسیر' سورۃ الاحزاب: باب قولہ (وتخفی فی نفسك......) ح/ ٤٨٧٨' ٧٤٢٠' ترمذی' کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورۃ الاحزاب' ح: ٣٢٠٧۔٣٢١٢۔

❷ بخاری' کتاب الطلاق: باب اللعان' ح: ٥٣٠٤' ابوداود (٥١٥٠)۔

لہٰذا جب کسی شخص کے ہاں اولاد نہ ہو اور وہ ایسے بچہ کو مالی فائدہ پہنچانا چاہے تو وہ اپنی زندگی میں جس قدر چاہے ہبہ کرسکتا ہے اور اپنے فوت سے پہلے اپنے ترکہ (مال) میں سے ایک تہائی کی حد تک اس کے لیے وصیت بھی کرسکتا ہے۔

حمل ٹھہرانے کا مصنوعی طریقہ

اسلام نے نسب کے تحفظ کا سامان بہم کر کے اور تبنیت کو حرام قرار دے کر خاندان کو غلط عناصر سے پاک رکھنا چاہا ہے۔ اس کے پیش نظر حمل ٹھہرانے کا مصنوعی طریقہ بھی حرام قرار پاتا ہے' جبکہ حمل شوہر کے نطفہ کے علاوہ کسی اور کے نطفہ سے ٹھہرایا جائے۔ بلکہ ایسی صورت میں جیسا کہ استاذ محترم شیخ شلتوت نے کہا ہے، یہ قابلِ نفرت جرم ہے اور بہت بڑے گناہ کی بات ہے۔ بلکہ یہ زنا ہی کی ایک شکل ہے کیونکہ دونوں کی اصلیت ایک ہی ہے اور نتیجہ بھی ایک۔ یعنی کسی اجنبی شخص کا نطفہ رحم مادر میں رکھنا جبکہ دونوں کے درمیان شرعی زوجیت کا تعلق نہ ہو جس کی تائید طبیعی قانون اور آسمانی شریعت کرتی ہے۔

جہاں تک اس جرم کی ظاہری شکل کا تعلق ہے، اس میں اگر قانونی سقم نہ ہوتا تو یہ زنا کے حکم میں ہوتا' جو الٰہی قوانین کی رو سے ایک ایسا جرم ہے' جس پر حد جاری کی جانی چاہیے۔

اس میں شک نہیں کہ حمل ٹھہرانے کی یہ شکل بدترین جرم ہے اور تبنیت سے بھی بڑا منکر ہے' کیونکہ اس طریقہ سے جو بچہ پیدا ہوگا اس میں دونوں قباحتیں جمع ہو جائیں گی ایک تو تبنیت میں پائی جانے والی قباحت یعنی نسب میں غیر متعلق عنصر کو داخل کرنا اور دوسری خست یعنی زنا کا قالب اختیار کرنا جس کو نہ کوئی شریعت پسند کرتی ہے اور نہ کوئی قانون۔ یہ انسانیت کے معیار سے گری ہوئی ایک قبیح حرکت ہے اور اس سے انسان حیوانوں کے درجہ میں اتر آتا ہے جن کو سماجی روابط جیسی محترم چیزوں کا کوئی شعور نہیں ہے۔

باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے کو منسوب کرنا موجبِ لعنت ہے

اسلام میں جس طرح باپ کا اپنی اولاد کے نسب سے بلاوجہ انکار کرنا حرام ہے' اسی طرح اولاد کا خود کو کسی دوسرے نسب کی طرف منسوب کرنا اور اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کو اپنا باپ قرار دینا بھی حرام ہے۔ نبی ﷺ نے اس کا شمار بدترین منکرات (گناہوں)

میں کیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں آدمی خالق اور مخلوق دونوں کی لعنت کا مستحق بن جاتا ہے۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْهِ اَوِ انْتَمٰی اِلٰی غَیْرِ مَوَالِیْهِ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لاَ یَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ صَرْفًا وَلاَ عَدْلًا)) ❶

''جس نے اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کا دعویٰ کیا' یا اپنے آقا کے علاوہ کسی اور آقا کا غلام ہونے کا دعویٰ کیا تو اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن اللہ اس سے نہ توبہ قبول کرے گا اور نہ ہی کسی قسم کا فدیہ۔''

اور سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْهِ وَهُوَ یَعْلَمُ اَنَّهُ غَیْرُ اَبِیْهِ فَالْجَنَّةُ عَلَیْهِ حَرَامٌ)) ❷

''جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا اس حال میں کہ وہ جانتا ہو کہ وہ اس کا (حقیقی) باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔''

اولاد کو قتل نہ کرو

اس طرح اسلام نے انساب کا تحفظ کرتے ہوئے اولاد اور والدین، دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق عائد کیے ہیں اور ان حقوق کے تحفظ کی غرض سے چند باتیں دونوں پر حرام کر دی ہیں۔ چنانچہ اولاد کو زندہ رہنے کا حق ہے۔ ماں باپ کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل کر دیں یا زندہ درگور کر دیں' اولاد کو کسی طرح زندگی سے محروم کر دینے کا حق والدین کو

---

❶ بخاری' کتاب الفرائض: باب اثم من تبرا من موالیه' ح: ٦٧٥٥۔ مسلم' کتاب الحج: باب فضل المدینة' ح: ١٣٧٠۔ واللفظ له۔

❷ بخاری' کتاب الفرائض: باب من ادعی الی غیر ابیه' ح: ٦٧٦٦۔ مسلم' کتاب الایمان: باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیه وهو یعلم' ح: ٦٣۔

نہیں پہنچتا۔ زمانہ جاہلیت میں بعض عربوں کے ہاں اولاد زندہ درگور کرنے کا رواج بد تھا۔ اسلامی تعلیمات میں لڑکا اور لڑکی دونوں کی زندگیاں یکساں طور پر محترم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾ (الاسراء: ۱۷/ ۳۱)

''اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشہ سے قتل نہ کرو۔ ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی' بے شک ان کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔''

﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝﴾ (التکویر: ۸۱/ ۸-۹)

''اور جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟''

اس منکر کا داعیہ خواہ اقتصادی ہو یعنی مفلسی کا ڈر اور رزق کی تنگی یا کوئی غیر اقتصادی وجہ ہو مثلاً لڑکی کی پیدائش کو اپنے لیے باعث عار سمجھنا وغیرہ۔ اس وحشیانہ فعل کو بہر صورت اسلام نے شدید حرام ٹھہرایا ہے۔ کیونکہ یہ فعل قتل' قطع رحمی اور کمزور نفس پر ظلم جیسے بہت زیادہ منکرات پر مشتمل ہے۔ حدیث نبوی ہے:

((سُئِلَ عَلَيْهِ السَّلَام اَیّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ فَقَالَ اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ۔ قِيْلَ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مَخَافَةَ اَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ)) ❶

نبی ﷺ سے کسی نے پوچھا: کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کہ تم اللہ کا ہمسر ٹھہراؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔'' پوچھا: اس کے بعد کون سا؟ فرمایا: ''یہ کہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو اس اندیشہ سے کہ وہ تمہارے کھانے میں شریک ہوگی۔''

نبی ﷺ نے عورتوں سے اس بات پر بیعت لی تھی کہ وہ اس جرم (قتل کرنے) کے ارتکاب سے باز رہیں گی:

---

❶ بخاری' کتاب التفسیر' سورۃ البقرۃ : باب قولہ تعالیٰ (فلا تجعلوا للہ اند) ۴۴۸)
مسلم' کتاب الایمان: باب بیان کون الشرک اقبح الذنوب' (ح: ۸۶)

﴿ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ ﴾ (الممتحنة : ٦١/ ١٢) ❶

''اور وہ نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔''

باپ کے اوپر بچہ کا ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ اس کا نام اچھا رکھے۔ ایسا نام نہ رکھے کہ جب وہ بڑا ہو تو اپنے نام سے اسے کوفت ہونے لگے۔ اسی طرح ایسا نام بھی نہ رکھے کہ غیر اللہ کا بندہ کہلائے' جیسے عبدالنبی' عبدالمسیح وغیرہ۔ اولاد کا یہ حق بھی ہے کہ اس کی نگہداشت اور تربیت کی جائے اور اس پر خرچ کیا جائے۔ ان حقوق کی طرف سے بے اعتنائی و لاپرواہی برتنا یا ان کو ضائع کرنا، جائز نہیں ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) ❷

''تم میں سے ہر شخص نگراں ہے اور ہر ایک سے اس کے زیر نگرانی افراد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔''

((كَفٰى بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ يُضِيعَ مَنْ يَقُوْتُ)) ❸

''آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اس پر جن کو کھلانے کی ذمہ داری ہے، ان کی طرف سے بے پروا ہو جائے۔''

عطا و بخشش کے معاملہ میں مساویانہ سلوک

باپ پر لازم ہے کہ بخشش کے معاملہ میں اپنی اولاد کے ساتھ مساویانہ سلوک کرے تاکہ سب بچے اپنے باپ کے ساتھ نیک سلوک کر سکیں۔ بخشش کے معاملہ میں اپنی بعض اولاد کو بلا ضرورت یا کسی وجہ جواز کے بغیر ترجیح دینا، حرام ہے' کیونکہ اس سے باہمی اشتعال پیدا ہو جاتا ہے اور آپس میں بغض و عداوت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ یہ ہدایت جس طرح

❶ بخاری' كتاب التفسير' سورة الممتحنة' ح/ ٤٨٩١۔ ٤٨٩٥۔ مسلم' كتاب الامارة: باب كيفية بيعة النساء' ح/ ١٨٦٦ .

❷ بخاری' كتاب الجمعة: باب الجمعة فى القرى والمدن' ح ٨٩٣ مسلم' كتاب الامارة: باب فضيلة الامر العادل ح ١٨٢٩

❸ ابوداود' كتاب الزكوٰة' باب فى صلة الرحم' ح: '١٦٩٢' واللفظ له۔ وهو عند مسلم فى كتاب الزكوٰة' باب فضل النفقة على العيال' ح: ٩٩٦بلفظ آخر ۔ وقد تقدم ٣٠٣۔

باپ کے لیے ہے اسی طرح ماں کے لیے بھی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((اِعْدِلُوْا بَیْنَ اَبْنَائِکُمْ، اِعْدِلُوْا بَیْنَ اَبْنَائِکُمْ، اِعْدِلُوْا بَیْنَ اَبْنَائِکُمْ)) ❶

''اپنے بیٹوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرو، اپنے بیٹوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرو، اپنے بیٹوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرو۔''

امر واقع یہ ہے کہ صحابی رسول سیّدنا بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی نے خاص طور سے اپنے لڑکے نعمان بن بشیر کے لیے مالی عطیہ کا مطالبہ کیا اور اس بخشش کی توثیق کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانے کے لیے کہا۔ سیّدنا بشیر بن سعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میری بیوی چاہتی ہے کہ میں اس کے بیٹے کو اپنا غلام ہبہ کر دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کے اور بھائی ہیں؟'' انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا:

((فَکُلَّهُمْ اَعْطَیْتَ مِثْلَ مَا اَعْطَیْتَهُ؟ قَالَ لَا۔ قَالَ فَلَیْسَ یَصْلُحُ هٰذَا وَاِنِّیْ لَا اَشْهَدُ اِلَّا عَلَی الْحَقِّ)) ❷

''کیا تو نے اسی طرح سب کو ہبہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: پھر یہ بات درست نہیں ہے اور میں سوائے حق کے کسی اور چیز پر گواہ نہیں بنتا۔''

دوسری روایت میں ہے:

((لَا تُشْهِدْ عَلٰی جَوْرٍ، اِنَّ لِبَنِیْكَ عَلَیْكَ مِنَ الْحَقِّ اَنْ تَعْدِلَ بَیْنَهُمْ كَمَا لَكَ عَلَیْهِمْ مِنَ الْحَقِّ اَنْ یَبَرُّوْكَ)) ❸

''مجھے ظلم پر گواہ نہ بناؤ۔ تمہارے بیٹوں کا تم پر حق ہے کہ ان کے ساتھ یکساں سلوک

---

❶ مسند احمد (٤/ ٢٧٥، ٢٧٨)' ابوداؤد' کتاب البیوع: باب فی الرجل' یفضل بعض ولد فی النحل' ح ٣٥٤٤' نسائی' کتاب النحل ح:٣٧١٧ وهو متفق علیه بلفظ "اعدلوا بین اولادکم" دون التکرار' انظر الاحادیث الآتیه۔

❷ مسلم' کتاب الهبات: باب کراهیة تفضیل بعض الاولاد فی الهبة' ح:١٦٢٣۔ وهو عند البخاری فی کتاب الهبة: باب الهبة للولد ح: ٢٥٧٦' ٢٥٨٧' ٢٦٥٠ بلفظ مختلف۔

❸ ابوداؤد' کتاب البیوع: باب فی الرجل' یفضل بعض ولده فی النحل' ح:٣٥٤٢' رواه مسلم فی کتاب الهبات: باب کراهة تفضیل بعض الاولاد فی الهبة' ح/ ١٨-١٧ / ١٦٢٣ معناه۔

کرو' جس طرح تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے ساتھ نیک سلوک کریں۔''

تیسری روایت میں ہے:

((اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا فِيْ اَوْلَادِكُمْ)) ❶

''تم اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے معاملہ میں عدل اختیار کرو۔''

امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ (ان سے سوال کیا گیا) کیا کسی سبب کی بنا پر اپنی اولاد میں سے کسی کو ترجیح دینا جائز ہے؟ جیسے کسی لڑکے کے معذور یا حاجتمند ہونے کی بنا پر اسے ترجیح دینا۔ ''مغنی'' میں ہے:

''اگر اولاد میں سے کسی کو کسی خاص وجہ سے ترجیح دی جائے مثلاً حاجتمند' معذور' نابینا یا کثیر العیال ہونے یا مصروفیت علم وغیرہ کی بنا پر ترجیح دی' یا کسی لڑکے کو فسق اور بدعت وغیرہ میں مبتلا ہونے یا معصیت کی راہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے بخشش سے محروم رکھا تو ایسی صورت میں امام احمد جواز کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جہاں تک بعض اولاد کے لیے وقف کر دینے کا تعلق ہے ضرورۃً ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر بلا ضرورت بعض اولاد کو بعض کے مقابلہ میں ترجیح دی جائے تو میں اسے مکروہ خیال کرتا ہوں۔ رہا عطا و بخشش کا معاملہ تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔'' ❷

میراث کے معاملہ میں قانونِ الٰہی کی پابندی

''اسی طرح میراث کے معاملہ میں اپنی کسی اولاد کو' یا اپنی لڑکیوں کو' یا اپنی غیر محبوب بیوی کی اولاد کو' میراث سے محروم کر دینا جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی دوسرے رشتہ دار کا میراث کے مستحق رشتہ دار کو کسی حیلہ کے ذریعہ محروم کر دینا روا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میراث کا نظام اپنے علم' عدل اور حکمت وعلم کی بنا پر مرتب فرمایا اور ہر حق دار کو اس کا حق عطا کیا ہے اور لوگوں کو قانونِ الٰہی اور شریعت کی پابندی کرنے کی ہدایت کی ہے' لہٰذا جو شخص اس نظامِ وراثت کی مخالفت کرتا ہے وہ اپنے رب کو الزام دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میراث کے مسائل نہایت

❶ المغني- ج٥' ص٦٠٥.

❷ بخاري' كتاب الهبة: باب الاشهاد في الهبة' ح/ ٢٥٨٧' مسلم' حواله سابق- ح:١٣/ ١٦٢٣ .

تفصیل کے ساتھ مختلف تین آیتوں میں بیان فرمائے ہیں اور پہلی آیت کے خاتمہ پر فرمایا ہے:

﴿ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ﴾ (النساء : ٤/ ١١)

"تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹوں میں سے کون بلحاظ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ فریضہ من جانب اللہ ہے۔ بے شک اللہ علم وحکمت والا ہے۔"

دوسری آیت کے خاتمہ پر ارشاد فرمایا:

﴿ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ (النساء : ٤/ ١٢-١٣)

"بغیر کسی کو ضرر پہنچائے۔ یہ اللہ کی طرف سے وصیت ہے اور اللہ علم وحلم والا ہے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے اللہ انہیں ایسے باغوں (جنتوں) میں داخل کرے گا جن کے تلے نہریں رواں ہوں گی اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے گا اسے ایسی آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔"

اور تیسری آیت کے اختتام پر واضح فرمایا:

﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ﴾

(النساء : ٤/ ١٧٦)

"اللہ وضاحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے تاکہ تم بھٹکو نہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔"

لہٰذا جو شخص میراث کے معاملہ میں شریعت کی مخالفت کرتا ہے وہ اللہ کے واضح کردہ حق (وراثت) سے منحرف ہو کر گمراہی میں جا پڑا ہے اور حدود الٰہی سے تجاوز کرتا ہے۔ ایسی

صورت میں اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی اس وعید کا انتظار کرے:

﴿ نَارًا خَالِدًا فِيهَا ۖ وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴾ (النساء: ٤/ ١٤)

''آگ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''

والدین کے ساتھ بدسلوکی گناہ کبیرہ ہے

اولاد پر والدین کا یہ حق ہے کہ وہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرے' ان کی اطاعت کرے اور ان کا ہر حال میں احترام کرے۔ یہ حق درحقیقت فطرت کی آواز ہے اور اس کو بہترین طریقہ کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے۔ خاص طور سے ماں کے حق کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ کیونکہ ماں نے حمل' زچگی' دودھ پلانے اور پرورش کرنے کے سلسلہ میں جو مصیبتیں جھیلی ہوتی ہیں وہ محتاج بیان نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ ﴾ (الاحقاف: ٤٦/ ١٥)

''ہم نے انسان کو (سخت) تاکید کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر اس کو جنم دیا۔ اس کا حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔''

ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا:

((مَنْ اَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ أُمُّكَ' قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ أُمُّكَ' قَالَ ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ أَبُوْكَ)) [1]

''لوگوں میں سے میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری ماں۔'' اس نے کہا: اس کے بعد کون؟ فرمایا: ''تمہاری ماں۔'' اس نے کہا: اس کے بعد کون؟ فرمایا: ''تمہاری ماں۔'' اس نے کہا: اس کے بعد کون؟ فرمایا: ''تمہارا باپ۔''

---

[1] بخاری' کتاب الادب: باب من احق الناس بحسن الصحبة' ح/ ٥٩٧١، مسلم' کتاب البر والصلة: باب بر الوالدین' ح/ ٢٥٤٨۔

آپ ﷺ نے والدین کے ساتھ بدسلوکی کو کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔ یعنی شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ یہی ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے:

((اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ ثَلَاثًا۔ قَالُوْا بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ: اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ: اَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ شَهَادَةُ وَالزُّوْرِ)) ❶

''کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ کون سے ہیں؟'' آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی۔ صحابہ نے عرض کیا: ضرور بتایئے اے اللہ کے رسول! فرمایا: ''کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا' والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ اٹھ بیٹھے اور فرمایا: سنو! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی بھی۔''

نیز فرمایا:

((كُلُّ الذُّنُوْبِ يُؤَخِّرُ اللّٰهُ مِنْهَا مَاشَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِلَّا عُقُوْقَ الْوَالِدَيْنِ فَاِنَّ اللّٰهَ يُعَجِّلُهٗ لِصَاحِبِهٖ فِى الْحَيَاةِ قَبْلَ الْمَمَاتِ)) ❷

'' اللہ جن گناہوں کو چاہتا ہے قیامت تک کے لیے مؤخر کر دیتا ہے' سوائے والدین کے ساتھ قطع تعلق کے' کہ اللہ اس کا بدلہ موت سے پہلے اس زندگی ہی میں دے دیتا ہے۔''

والدین جب بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی آپ ﷺ نے بڑی تاکید فرمائی ہے' کیونکہ اس وقت وہ کمزور ہو چکے ہوتے ہیں اور نسبتاً جوانی کے ان کا زیادہ خیال رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

قرآن مجید نے ہدایت کی ہے:

---

❶ بخاری' كتاب الادب: باب حقوق الوالدين من الكبائر' ح/ ٥٩٧٧۔ مسلم' كتاب الايمان: باب الكبائر واكبر ها' ح/ ٨٧۔

❷ مستدرك حاكم (٤/ ١٥٦) واسناده ضعيف فيه بكار بن عبدالعزيز وهو ضعيف قاله الذهبي۔

﴿وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝﴾ (الاسراء: ١٧/ ٢٣-٢٤)

''تیرے رب نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو نہ انہیں اف کہو اور نہ ہی جھڑکو۔ بلکہ ان سے شریفانہ (لہجہ میں) بات کہو۔ اور ان کے لیے رحمدلی کے ساتھ پستی کے بازو جھکائے رہو اور دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا تھا۔''

والدین کو گالیاں دلوانا کبائر میں سے ہے

والدین کو لعنت ملامت کرانا' یعنی اس کا سبب بننا' نہ صرف حرام بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّ مِنْ اَكْبَرِ الْكَبَائِرِ اَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ فَاسْتَغْرَبَ الْقَوْمُ اَنْ يَلْعَنَ رَجُلٌ عَاقِلٌ مُؤْمِنٌ وَالِدَيْهِ وَهُمَا سَبَبُ حَيَاتِهِ' فَقَالُوْا وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ يَسُبُّ الرَّجُلَ فَيَسُبُّ اَبَاهُ وَيَسُبُّ اُمَّهُ فَيَسُبُّ اُمَّهُ)) [1]

کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین کو (خود) لعنت ملامت کرے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ ایک عقلمند مؤمن آدمی کس طرح اپنے والدین کو لعنت ملامت کر سکتا ہے جبکہ اسے زندگی ان ہی کے ذریعہ ملی ہے! چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ آدمی اپنے والدین کو کس طرح لعنت ملامت کر سکتا ہے؟

[1] بخاری' کتاب الادب: باب لایسب الرجل والدیه ح:٥٩٧٣۔ مسلم' کتاب الایمان: باب الکبائر واکبرها' ح ٩٠.

فرمایا" آدمی کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے اور یہ جواب میں اس کے باپ کو گالی دیتا ہے وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے اور یہ جواب میں اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔"

تو اندازہ کیجئے اس شخص کے گناہ کا کیا انجام ہوگا جو اپنے ماں باپ کو خود دُو بدگالی دیتا ہے!

والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے جانا

چونکہ اسلام والدین کی رضا مندی کا بے حد خواہاں ہے' اس لیے اس نے والدین کی اجازت کے بغیر جہاد (جیسے اہم فریضہ) کے لیے نکلنا' جبکہ جہاد تطوع کے طور پر ہو یعنی فرض عین نہ ہو' حرام ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ اسلام میں جہاد فی سبیل اللہ کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس کا نعم البدل نہ رات بھر کی عبادت ہو سکتی ہے اور نہ دن بھر کا روزہ۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی نَبِیِّ اللّٰهِ ﷺ فَاسْتَأْذَنَهٗ فِی الْجِهَادِ فَقَالَ اَحَیٌّ وَالِدَاكَ؟ قَالَ نَعَمْ' قَالَ فَفِیْهِمَا فَجَاهِدْ)) ❶

ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے جہاد کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: "تمہارے والدین حیات ہیں؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: تو پھر ان ہی میں جہاد کرو۔"

یعنی والدین کی خدمت اور اُن کے ساتھ نیک سلوک کو میدان جہاد بنالو۔

اسی طرح ایک شخص کو جو ہجرت اور جہاد پر بیعت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا تھا، آپ نے فرمایا:

((اَفَتَبْتَغِی الْاَجْرَ مِنَ اللّٰهِ؟ قَالَ نَعَمْ' قَالَ فَارْجِعْ اِلٰی وَالِدَیْكَ فَاحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا)) ❷

"کیا تم اللہ سے اجر کے طالب ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! فرمایا: "تو اپنے والدین کے پاس واپس چلے جاؤ اور ان کی اچھی طرح خدمت کرو۔"

---

❶ بخاري' كتاب الجهاد: باب الجهاد باذن الابوين' ح:٣٠٠٤۔ مسلم' كتاب البر والصلة: باب بر الوالدين' ٢٥٤٩۔ ❷ مسلم' حواله سابق ح ٦/ ٢٥٤٩۔

ایک اور شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں ہجرت پر آپ ﷺ سے بیعت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں اور والدین کو اس حال میں چھوڑ آیا ہوں کہ وہ رو رہے تھے۔ فرمایا:

((ارْجِعْ اِلَيْهِمَا فَاضْحِكْهُمَا كَمَا اَبْكَيْتَهُمَا)) ❶

"اپنے والدین کے پاس واپس چلے جاؤ اور جس طرح انہیں رُلایا ہے اسی طرح انہیں ہنساؤ۔"

اسی طرح یمن سے ایک شخص ہجرت کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ والدین کی اجازت سے آیا ہے۔ اس نے جب نفی میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَارْجِعْ اِلَيْهِمَا فَاسْتَأْذِنْهُمَا فَاِنْ اَذِنَا لَكَ فَجَاهِدْ وَاِلَّا فَبِرَّهُمَا)) ❷

"ان کے پاس واپس چلے جاؤ اور اُن سے اجازت طلب کرو۔ اگر وہ اجازت دیں تو جہاد کرو ورنہ ان کی خدمت میں لگے رہو۔"

مشرک والدین

والدین کے معاملہ میں اسلام نے نہایت اعلیٰ تعلیم دی ہے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کو بہر صورت حرام ٹھہرایا ہے۔ یہاں تک کہ اگر والدین مشرک و کافر ہی کیوں نہ ہوں اور شرک کے داعی بن کر اپنے بیٹے کو دین اسلام سے پھیرنے کے لیے دباؤ ڈالیں، تب بھی ان کے ساتھ کسی طرح بھی بدسلوکی کرنا روا نہیں ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (لقمان: ۳۱/ ۱۴۔۱۵)

❶ ابوداود' كتاب الجهاد: باب فی الرجل يغزو وابواه كارهان' ح/ ۲۵۲۸۔ نسائی' كتاب البيعة: باب البيعة على الهجرة'ح:۴۱۶۸۔ ابن ماجه'كتاب الجهاد: باب الرجل يغزو وله ابوان' ح/ ۲۷۸۲۔

❷ ابوداؤد' كتاب الجهاد: باب فی الرجل يغزو وابواه كارهان' ح ۲۵۳۰

"میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی۔ میری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی علمی دلیل نہیں ہے تو ان کی بات نہ مان اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کر۔ اور اتباع کرو اس شخص کے راستہ کی کہ جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو؟"

مذکورہ آیات میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ شرک کے معاملہ میں اپنے والدین کی اطاعت نہ کریں کہ خالق کی معصیت کے معاملہ میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں' اور شرک سے بڑھ کر معصیت اور کیا ہو سکتی ہے؟ البتہ دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے' اس طور سے کہ کوئی مسلمان ایمان کے معاملہ میں ان کی رائے سے متاثر نہ ہو' بلکہ مؤمنین صالحین کی راہ کی اتباع کرے اور اس کے اور والدین کے درمیان دین کا جو اختلاف ہے اس کا فیصلہ احکم الحاکمین پر چھوڑ دے' اس دن کے لیے جب نہ باپ بیٹے کے کچھ کام آسکے گا اور نہ بیٹا باپ کے۔

رواداری کی اس اعلیٰ تعلیم کی مثال آپ کو دنیا کے کسی مذہب میں نہیں مل سکتی!

باب چہارم

اپنے اعمال اور عبادات کو حرام امور سے محفوظ کر کے
اللہ کریم کی رضا اور جنت کے حصول کا طریقہ کار





- اعتقاد و تقلید
- معاملات
- کھیل اور تفریح
- اجتماعی روابط
- غیر مسلموں سے تعلقات

دورِ حاضر میں حلال وحرام کے تقاضے

اعتقاد و تقلید

صحیح اسلامی عقیدہ کسی بھی معاشرہ کی اساس ہوتا ہے اور توحید اس عقیدہ کا جوہر اور پورے دین کی روح ہوتی ہے۔ صحیح عقیدہ اور توحید خالص کا تحفظ وہ اولین مقصد ہے جس کو اسلام نے اپنی تشریع و تعلیم میں ہر جگہ پیش نظر رکھا ہے۔ ساتھ ہی ان جاہلی عقائد و بدعات کی مخالفت بھی ضروری ہے جن کو بت پرستوں نے رائج کر رکھا ہے' تاکہ مسلم معاشرہ کو شرک کی آلائشوں اور گمراہی کے اثرات سے پاک رکھا جا سکے۔

سننِ الٰہی کا احترام

اولین عقیدہ' جس کو اسلام اپنے فرزندوں کے دلوں میں راسخ کرتا ہے' یہ ہے کہ اس عظیم کائنات کا نظام' جس کی زمین کے اوپر اور جس کے آسمان کے نیچے' انسان زندگی بسر کرتا ہے کوئی اٹکل پچو کی چیز نہیں ہے' جو بغیر رہنمائی کے چل رہا ہو اور نہ یہ ممکن ہے کہ کسی مخلوق کی خواہش کے مطابق چلے' کیونکہ خواہشات باہم متناقض ہوتی ہیں:

﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ﴾

(المؤمنون :۲۳/ ۷۱)

''اگر حق اُن کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین اور آسمان اور جو ان میں ہیں، سب درہم برہم ہو جاتے۔''

امر واقع یوں ہے کہ یہ کائنات قوانین قدرت اور سنن الٰہی سے مربوط و منسلک ہے جن میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ممکن نہیں جیسا کہ قرآن نے متعدد مقامات پر واضح کیا ہے:

﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۝﴾ (الفاطر : ۳۵/ ۴۳)

''تم اللہ کی سنت (طریقہ) میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔''

کتاب و سنت کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان ان سنتوں کا احترام کریں اور اسباب کے ذریعہ

نتائج کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسباب کو نتائج کے ساتھ مربوط کر رکھا ہے۔ اور ان مزعومہ خفیہ اسباب کی طرف مطلق توجہ نہ کریں جن کو عبادت گاہوں کے مجاورٗ پیشہ ورانہ مکروفریب اور مذہب کی دوکان چلانے والے مقصد براری کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔

اوہام وخرافات کے خلاف جنگ

جب نبی ﷺ کی بعثت ہوئی تو سوسائٹی میں فریب کاروں (شعبدہ بازوں) کا ایک گروہ موجود تھا جنہیں کاہن یا نجومی کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ غیب کی سابقہ یا آئندہ ہونے والی باتیں جنات کے ذریعہ جاننے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اس دجل وفریب کے خلاف ٗ جس کو علم و ہدایت اور کتاب الٰہی سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے اعلان جنگ کیا اور ان فریب کاروں اللہ کا کلام سنایا:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (النمل: ۲۷/ ٦٥)

''کہو اللہ کے سوا زمین اور آسمانوں میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔''

درحقیقت غیب کا علم نہ فرشتے رکھتے ہیں ٗ نہ جن اور نہ انسان۔ آپ ﷺ نے اپنے رب کا یہ فرمان سنایا:

﴿وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (الاعراف: ۷/ ۱۸۸)

''اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بڑے فوائد جمع کر لیتا اور مجھے کوئی گزند نہ پہنچتا۔ میں تو بس خبردار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں۔''

اور سیّدنا سلیمان علیہ السلام کے جنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا:

﴿اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ﴾

(السباء: ۲٤/ ۱٤)

''اگر وہ غیب کے جاننے والے ہوتے تو اس رسوا کن عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔''

لہٰذا جو شخص اس بات کا دعویدار ہو کہ حقیقتاً اسے غیب کا علم ہے وہ اللہ تعالیٰ کو، لوگوں اور حقیقت میں خود کو فریب دینے کی کوشش کرتا ہے۔

ایک وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جو خیال کر رہا تھا کہ آپ ﷺ بھی علم غیب کے دعویدار ہوں گے' اس لیے ان لوگوں نے اپنے ہاتھ میں کوئی چیز چھپائی اور آپ ﷺ سے پوچھا: بتلایئے' ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے واضح طور سے فرمایا: ''میں کاہن نہیں ہوں' کاہن' کہانت اور کہانت کرنے والے سب آگ میں ہوں گے۔'' ❶

کاہنوں کی تصدیق کرنا کفر ہے

اسلام نے کاہنوں اور دجالوں کی مخالفت ہی نہیں کی، بلکہ ان لوگوں کو بھی برابر گناہ میں شریک ٹھہرایا جو ان کے پاس جا کر سوالات کرتے اور ان کے اوہام اور گمراہ کن باتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ اَتٰی عَرَّافًا فَسَأَلَهٗ عَنْ شَیْءٍ فَصَدَّقَهٗ بِمَا قَالَ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلاَةٌ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا)) ❷

''جو شخص نجومی کے پاس گیا اور سوالات کیئے' پھر اس کی باتوں کی تصدیق کی اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہوگی۔''

نیز فرمایا:

((مَنْ اَتٰی کَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا قَالَ فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ .)) ❸

''جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ ہدایت سے کفر کیا۔''

کفر اس وجہ سے' کہ نبی ﷺ پر ہدایت نازل کی گئی ہے کہ غیب اللہ وحدہ ہی کے لیے

---

❶ اخرجه ابو نعیم فی دلائل النبوۃ (۷۸۱ ح: ۱۹۰) کما فی المنثور (۷۷۶) وزاد السیوطی و السلفی فی الطیوریات و قال فی (۵-۳۳٤) الحکیم الترمذی(٤۲۱۱) بدون السند عن ابن عباس ولفظه "انما یفعل هذا بالکاهن والکهانة ولتکن فی النار"و فی اسناده ابی نعیم: الحکم بن ظهیر هو متروك رمی بالرفض والتهمه ابن معین(التقریب: ص: ۷۹).

❷ مسلم' کتاب السلام: باب تحریم الکهانة واتیان الکهان' ح:۲۲۳۰۔

❸ مسند البزار (کشف۔ ۳۰٤۵) ونحوه فی مسند احمد(۲/ ٤۲۹) ۔ ابوداود (۳۹۰٤)' ترمذی (۱۳۵) ابن ماجه(٦۳۹) .

ہے حتی کہ محمد (ﷺ) کو بھی غیب کا علم نہیں ہے (مگر جو بذریعہ بتادیا جائے) اور کسی اور کو تو بدرجہ اولیٰ نہیں ہے۔

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ (الانعام: ٦/ ٥٠)

''کہو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ ہی تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر کی جاتی ہے۔''

قرآن کی اس صریح اور واضح ترین حقیقت کو جاننے کے باوجود اگر ایک مسلمان اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ، بعوذ باللہ بعض لوگ پردہ غیب کو ہٹا کر تقدیر کو براہ راست دیکھ سکتے ہیں اور غیب کے راز ہائے سربستہ معلوم کر سکتے ہیں تو وہ اس ہدایت کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔

پانسوں کے ذریعہ قسمت معلوم کرنا

پانسوں کے ذریعہ قسمت معلوم کرنا، جس مصلحت سے حرام کر دیا گیا ہے اس کو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

پانسے یعنی قسمت کے تیر جن کو عرب زمانہ جاہلیت میں قسمت کا حال معلوم کرنے کی غرض سے استعمال کرتے تھے کہ ایک تیر پر یہ عبارت کندہ ہوتی...... ''میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے۔'' ...... اور دوسرے پر ہوتی...... ''میرے رب نے مجھے منع کیا۔'' اور تیسرا تیر سادہ ہوتا۔ جب سفر یا شادی وغیرہ کا ارادہ کر لیتے تو بتوں کے پاس جا کر پانسوں کے ذریعہ قسمت کا لکھا معلوم کرنا چاہتے۔ اگر حکم دینے والا تیر نکل آتا تو اس کام کے لیے قدم اٹھاتے اور اگر ممانعت والا تیر نکل آتا تو رک جاتے اور اگر سادہ تیر نکل آتا تو پھر سے قرعہ اندازی کرتے یہاں تک کہ امر یا نہی والا تیر نکل آتا۔

ہماری سوسائٹی میں اس سے ملتی جلتی چیزیں یہ ہیں: رمل' کوڑیاں' کتاب کھول کر فال نکالنا' تاش کے پتے اور فنجان (پیالی) پڑھنا' اس قسم کی تمام چیزیں اسلام میں حرام اور منکر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ﴾ (المائدۃ: ۵/ ۳)

"اور یہ کہ تم پانسوں کے ذریعہ قسمت معلوم کرو' کہ یہ فسق ہے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَنْ يَنَالَ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى مَنْ تَكَهَّنَ اَوِاسْتَقْسَمَ اَوْ رَجَعَ مِنْ سَفَرٍ تَطَيُّرًا)) ❶

"وہ شخص بلند درجات کو نہیں پہنچ سکتا' جو کہانت کرے' یا پانسوں کے ذریعہ قسمت کا حال معلوم کرے' یا بدشگونی کی وجہ سے سفر سے واپس لوٹ آئے۔"

جادو

اسلام جادو کا بھی سخت مخالف ہے۔ جو لوگ جادو سیکھتے ہیں ان کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۱۰۲)

"مگر وہ ایسی چیز سیکھتے تھے جو ان کے حق میں مفید نہیں بلکہ مضر تھی۔"

نبی ﷺ نے جادو کا شمار مہلک اور کبیرہ گناہوں میں کیا ہے ❷ جو افراد ہی کو نہیں بلکہ قوموں کو بھی ہلاک کر دیتا ہے اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں تباہی کا سبب بنتا ہے۔ بعض فقہاء نے سحر کو کفر یا موجب کفر قرار دیا ہے۔ اور بعض فقہاء کے نزدیک جادوگر کا قتل واجب ہے' تاکہ سماج کو اس کے شر سے پاک کیا جا سکے۔

قرآن کریم نے جادوگروں کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے:

﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝﴾ (الفلق: ۱۱۳/ ۴)

"اور پناہ مانگتا ہوں میں گرہوں میں پھونکنے والوں (نفوس) کے شر سے۔"

---

❶ طبرانی فی الاوسط (ح:۲۶۸۴) بیہقی فی شعب الایمان (۱۰۷۳۹)

❷ بخاری' کتاب الطب: باب الشرك والسحر من الموبقات' ح:۵۷۶۴۔ مسلم' کتاب الایمان: باب الکبائر واکبر ھا' ح/ ۸۹۔

گرہوں میں پھونکنا، جادو کے طریقوں اور اس کی علامات میں سے ہے۔

حدیث میں ہے:

((مَنْ نَفَثَ فِي عُقْدَةٍ فَقَدْ سَحَرَ وَمَنْ سَحَرَ فَقَدْ اَشْرَكَ)) ❶

''جس نے گرہ میں پھونکا اس نے جادو کیا اور جس نے جادو کیا وہ شرک کا مرتکب ہوا۔''

اسلام نے جس طرح نجومی کے پاس غیب اور راز کی باتیں معلوم کرنے کی غرض سے جانا حرام ٹھہرایا ہے' اسی طرح جادو سیکھنے یا جادوگروں کے پاس کسی مرض کے علاج یا کسی مشکل کو حل کرنے کے لیے، جانا بھی حرام قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے اپنی (مکمل) برأت ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ اَوْ تُطُيِّرَ لَهُ اَوْتَكَهَّنَ اَوْتُكُهِّنَ لَهُ اَوْسَحَرَ اَوْسُحِرَلَهُ)) ❷

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو برا شگون لے' یا جس کے لیے برا شگون لیا جائے' یا جو کہانت کرے یا جس کے لیے کہانت کی جائے یا جو جادو کرے یا جو جادو کرائے۔''

سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے جوتشی' ساحر' یا کاہن کے پاس جا کر سوالات کیے اور اس کی باتوں کو سچ مانا، اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ ہدایت سے کفر کیا۔ ❸

((لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ مُدْمِنُ خَمْرٍوَلَا مُؤْمِنٌ بِسِحْرٍ وَلَا قَاطِعُ رَحِمٍ)) ❹

''جنت میں عادی شرابی داخل نہ ہوگا' اور نہ جادو پر اعتقاد رکھنے والا' اور نہ ہی

---

❶ نسائی' کتاب تحریم الام: باب الحکم فی السحرة: ح: ٤٠٨٤۔ واسنادہ ضعیف۔

❷ مسند البزار (٣٥٧٨)

❸ طبرانی فی الکبیر (١٠/ ٧٦'ح/ ١٠٠٠٥)' و فی الاوسط (١٤٧٦) مسند البزار (٢٠٦٧) مسند ابی یعلی (٥٤٠٨).

❹ صحیح ابن حبان (موارد۔١٣٨١)۔ (الاحسان/ ٧/ ٦٤٨) مسند احمد (٤/ ٣٩٩) مستدرك حاكم(٤/ ١٤٦)

قطع رحمی کرنے والا۔“

یہ حرمت صرف جادوگر ہی کی حد تک نہیں ہے بلکہ اس میں جادو پر اعتقاد رکھنے والے' اس کی حوصلہ افزائی کرنے والے اور جادوگر کی باتوں کو صحیح سمجھنے والے بھی شامل ہیں۔ اور یہ حُرمت اس صورت میں مزید بڑھ جاتی ہے جبکہ جادو کا استعمال ایسے اغراض کے لیے ہو جو فی نفسہ حرام ہیں' مثلاً میاں بیوی کے درمیان تفریق پیدا کرنے' یا کسی کو جسمانی نقصان پہنچانے وغیرہ کے لیے ہو۔

تعویذ باندھنا

اسی قسم کی ایک چیز تعویذ اور منکے وغیرہ بھی ہیں جو بیماری سے شفاء یابی یا تحفظ کے اعتقاد سے باندھے جاتے ہیں۔ بیسویں صدی میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے دروازہ پر گھوڑے کا نعل لگاتے ہیں۔ اور آج دنیا کے مختلف گوشوں میں گمراہ کرنے والوں کی بھی کمی نہیں جو عوام کی جہالت اور بدعقیدگی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں تعویذ لکھ لکھ کر دیتے ہیں۔ ان تعویذوں میں لکیریں اور طلسم ہوتے ہیں اور گنڈوں پر قسمیں کھا کر اور منتر پڑھ کر پھونکتے ہیں اور اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ تعویذ گنڈا باندھنے والوں پر کبھی جنوں کا اثر نہیں ہوگا اور وہ آسیب' نظر بد اور حسد وغیرہ سے محفوظ رہے گا۔

جہاں تک انسانی تحفظ اور علاج کا تعلق ہے تو اس کے کچھ معروف طریقے ہیں جن کو اسلام نے جائز ٹھہرایا ہے' لیکن ان معروف طریقوں کو چھوڑ کر گمراہ دجالوں کے طریقوں کو اختیار کرنا، اسلام کے نزدیک سخت منکر (گناہ) ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((تَدَاوَوْا فَإِنَّ الَّذِي خَلَقَ الدَّاءَ خَلَقَ الدَّوَاءَ)) ❶

”علاج کرو کیونکہ جس نے بیماری پیدا کی ہے اسی نے دواء بھی پیدا کی ہے۔“

نیز فرمایا:

((إِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ مِنْ أَدْوِيَتِكُمْ خَيْرٌ فَفِي هٰذِهِ الثَّلَاثَةِ: شُرْبَةِ عَسَلٍ أَوْ شِرْطَةِ مُحَجِّمٍ أَوْ كَيَّةٍ بِنَارٍ)) ❷

❶ مسند احمد (٣/ ١٥٦)۔

❷ بخاری' کتاب الطب: باب الدواء بالعسل' ح:٥٦٨٣۔ مسلم' کتاب السلام: باب لکل داء دواء' ح/ ٢٢٠٥۔

"تمہاری ان دواؤں میں مفید تین چیزیں ہیں' شہد پینا' پچھنے لگوانا اور آگ سے داغ دینا۔"

ان تین چیزوں کی اسپرٹ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور ان پر قیاس کرتے ہوئے موجودہ دور کے علاج کے یہ طریقے جائز قرار پاتے ہیں:

دوا پینا۔ آپریشن کے ذریعہ علاج۔ داغ کے ذریعہ علاج جس میں الیکٹرک شاک کے ذریعہ علاج کرنا بھی شامل ہے۔

رہا علاج یا تحفظ کے لیے تعویذ اور منکے وغیرہ باندھنا' یا طلسمی منتر پڑھنا، تو یہ جہالت اور گمراہی ہے جو سننِ الٰہی کے خلاف اور توحید کے منافی ہے۔ سیّدنا عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ دس افراد پر مشتمل ایک قافلہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے ان میں سے نو افراد سے بیعت کی لیکن ایک شخص سے بیعت نہیں کی۔ اُن کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ فِیْ عَضُدِہٖ تَمِیْمَةً' فَقَطَعَ الرَّجُلُ التَّمِیْمَةَ فَبَایَعَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ مَنْ عَلَّقَ فَقَدْ اَشْرَكَ)) ❶

"اس کے بازو میں تعویذ بندھا ہے۔ جب اس شخص نے تعویذ کاٹ ڈالا تو آپ ﷺ نے بیعت کی اور فرمایا: "جس نے تعویذ باندھا اس نے شرک کیا۔"

دوسری حدیث میں ہے:

((مَنْ عَلَّقَ تَمِیْمَةً فَلاَ اَتَمَّ اللّٰهُ لَهٗ' وَمَنْ عَلَّقَ وُدْعَةً فَلاَ اَوْدَعَ اللّٰهُ لَهٗ)) ❷

"جس نے تعویذ باندھا اللہ اس کو کامیاب نہ کرے اور جس نے منکے باندھے اللہ اسے سکون نصیب نہ کرے۔"

سیّدنا عمران بن حصین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے بازو میں پیتل کا

❶ مسند احمد (٤/ ١٥٦)۔مستدرك حاكم (٤/ ٢١٩)۔ طبرانی فی الکبیر (١٧/ (٨٨٥)۔

❷ مسند احمد(٤/ ١٥٤)مستدرك حاكم (٤/ ٢١٦)۔ مسند ابی یعلی (٢/ ٩٨) واسناده ضعیف.

کڑا دیکھا تو فرمایا: ''افسوس تم پر یہ کیا ہے؟'' اس نے کہا: یہ کمزوری کو دور کرنے کے لیے پہنا ہے۔ فرمایا: ''یہ تمہاری کمزوری میں مزید اضافہ کرے گا۔ اسے نکال کر پھینک دو ورنہ اگر تمہاری موت اسی حالت میں ہوگئی تو تم ہرگز فلاح نہ پاسکو گے۔'' ❶

ان واضح تعلیمات نے اصحاب رسول ﷺ پر اس قدر گہرا اثر ڈالا تھا کہ وہ اس قسم کی گمراہیوں سے بہت دور رہے اور ان بے حقیقت چیزوں کو انہوں نے کوئی اہمیت نہیں دی۔

عیسیٰ بن حمزہ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن حکیم کے پاس گیا' وہاں حمزہ موجود تھے۔ میں نے کہا: ''آپ تعویذ نہیں باندھتے؟'' انہوں نے کہا: اس سے اللہ کی پناہ! اور ایک دوسری روایت میں ہے ''موت اس سے قریب تر ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ عَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ)) ❷

''جو شخص (اپنے گلے میں) کوئی چیز لٹکائی اس کو اسی کے حوالہ کر دیا جائے گا۔''

سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کے گلے میں گنڈا بندھا ہوا دیکھا' تو اسے کھینچ کر کاٹ ڈالا اور فرمایا: ''آلِ عبداللہ شرک سے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔'' میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ)) ❸

''منتر' تعویذ اور تولہ سب شرک ہیں۔''

''تولہ'' ایک قسم کا جادو ہی ہے۔ اور اس طریقہ کو عورتیں اپنے شوہروں کی نظروں میں محبوب بننے کے لیے اختیار کرتی ہیں۔ علماء کہتے ہیں: ممنوع منتر وہ ہیں جو عربی میں نہ ہوں بلکہ کسی اور زبان میں ہوں' اور زبان کی مغائرت (اختلاف) کی وجہ سے ان کے معنی معلوم نہ ہوں۔ ایسے منتروں میں اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ جادو یا کفر کے قسم کی کوئی بات ہو۔

---

❶ مسند احمد (٤/ ٤٤٥) صحیح ابن حبان (الاحسان:٧/ ٦٢٨) ۔ ابن ماجه' کتاب الطب: باب تعلیق التمائم ح/ ٣٤٣١۔واسناده ضعیف۔

❷ ترمذی، کتاب الطب، باب ماجاء فی کراھیة التعلیق، ح: ٢٠٧٢۔

❸ صحیح ابن حبان (الاحسان: ٦٣٠٧) مستدرك حاکم: (٤ ٢١٧، ٤١٧۔٤١٨) وھو عند ابی داود و ابن ماجه ی سننھما، وانظر الحدیث الآتی.

لیکن اگر اس کے معنی سمجھ میں آجائیں اور اس میں اللہ کا ذکر ہو تو وہ مستحب ہے۔ ایسے منتر اللہ سے دعا اور اس سے امید کے مترادف ہوتے ہیں' ان کی حیثیت علاج یا دواء کی نہیں ہوتی۔ البتہ اہل جاہلیت کے منتر جادو' شرک اور طلسم سے مرکب ہوتے تھے اور معنی مفہوم سے یکسر خالی ہوتے تھے۔

روایت میں ہے کہ سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ کو ان جاہلی منتروں سے منع کیا تو اس نے یہ واقعہ سنایا: ''ایک روز میں باہر نکلی تو مجھے فلاں شخص نے دیکھ لیا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ جب میں منتر پڑھتی ہوں تو آنسو رک جاتے ہیں اور جب منتر پڑھنا ترک کرتی ہوں تو آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ شیطان ہے جب تم اس کی بات مانتی ہو تو وہ تمہیں چھوڑ دیتا ہے اور جب اس کی بات نہیں مانتی ہو تو وہ اپنی انگلی تمہاری آنکھوں میں چبھوتا ہے لیکن اگر تم وہی کرو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور امید ہے کہ تمہیں شفاء حاصل ہوگی۔ اپنی آنکھوں میں پانی چھڑکو اور یہ کلمات کہو:

((اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ' اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِي' لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا)) ❶

''اے تمام انسانوں کے رب! تکلیف کو دور فرما! اور شفایاب کر! کہ تو ہی شفاء دینے والا ہے' کوئی شفاء نہیں بجز تیری شفاء کے' ایسی شفا عطاء فرما کہ کوئی بیماری باقی نہ رہے۔''

بدشگونی

بدشگونی' کسی جگہ' وقت یا اشخاص وغیرہ سے لی جاتی ہے۔ یہ ان اوہام میں سے ہے جن کا رواج قدیم جاہلی زمانہ سے چلا آرہا ہے۔ سیّدنا صالح علیہ السلام کی قوم نے اُن سے کہا تھا:

﴿قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ﴾ (النمل: ٢٧/ ٤٧)

''ہمارے خیال میں تو تم اور تمہارے ساتھی شگون بد ہیں۔''

❶ ابوداود، کتاب الطب، باب فی تعلیق التمائم، ح: ٣٨٨٣، ابن ماجه، کتاب الطب، باب تعلیق التمائم، ح: ٣٥٣٠۔

اور فرعون اور اس کی قوم پر جب کوئی مصیبت آتی تو بدشگونی لیتے چنانچہ فرمایا:

﴿ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَّعَهُ ﴾ (الاعراف: ۷/ ۱۳۱)

''وہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔''

اکثر کفار جو گمراہی میں مبتلا رہے ہیں کسی مصیبت کے نازل ہو جانے پر یہی کہتے رہے ہیں:

﴿ إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ﴾ (یٰس: ۳۶/ ۱۸)

''ہم تمہیں اپنے لیے شگونِ بد سمجھتے ہیں۔''

اور ہمیشہ اس کا جواب انبیاء علیہم السلام یہ دیتے رہے:

﴿ طَائِرُكُمْ مَّعَكُمْ ﴾ (یٰس: ۳۶/ ۱۹)

''تمہاری بدشگونی تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔''

یعنی تمہاری مصیبت کا سبب تمہارے ساتھ لگا ہوا ہے اور وہ تمہارا کفر و عناد اور تمہاری سرکشی ہے۔

بدشگونی کے بارے میں قدیم زمانہ جاہلیت میں عربوں کے عقائد مختلف تھے لیکن اسلام نے ان کو باطل قرار دے کر لوگوں کو عقلیت (Rationality) کی راہ پر لگایا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ اَوْ تُطُيِّرَ لَهُ اَوْ تَكَهَّنَ لَهُ اَوْ سَحَرَ اَوْ سُحِرَ لَهُ)) ❶

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو برا شگون لے یا جس کے لیے برا شگون لیا جائے یا جس کے لیے کہانت کی جائے یا جو جادو کرے یا جو جادو کرائے۔''

نیز فرمایا:

((اَلْعِيَافَةُ وَالطِّيَرَةُ وَالطَّرْقُ مِنَ الْجِبْتِ)) ❷

''رمل، پرندہ سے برا شگون لینا اور کنکریاں مار کر برا شگون لینا جبت (وہم پرستی) کے قبیل سے ہے۔''

یہ بدشگونی، نہ علم کی بنیاد پر ہوتی ہے اور نہ ہی واقعات کی بنیاد پر بلکہ محض ضعفِ اعتقاد

---

❶ مسند البزار (۳۵۷۸)۔ طبرانی الکبیر (۱۸/ ۱۶۲)۔

❷ ابوداود' کتاب الطب(الکهانة): باب فی الخط وزجر الطیر' ح:۳۹۰۷۔

اور وہم پرستی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ورنہ اس کے کیا معنی کہ ایک عقلمند آدمی سچ مچ یہ خیال کرنے لگے' کہ فلاں شخص یا فلاں جگہ منحوس ہے؟ یا وہ کسی پرندے کی آواز سن کر یا آنکھوں کی حرکت دیکھ کر' یا کوئی کلمہ سن کر گھبراہٹ محسوس کرنے لگے؟

اصل بات یہ ہے کہ اگر انسان کے عقیدۂ توحید میں کمزوری ہو تو وہ اسے بدشگونی پر آمادہ کرتی ہے۔ لہٰذا انسان کو اس کمزوری کے آگے سپر نہیں ڈالنا چاہیے۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے: ''تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے کسی کا بچنا مشکل ہے: بدگمانی، بدشگونی اور حسد' لہٰذا جب بدگمانی پیدا ہو جائے تو اس پر یقین نہ کرو۔ اور جب بدشگونی تردّد پیدا کرے تو راستہ سے واپس نہ لوٹو۔ اور جب حسد کا احساس ہونے لگے تو ویسا نہ چاہو۔'' ❶

اس احتیاط پر عمل کرنے کی صورت میں ان تینوں باتوں کی حقیقت میں دل گذرنے والے خیالات اور وسوسے سے زیادہ کچھ حقیقت نہ ہوگی اور ان باتوں کا کوئی اثر عمل پر مرتب نہ ہوگا۔ ایسی باتوں سے اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمایا ہے۔

سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بدشگونی شرک ہے۔''

سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں: ''ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کے دل میں بدشگونی کے خیالات نہ پیدا ہوتے ہوں لیکن اللہ پر توکل کرنے سے اس قسم کے خیالات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔'' ❷

جاہلیت کی تقلید کے خلاف جہاد

اسلام نے جس طرح قدیم جاہلی اعتقادات و اوہام کے خلاف جنگ کی' کیونکہ یہ

❶ فتح الباری (١٠/ ٢١٣) بالفاظ متقاربة وقال الحافظ اخرجه عبد الرزاق مرسلاً۔ وعند عبد الرزاق (١٠/ ٤٠٣' ح:١٩٥٠٤) بلفظ مختلف واخرجه البيهقی فی الشعب (٢/ ٦٣' ح:١١٧٢) من رواية عبد الرزاق به وقال هذا منقطع ۔ وله شاهد من حديث ابی هريرة عند البيهقی (١١٧٣) واخرجه الطبرانی ٣/ ٢٥٨ عن حارثة بن نعمان۔

❷ ابوداؤد' كتاب الطب: باب فی الطيرة' ح: ٣٩١٠۔ ترمذی' كتاب السير: باب ماجاء فی الطيرة: ح: ١٦١٤۔ ابن ماجه' كتاب الطب: باب من كان يعجبه الفال ويكره الطيرة' ح:٣٥٣٨۔

چیزیں عقل، اخلاق، انسانی برتاؤ کے لیے نہایت خطرناک ہیں، اسی طرح اس نے جاہلیت کی تقلید کے خلاف بھی جہاد کیا، جو عصبیت، فخر وغرور اور قبائلی نخوت پر قائم تھی۔

اسلام میں عصبیت نہیں

اس سلسلہ میں اسلام نے سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ عصبیت کی تمام صورتوں کو دفن کر دیا اور عصبیت کے جذبات کو پیدا کرنا اور اس کی طرف بلانا حرام ٹھہرایا۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ .)) ❶

"جو عصبیت کی طرف بلائے وہ ہم میں سے نہیں ہے، جو عصبیت پر لڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جو عصبیت پر مرے وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے۔"

اسلام رنگ، قوم اور خطۂ زمین کی بنیاد پر انسان اور انسان کے درمیان امتیاز کرنے کا قائل نہیں ہے۔ اور اس کے نزدیک یہ بات جائز نہیں ہے کہ مسلمان لونی، قومی اور ملکی تعصب سے کام لیں، حق اور باطل، انصاف اور ظلم دونوں صورتوں میں اپنی قوم کی حمایت کریں۔ سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الْعَصَبِيَّةُ؟ قَالَ: اَنْ تُعِيْنَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ)) ❷

"میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! عصبیت کیا ہے؟ فرمایا: "یہ کہ تم اپنی قوم کی ظلم کے معاملہ میں بھی مدد کرو۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ﴾ (النساء: ٤/ ١٣٥)

❶ ابوداود، كتاب الادب: باب في العصبية، ح:٥١٢١۔ واسناده ضعيف۔

❷ ابوداود، كتاب الادب: باب في العصبية، ح/ ٥١١٩۔ واسناده ضعيف۔

"اے ایمان لانے والو! انصاف کے علمبردار رہو اور اللہ کی خاطر (سچی) گواہی دینے والے بنو' اگر چہ کہ اس شہادت کی زد تمہاری اپنی ذات یا تمہارے والدین اور تمہارے رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔"

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ (المائدۃ: ۵/ ۸)

"کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! هٰذَا نَنْصُرُهٗ مَظْلُوْمًا فَكَيْفَ نَنْصُرُهٗ ظَالِمًا' قَالَ تَمْنَعُهٗ مِنَ الظُّلْمِ فَذٰلِكَ نَصْرُلَهٗ)) ❶

"اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔" صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! مظلوم ہونے کی صورت میں تو ہم مدد کریں گے لیکن ظالم ہونے کی صورت میں کس طرح مدد کریں؟ فرمایا: "اپنے بھائی کو ظلم سے روکنا درحقیقت اس کی مدد کرنا ہے۔"

اس سے واضح ہوا ہے کہ جو دعوت مسلمانوں کو ان کے درمیان ملکی اور گروہی عصبیت پیدا کرنے کی غرض سے دی جائے مثلاً: وطن پرستی یا قوم پرستی کی دعوت تو وہ قدیم جاہلیت کی دعوت ہے۔ جس سے اسلام' اس کا رسول اور اس کی کتاب بری الذمہ ہے۔ اسلام، کوئی دوسرا عقیدہ رکھنے والوں کے ساتھ ولایت کے تعلقات قائم کرنے کا قائل و فاعل نہیں ہے اور نہ کفر و ایمان کے علاوہ کسی اور بنیاد پر لوگوں کے درمیان فرق و امتیاز کا قائل ہے۔ اسلام کا دشمن اور کافر مسلمانوں کا بھی دشمن ہے' خواہ اس کا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ﴾

(المجادلة: ۵۸/ ۲۲)

---

❶ بخاری' کتاب المظالم: باب اعن اخاك ظالما او مظلوما' ح: ۲۴۴۴' ۶۹۵۲۔

''تم کبھی نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں' کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ محبت رکھتے ہوں خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان۔''

رنگ ونسب کی کوئی اہمیت نہیں

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ''سیّدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے غصہ میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے غصہ میں بلال رضی اللہ عنہ سے کہا '' اے سیاہ فام کی اولاد''! سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم نے ان کی ماں کو برا بھلا کہا؟ تمہارے اندر جاہلیت کی بُو ابھی باقی ہے۔'' ❶

سیّدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اپنے کو دیکھو کیونکہ سرخ یا سیاہ رنگ کے لوگوں کے مقابلہ میں تمہیں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے البتہ تقویٰ کی بنا پر تم فضیلت حاصل کر سکتے ہو۔'' ❷

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّكُم بَنُو آدَمَ وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ)) ❸

''تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔''

اس طرح اسلام نے اس بات کو حرام ٹھہرایا کہ کوئی مسلمان جاہلی خواہشات کے پیچھے پڑ کر حسب ونسب پر ناز کرنے لگے اور اپنے باپ دادا کی بڑائیاں ہانکنے لگے۔

نسب اور خاندان کی کیا حیثیت جبکہ سب کی اصل ایک ہے؟ اور اگر بالفرض نسب کی حیثیت تسلیم کر لی جائے تو اس باپ یا اس باپ سے پیدا ہونے میں انسان کی اپنی کیا فضیلت ہے؟ یا اُس کا اس میں کیا قصور ہے؟

---

❶ بخاری' کتاب الایمان: باب المعاصی من امر الجاهلية' ح:٣٠' ٦٠٥٠۔ مسلم' کتاب الایمان: باب اطعام المملوك مما يأكل' ح/ ٦٦١ وليس عندها ذكر بلال رضى الله عنه۔

❷ مسنداحمد (٥/ ١٥٨).

❸ مجمع الزوائد (٨/ ٨٦) بحواله البزار (٢٠٤٤' ٣٥٨٣) وطبرانی فی الاوسط (٤٧٤٦) .

خود نبی ﷺ نے آباء واجداد پر فخر کرنے والوں کو نہایت سخت انداز میں متنبہ فرمایا ہے۔

"لوگ اپنے باپ داداؤں پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔ ان باپ داداؤں پر جو مر کر جہنم کا کوئلہ بن گئے ہیں، ورنہ وہ گندگی کے کیڑے سے زیادہ ذلیل ہوں گے۔ اللہ نے قدیم جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر کے طریقہ کو مٹا دیا ہے۔ اب یا تو آدمی متقی مؤمن ہوگا یا بدبخت فاجر۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔" ❶

اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے بہت بڑا سبق ہے' جو اپنے قدیم اجداد اور عربی و عجمی جاہلیت کے علمبردار فرعون و کسریٰ پر ناز کرتے ہیں حالانکہ ان کی حقیقت ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق جہنم کے کوئلہ سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔

حجۃ الوداع کہ جس خاص موقع پر ہزارہا افراد نہایت توجہ کے ساتھ اسلام کا پیغام سن رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں چند اصولی باتوں کا اعلان فرمایا:

((يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ اَلاَ لاَ فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلاَ لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَّلاَ لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلاَ لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ)) ❷

"لوگو! تمہارا رب ایک ہی ہے۔ سنو کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں ہے اور نہ کسی عجمی کو عربی پر فضیلت ہے' نہ گورا کالے پر فضیلت رکھتا ہے نہ ہی کالا گورے پر' بجز تقویٰ کے۔ اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہے۔"

نوحہ کرنا

کسی کی موت پر نوحہ کرنا واویلا مچانا' جزع وفزع کرنا اور اظہارِ غم میں غلو کرنا، جاہلیت

❶ مسند احمد (۲/ ۳۶۱' ۵۲٤) ابوداود' کتاب الادب: باب فی التفاخر بالاحساب' ح ۵۱۱۶' ترمذی فی اواخر الکتاب' ح/ ۳۹۵۰' ۳۹۵۶' بیهقی فی السنن الکبری (۱۰/ ۲۳۲)

❷ بیهقی فی "شعب الایمان" (٤/ ۲۸۹' ح:۵۱۳۷) عن جابر واللفظ له وقال فی هذا الاسناد بعض من یجهل احمد فی "المسند" (۵/ ٤۱۱) وابو نعیم فی "الحلیة" (۳/ ۱۰۰)

کے طور طریقوں کی تقلید ہے' جس کا اسلام سخت مخالف ہے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اس بات کی تعلیم دی ہے کہ موت درحقیقت اس دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہونے کا نام ہے نہ کہ بالکل فنا اور معدوم ہو جانے کا، اور یاد رہے جزع فزع کرنے سے نہ مردہ زندہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی قضائے الٰہی ٹل سکتی ہے۔ لہٰذا ایک مؤمن کو موت کا اسی طرح سامنا کرنا چاہیے جس طرح کہ وہ دوسری مصیبتوں کا صبر و احتساب کے ساتھ سامنا کرتا ہے۔ اسے اس بات سے عبرت حاصل کرنا چاہیے اور آخرت میں ابدی ملاقات کی امید رکھنا چاہیے، نیز اس کی زبان پر یہ کلمات ہونے چاہئیں:

﴿ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝﴾ (البقرۃ: ۲/ ۱۵۶)

''ہم اللہ کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔''

اگر وہ اہل جاہلیت کا سا طریقہ اختیار کرتا ہے تو یہ ایک فعل منکر اور حرام کا ارتکاب ہوگا۔ اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ)) ❶

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو اپنا منہ پیٹے' دامن پھاڑے اور جاہلیت کی پکار بلند کرے۔''

مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اظہارِ غم کے لیے ماتمی لباس پہنے' یا زینت ترک کرے' یا معمول کے لباس اور ہیئت میں تبدیلی کرے۔ البتہ بیوی پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن تک منائے۔ کہ یہ حقِ زوجیت کے ایفاء کا تقاضا ہے اور اس میں اس مقدس رشتہ کا احترام ہے جس نے دونوں کو جمع کیا۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ زینت کا اظہار نہ کرے اور عدت کے زمانہ میں پیغام دینے والوں کی نگاہوں میں کھب جانے کا باعث نہ بنے۔ لیکن اگر میت شوہر کے علاوہ کوئی اور ہو مثلاً باپ' بیٹا' بھائی تو ایسی صورت میں عورت

❶ بخاري' كتاب الجنائز: باب ليس منا من شق الجيوب' ح:١٢٩٤۔ مسلم' كتاب الايمان: باب تحريم ضرب الخدود' ح:١٠٣۔

کے لیے تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے۔

امام بخاری نے زینب بنت ابی سلمہ سے روایت بیان کی ہے' وہ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ جب ان کے والد ابوسفیان کا انتقال ہوگیا اور جب زینب بنت جحش کے بھائی کا انتقال ہوگیا تو دونوں میں سے ہر ایک نے خوشبو منگوا کر لگائی اور کہا: قسم اللہ کی! مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا:

((لَا یَحِلُّ لِامْرَأَۃٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تَحِدَّ عَلٰی مَیِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَیَالٍ اِلَّا عَلٰی زَوْجٍ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَّعَشْرًا)) ❶

''جو عورت اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو' اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگ کرے' البتہ اپنے شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن تک اسے کرنا چاہیے۔''

یہ سوگ بیوی پر واجب ہے' جس کے سلسلہ میں اسے کبھی تساہل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری بیٹی کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے اور اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے' تو کیا وہ سرمہ لگا سکتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں۔'' ❷

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس بات پر دلالت کناں ہے کہ دورانِ عدت زیبائش و آرائش حرام ہے' البتہ بغیر جزع وفزع کے اظہار اور بغیر چیخ و پکار کے رونا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے' بلکہ ایک فطری امر ہے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بعض عورتوں کے رونے کی آواز سنی جو سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر رو رہی تھیں۔ کچھ لوگوں نے انہیں روکنا چاہا لیکن آپ نے فرمایا: ''انہیں ابوسلیمان پر رونے دو بشرطیکہ وہ سر پر مٹی نہ ڈالیں یا چیخ چیخ کر نہ روئیں۔'' ❸

---

❶ بخاری' کتاب الطلاق: باب تحد المتوفی عنها اربعة اشهر وعشرا' ح:٥٣٣٤' ٥٣٣٥۔ مسلم کتاب الطلاق: باب وجوب الاحداد فی عدة الوفاة' ح:١٤٨٦' ١٤٨٧۔

❷ بخاری' حوالہ سابق: ح: ٥٣٣٦' مسلم' حوالہ سابق: ح: ١٤٨٨۔

❸ علقه البخاری فی کتاب الجنائز: باب مایکره من النیاحة علی المیت قبل ح: ١٢٩١۔ ووصله فی التاریخ الصغیر (١/ ٤٦) وفی نسخة صفحة (٢٦) واخرجه الحاکم (٣/ ٢٩٧)۔ البیهقی (٤/ ٧١)

معاملات

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اس طور سے فرمائی ہے کہ افراد ایک دوسرے کے ضرورت مند ہیں۔ کوئی شخص بھی خود مکتفی اور دوسروں سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ کسی کے پاس ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن سے وہ خود بے نیاز ہوتا ہے لیکن دیگر لوگ اُس کے محتاج ہوتے ہیں اور جن چیزوں سے دوسرے لوگ بے نیاز ہوتے ہیں ان کا وہ ضرورت مند ہوتا ہے۔ ان تمدنی ضروریات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی ہے کہ وہ اموالِ تجارت اور منفعت بخش چیزوں کا بیع وشراء کے ذریعہ تبادلہ کریں' تاکہ زندگی استوار ہو اور معاملات مفید اور نتیجہ بخش طریقہ پر انجام پاسکیں۔

جب نبی ﷺ کی بعثت ہوئی تو عربوں میں بیع وشراء اور مبادلہ کی مختلف شکلیں رائج تھیں۔ ان میں سے جو شکلیں شرعی اصول سے ہم آہنگ تھیں' ان کو آپ ﷺ نے برقرار رکھا اور جو شکلیں ہم آہنگ نہ تھیں ان سے منع فرما دیا۔ یہ ممانعت چند اسباب کی بنا پر تھی۔ مثلاً معصیت کے کام میں تعاون' دھوکہ دہی' ناجائز نفع اندوزی' معاملہ کے کسی فریق کے ساتھ ظلم و زیادتی وغیرہ۔

حرام چیزوں کی بیع بھی حرام ہے

(ا) اشیائے ممنوعہ سے فائدہ اٹھانا معصیت کے قبیل سے ہے' اس لیے اس کی خرید و فروخت اور تجارت کرنا بھی حرام ہے۔ مثلاً خنزیر' شراب' خوردونوش کی حرام چیزیں' بت' صلیب' مجسمے وغیرہ۔ اگر ان چیزوں کی خرید وفروخت اور ان کی تجارت کو جائز قرار دیا جاتا تو معصیت کے ان کاموں کو فروغ حاصل ہوتا' لوگوں کو ان چیزوں کے قریب جانے کا موقع ملتا' ان کا حصول آسان ہو جاتا اور لوگوں کے اندر ان کی رغبت پیدا ہو جاتی۔ لیکن چونکہ ان کی خرید وفروخت اور ان کا حصول حرام کر دیا گیا ہے اس

لیے وہ ان چیزوں سے گریز کر سکتے ہیں۔ اب نہ ان چیزوں کی طرف توجہ مبذول ہو سکتی ہے اور نہ ہی ان کی یاد تازہ رہ سکتی ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ)) ❶

''اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، سور اور بتوں کی خرید و فروخت حرام کر دی ہے۔''

نیز فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ اِذَا حَرَّمَ شَيْئًا حَرَّمَ ثَمَنَهٗ)) ❷

''اللہ جب کسی چیز کو حرام کر دیتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتا ہے۔''

دھوکہ کی بیع ممنوع ہے

(ب) ہر وہ معاملۂ بیع جس میں مال کے مجہول ہونے یا دھوکہ کی صورت پیدا ہو جانے یا ایک فریق کے دوسرے فریق کو گھاٹا دینے کی بنا پر نزاع (اختلاف) کے لیے دراڑ پیدا ہوتی ہو، سد ذریعہ کے طور پر ممنوع ہے، مثلاً نر کی صلب میں، یا اونٹنی کے بطن میں جو بچہ ہو اس کا سودا کرنا، یا اڑتے ہوئے پرندے، یا پانی کے اندر کی مچھلیوں اور اس قسم کی ہر مجہول چیز کی خرید و فروخت۔

نبی ﷺ کے زمانہ میں پھلوں کو کھیتوں اور باغوں میں ان کے پختہ ہونے سے پہلے ہی فروخت کر دیا جاتا تھا۔ اور معاملہ طے ہو جانے کے بعد کبھی ایسا ہوتا کہ آفت سماوی کی وجہ سے پھل تباہ ہو جاتے اور ایسی صورت میں بائع اور مشتری کے درمیان نزاع (اختلاف) پیدا ہو جاتا۔ بائع کہتا میں سودا مکمل کر چکا ہوں۔ اور خریدار کہتا تو نے پھل کا سودا کیا ہے اور پھل ہی غائب ہیں اس لیے آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ پھلوں کو ان کی پختگی ظاہر ہونے سے پہلے

❶ بخاری، کتاب البیوع: باب بیع المیتة والاصنام، ح/ ۲۲۳۶۔ مسلم، کتاب المساقاة: باب تحریم بیع الخمر والمیتة، ح: ۱۵۸۱۔

❷ مسند احمد (۱/ ۲۹۳۔ ۳۲۲) ابوداود، کتاب البیوع، باب فی ثمن الخمر والمیتة، ح: ۳۴۸۸۔

فروخت نہ کیا جائے ❶ الا یہ کہ معاملہ فوری طور سے پھل توڑنے کی شرط پر کیا جائے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے خوشوں کی بیع کی بھی ممانعت فرمائی یہاں تک کہ وہ سفید ہو جائیں اور آفت کا خطرہ باقی نہ رہے۔ ❷ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے یہ بھی سوچا کہ جب اللہ نے پھلوں کی پیداوار کو روک دیا ہو تو تمہارے لیے اپنے بھائی کا مال لینا کس طرح جائز ہوگا؟'' ❸

ہر مجہول چیز کی بیع ممنوع نہیں ہے کیونکہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی حقیقی حالت کا پتہ ہی نہیں چل سکتا مثلاً اگر کوئی شخص مکان خریدتا ہے تو اس کی بنیاد اور دیواروں کے اندر کا حال اسے معلوم نہیں ہوسکتا۔ اس لیے جو چیز ممنوع ہے وہ کسی چیز کا صریح مجہول ہونا ہے جس کے باعثِ نزاع یا باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

اگر کوئی چیز معمولی درجہ میں مجہول ہو تو اس کی بیع کرنا حرام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ان چیزوں کی بیع جو زمین کے اندر ہوتی ہیں جیسے مولی' گاجر' پیاز وغیرہ اسی طرح ککڑی اور خربوزے کے کھیتوں کی بیع جو امام مالک رحمہ اللہ کے قول کے مطابق جائز ہے۔ امام موصوف ان تمام چیزوں کی خرید وفروخت کو جائز کہتے ہیں جو بہ تقاضائے ضرورت ہوں اور جن میں مجہول ہونے کا پہلو بہت معمولی ہو۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''بیع کے سلسلہ میں امام مالک کے اصول دوسرے فقہاء کے اصولوں کے مقابلہ میں بہتر ہیں' کیونکہ ان کا مسلک سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کے مسلک سے ماخوذ ہے جو بیع کے مسائل میں سب سے بڑے فقیہ مانے جاتے تھے۔'' ❹

اور امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک بھی قریب قریب یہی ہے۔

---

❶ بخاری' کتاب البیوع: باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحھا' ح:۲۱۹۳۔ مسلم' کتاب البیوع: باب النھی عن بیع الثمار قبل بدوصلاحھا۔ح:۱۵۳۴

❷ مسلم' حوالہ سابق'ح:۱۵۳۵۔

❸ بخاری' کتاب البیوع: باب اذا باع الثمار قبل ان یبدو صلاحھا۔ ح: ۲۱۹۸۔ مسلم' کتاب المساقاۃ: باب وضع الجوائح'ح:۱۵۵۵۔

❹ القواعد ص۱۱۸ .

قیمتوں سے کھیلنا

(ج) اسلام نے بازار کو آزاد چھوڑنا پسند کیا ہے کہ طبعی قوانین اپنا کام کرتے رہیں۔ بازار میں اشیاء کی آمد اور ان کی مانگ کی مناسبت سے قیمتوں میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہے گا' یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں عہدِ رسالت میں جب قیمتیں چڑھ گئیں اور لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ ہمارے لیے اشیاء کے نرخ مقرر کر دیجیے' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ هُوَالْمُسْعِرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَاِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَلْقَی اللّٰهَ وَلَیْسَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ یُطَالِبُنِیْ بِمَظْلِمَةٍ فِیْ دَمٍ وَّلَا مَالٍ)) ❶

"اللہ ہی قیمتوں کا مقرر کرنے والا ہے۔ گرانی اور ارزانی وہی پیدا کرتا ہے اور رزق دینے والا بھی وہی ہے۔ میں اللہ سے اس حال میں ملنا چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی شخص بھی خون یا مال کے سلسلہ میں مجھ سے کوئی مطالبہ نہ کرے۔"

پیغمبرِ اسلام نے اس حدیث کے ذریعہ اعلان فرمایا کہ افراد کی آزادی میں بلا ضرورت مداخلت کرنا ظلم ہے' لیکن اگر بازار میں غیر طبعی عوامل داخل ہو جائیں' مثلاً ذخیرہ اندوزی اور قیمتوں سے کھیلنا تو ایسی صورت میں اجتماعی مصلحت کو افراد کی آزادی کے مقابلہ میں مقدم سمجھنا چاہیے اور ایسی صورت میں نرخ مقرر کرنا سماج کی ضرورت کا تقاضا ہے تاکہ ناجائز نفع اندوزی کرنے والے حریصوں سے سماج کو بچایا جا سکے۔ ❷

مذکورہ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نرخ مقرر کرنا ہر حال میں ممنوع ہے خواہ رفع حرج اور صریح ظلم سے روکنے کے لیے کیوں نہ کیے جائیں' بلکہ محقق علماء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نرخ مقرر کرنا بعض حالات میں تو حرام اور ظلم ہے' لیکن بعض حالات میں

❶ مسند احمد (۳/ ۱۵۶' ۲۸٦) ابوداؤد، کتاب الاجارة: باب فی التسعین ح ۱۳۱٤، ترمذی' کتاب البیوع: باب ماجاء فی التسعیر' ح:۱۳۱٤۔ ابن ماجه' کتاب التجارات: باب من کره ان یسعرح' ۲۲۰۰۔ سنن الدارمی (۲/ ۱۲٤۹)۔

❷ ہمارے زمانہ میں جس کی لاٹھی اُس کی بھینس والا معاملہ ہو چکا ہے، کیونکہ اشیاء خوردنی وافر ہوتے ہوئے بھی ذخیرہ اندوز قیمتوں میں بڑھوتی کی غرض سے صاحبِ حل وعقد خود ملکی معیشت پر گنجے سانپ کی طرح قابض ہیں جب چاہتے اور جیسے چاہتے کرتے ہیں کوئی اجتماعی پالیسی نہیں۔ (واللہ المشتکی) (ادارہ)

منصفانہ اور جائز کام ہے۔ لہٰذا اگر ناروا طریقہ پر ظلم و زیادتی کر کے لوگوں کو ایسی قیمت پر چیزیں فروخت کرنے کے لیے مجبور کر دیا جائے جس سے وہ راضی نہیں ہیں' یا مباحات سے انہیں روکا جائے تو یہ حرام ہوگا۔ اور اگر لوگوں کے درمیان عدل قائم کرنے کی غرض سے نرخ مقرر کیے جائیں مثلاً مروجہ قیمت (Standard Price) کے مطابق معاوضہ لے کر فروخت کرنے کے لیے انہیں مجبور کر دیا جائے' یا معروف معاوضہ سے زیادہ معاوضہ وصول کرنے سے انہیں روکا جائے تو ایسا کرنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہوگا۔

پہلی صورت کے بارے میں مذکورہ حدیث وارد ہوئی ہے۔ لہٰذا جب لوگ عرفی طریقہ پر بغیر ظلم و زیادتی کے مال فروخت کرتے ہوں اور اشیاء کی قلت یا آبادی میں اضافہ کی وجہ سے قیمتیں چڑھ جائیں تو معاملہ اللہ کے حوالہ کرنا چاہیے۔ ایسی صورت میں لوگوں کو مجبور کرنا کہ وہ مقررہ قیمت پر چیزیں فروخت کریں، ایک ناحق قسم کی زیادتی ہوگی۔

رہی دوسری صورت یعنی لوگوں کے ضرورت مند ہونے کے باوجود تاجر حضرات اشیاء فروخت نہ کریں اور عرفی و سماجی قیمت سے زیادہ کا مطالبہ کریں تو ایسی صورت میں مروّجہ نرخ کے مطابق اشیاء فروخت کرنا واجب' اور نرخ مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مروّجہ نرخ کو ان پر لازم کر دیا جائے۔ ایسے موقع پر قیمتوں کے تعین کا مطلب بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس عدل کو لازم کر دیا ہے اس پر کاربند ہونے کے لیے تاجروں کو مجبور کر دیا جائے۔ ❶

ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے

اگرچہ اسلام افراد سماج کو بیع و شراء اور فطری مقابلہ کی آزادی دیتا ہے' لیکن اس بات سے اسے شدید انکار ہے کہ لوگ خود غرضی اور لالچ میں مبتلا ہو کر اپنی دولت میں بے تحاشا اضافہ کرتے چلے جائیں' خواہ غذائی اجناس اور قوم کی دیگر اشیائے ضرورت ہی کے ذریعہ کیوں نہ دولت سمیٹی جا سکے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے ذخیرہ اندوزی کی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے:

((مَنِ احْتَكَرَ الطَّعَامَ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَقَدْ)) ❷

---

❶ ملاحظہ ہو: رسالۃ الحسبۃ از ابن تیمیہ رحمہ اللہ۔ اور الطرق الحکمیۃ از ابن قیم رحمہ اللہ۔ ص ۲۱٤.

❷ مسند احمد (۲/ ۳۳)۔ مستدرك حاكم (۲/ ۱۱).

''جس نے چالیس دن تک غلہ کو روکے رکھا اس سے اللہ بری الذمہ ہے۔''

اور فرمایا:

((لَا یَحْتَکِرُ اِلَّا خَاطِیٌٔ)) ❶

''ذخیرہ اندوزی کرنے والا گنہگار ہے۔''

آپ ﷺ نے ذخیرہ اندوزی کرنے والے شخص کی نفسیات اس طرح بیان کی ہیں:

((بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَکِرُ اِنْ سَمِعَ بِرَخْصٍ سَاءَہٗ وَاِنْ سَمِعَ بَغَلَاءٍ فَرِحَ)) ❷

''بہت برا ہے وہ بندہ جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔ جب ارزانی ہوتی ہے تو برا محسوس کرنے لگتا ہے' اور جب گرانی ہوتی ہے تو خوش ہو جاتا ہے۔''

نیز فرمایا:

((اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَکِرُ مَلْعُوْنٌ)) ❸

''بازار میں مال درآمد کرنے والے کو رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والے پر لعنت بھیجی جاتی ہے۔''

اصل میں تاجر کے نفع کمانے کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ وہ اشیائے تجارت جمع کر رکھے تاکہ وہ اُسے مہنگے داموں فروخت کر سکے یعنی جب چیزیں بازار سے غائب ہو جائیں تو شدید ضرورت مند لوگ منہ مانگے دام دے کر خریدنے کے لیے مجبور ہو جائیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ تاجر بازار میں لے آئے اور تھوڑے نفع کے ساتھ اسے فروخت کر دے۔ پھر دوسرا مال لائے اور تھوڑے نفع کے ساتھ اسے بھی فروخت کر

---

❶ مسلم' کتاب المساقاۃ: باب تحریم الاحتکار فی الاقوات' ح: ۱۶۰۵۔

❷ مجمع الزوائد (۴/ ۱۰۱) بحوالہ طبرانی فی الکبیر (۲۰/ ۹۵) و رواہ ایضاً فی سند الشامیین (۴۱۲) وابن عدی فی الکامل (۲/ ۵۳۰) واسنادہ ضعیف۔

❸ ابن ماجہ' کتاب التجارات: باب الحکرۃ والجلب' ح:۲۱۵۳۔ مستدرک حاکم (۲/ ۱۱) - سنن الدارمی (۲/ ۲۴۹)واسنادہ ضعیف۔

دے۔ اس طرح اپنا کاروبار جاری رکھے۔ اس منافع میں تمدنی مصلحت بھی ہے اور برکت بھی، اور ایسا تاجر رزق بھی پاتا ہے جس کی خوشخبری نبی ﷺ نے دی ہے۔

ذخیرہ اندوزی اور قیمتوں کے ساتھ کھیلنے سے متعلق ایک اہم حدیث سیّدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت ہے۔ جب وہ بیمار ہوئے تو ان کی عیادت کے لیے اموی حاکم عبید اللہ بن زیاد تشریف لائے تو سیّدنا معقل رضی اللہ عنہ نے کہا' میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"جس نے مسلمانوں کے لیے گرانی پیدا کرنے کی غرض سے قیمتوں میں مداخلت کی تو اللہ پر یہ حق ہے کہ قیامت کے دن اسے آگ پر بٹھائے۔" ❶

اس قسم کی احادیث کی روشنی میں علماء نے یہ حکم مستنبط کیا ہے کہ ذخیرہ اندوزی کی حرمت دو باتوں کے ساتھ مشروط ہے: ایک یہ کہ کسی ایسی جگہ یا ایسے حالات میں ذخیرہ کیا جائے جبکہ وہاں کے باشندوں کو اس سے تکلیف پہنچے۔ دوسرے اس سے مقصود قیمتیں چڑھانا ہو تا کہ خوب نفع کمایا جاسکے۔

بازار کی آزادی میں مصنوعی مداخلت

ذخیرہ اندوزی سے متعلق ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ شہر میں رہنے والا شہری، دیہاتی کا مال فروخت کرے۔ نبی ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ باہر کا کوئی شخص ضرورت کی اشیاء بازار بھاؤ سے فروخت کے لیے لائے' لیکن اس کے پاس کوئی شہری پہنچ کر یہ کہے کہ مال میرے حوالہ کر دو کہ میں بعد میں اسے زیادہ قیمت پر فروخت کروں۔ کیونکہ اگر دیہاتی خود فروخت کرتا تو چیز سستے میں فروخت ہو جاتی اور وہ خود بھی نفع کماتا اور دوسرے لوگ بھی فائدے میں رہتے۔

اُس زمانہ میں اس خرابی کا بہت زیادہ رواج تھا۔ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((نُهِينَا اَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَوْ كَانَ اَخَاهُ لِاَبِيهِ وَاُمِّهِ)) ❷

---

❶ مسند احمد (۵/ ۲۷)۔ مستدرك حاكم (۲/ ۱۲-۱۳) طبرانی فی الكبير (۲۰/ ۴۷۹) واسناده ضعيف.

❷ مصنف ابن ابی شيبة (۱۴/ ۲۸۷) واللفظ له۔بخاری' كتاب البيوع: باب يشتری حاضر لباد بالسمسرة' ح: ۲۱۶۱۔ مختصراً' مسلم' كتاب البيوع: باب تحريم بيع الحاضر للبادی' ح:۱۵۲۳۔ بلفظ...... وان كان اخاه اواباه۔

"ہمیں اس بات سے منع کیا گیا تھا کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت کرے خواہ وہ اس کا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔"

معلوم ہوا کہ مصلحت عامہ ذاتی یا فرد واحد کے مفاد پر فوقیت رکھتی ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لاَ يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ، دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقُ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ)) ❶

"کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اللہ ان کو ایک دوسرے کے ذریعہ رزق دے گا۔"

اس سے تجارت کے سلسلہ میں ایک اہم اصول سمجھ آتا ہے اور وہ یہ کہ بازار، قیمتوں اور مبادلہ کو بغیر کسی مداخلت کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے' تاکہ فطری مقابلہ اور طبعی عوامل کے ذریعہ قیمتوں میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہے۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "لاَ يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ" کے معنی پوچھے گئے تو انہوں نے فرمایا: "اس کا مطلب یہ ہے کہ درمیان میں کوئی دلال نہ ہو۔" ❷ دلال کو عام طور سے اپنی اُجرت کی فکر ہوتی ہے اور وہ اس قسم کے معاملات میں مصلحت عامہ کو بھول جاتا ہے۔

دلالی کرنا جائز ہے

دلالی اگر دوسرے کاموں کے سلسلہ میں کی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ دلال بائع اور مشتری کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور دونوں یا کسی ایک فریق کے لیے سہولت پیدا کر دیتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں درآمد و برآمد کے سلسلہ میں اور تھوک فروش اور خوردہ فروش تاجروں کے درمیان واسطہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ واسطہ دلال ہوتے ہیں جو بہت اہم پارٹ ادا کرتے ہیں۔ ان کو اپنی طے شدہ اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ وہ نقدی

❶ مسلم کتاب البیوع: باب تحریم بیع الحاضر للبادی' ح:۱۵۲۲۔

❷ بخاری' کتاب البیوع: باب النھی عن تلقی الرکبان' ح:۲۱۶۳۔ مسلم' کتاب البیوع: باب تحریم بیع الحاضر للبادی' ح:۱۵۲۱۔

شکل میں ہو یا منافع میں سے مناسب کمیشن کی شکل میں، یا کسی ایسی شکل میں جس پر دونوں فریق متفق ہو جائیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ابن سیرین، عطاء، ابراہیم اور حسن بصری کے نزدیک دلال کی اجرت میں کوئی حرج نہیں ہے اور سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، '' یہ کہتے ہیں کوئی حرج نہیں ہے کہ یہ کپڑا فروخت کر اور اس سے زیادہ جو کچھ وصول ہو وہ تیرے لیے ہے۔'' اور ابن سیرین کہتے ہیں'' اس طرح کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ اسے فلاں قیمت پر فروخت کر اور جو منافع ہوگا، وہ تجھے ملے گا یا میرے اور تیرے درمیان مشترک ہوگا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((اَلْمُسْلِمُوْنَ عِنْدَ شُرُوْطِهِمْ .)) ❶

(مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں)۔''

ناجائز نفع اندوزی اور دھوکہ دہی حرام ہے

خارجی اور مصنوعی مداخلت کے سلسلہ کی ایک چیز "نجش" ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ ❷ اور "نجش" سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تشریح کے مطابق یہ ہے کہ تمہارا ارادہ مال خریدنے کا نہ ہو، لیکن تم قیمت سے زیادہ بولی بولو، تا کہ دوسرا شخص زیادہ قیمت دے کر مال خرید لے۔ ❸ یہ طریقہ عام طور سے دوسروں کو دھوکہ دینے کی غرض سے اختیار کیا جاتا ہے۔

تجارت کے معاملات کو نفع اندوزی سے اور قیمتوں کو دھوکہ وغیرہ کی آلائشوں سے پاک رکھنے کی غرض سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منڈی میں مال آنے سے پہلے اس کو باہر ہی باہر خریدنے

❶ بخاری، كتاب الاجارة: باب اجر السمسرة تعليقا، قبل ح:٢٢٧٤، وهذه الآثار اخرجه ابن ابی شيبة فی المصنف ـ (٦٥/ ٥٧٨) واما الحديث فاخرجه الدارقطنی فی السنن (٣٠١) والحاكم فی المستدرك (٢/ ٤٩) واسناده ضعيف ولكن له شاهد اخرجه احمد (٢/ ٣٦٦) وابوداود، كتاب القضاء: باب فی الصلح، ح: ٣٥٩٤ـ والترمذی۔ كتاب الاحكام: باب (١٧)، ح:١٣٥٢ـ

❷ بخاری، كتاب البيوع: باب النجش، ح:٢١٤٢

❸ مسلم، كتاب البيوع: باب تحريم بيع الرجل على بيع اخيه، ح/ ١٥١٦ـ

سے منع فرمایا ہے ❶ ورنہ منڈی میں مال کی آمد ٹھیک طور پر نہیں ہو سکے گی اور اس کے نتیجہ میں مناسب نرخ مقرر نہ ہو سکیں گے' کیونکہ نرخ کا تعین مال کی منڈی میں آمد اور اس کی مانگ کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ مذکورہ صورت ایسی ہے کہ بائع کو بازار کے نرخ کا علم نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے بازار میں مال آ جانے پر بائع کو سابق سودا فسخ (بالکل ختم) کرنے کا اختیار دیا ہے۔❷

جس نے ہمارے ساتھ دھوکہ دہی کی وہ ہم میں سے نہیں ہے

اسلام نے فریب اور دھوکہ کی تمام صورتوں کو حرام ٹھہرایا ہے' خواہ وہ بیع وشراء سے متعلق ہوں' یا دوسرے انسانی معاملات سے متعلق۔ اسلام کا مطالبہ ہے کہ مسلمان ہر معاملہ میں سچائی اختیار کریں۔ دین کی مخلصانہ پیروی ہر دنیوی مفاد کے مقابلہ میں زیادہ قیمتی ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا' فَإِنْ صَدَقَا وَبَیَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِي بَیْعِهِمَا وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَیْعِهِمَا)) ❸

"بائع اور مشتری دونوں کو سودا فسخ کرنے کا اختیار ہے' جب تک وہ دونوں جدا نہیں ہو جاتے۔ اگر دونوں سچائی سے کام لیں اور عیب بیان کریں (پوری وضاحت کے ساتھ مال دیں) تو ان کے سودے میں برکت دی جاتی ہے۔ اور اگر جھوٹ بولیں اور عیب چھپائیں تو سودے کی برکت اٹھا دی جاتی ہے۔"

((وَمَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِرَجُلٍ یَبِیْعُ طَعَامًا فَأَعْجَبَهٗ فَأَدْخَلَ یَدَهٗ فِیْهِ فَرَأَى بَلَلًا فَقَالَ مَا هٰذَا یَا صَاحِبَ الطَّعَامِ قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ فَقَالَ ﷺ فَهَلَّا جَعَلْتَهٗ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰی یَرَاهُ النَّاسُ

---

❶ مسلم' کتاب البیوع: باب تحریم تلقی الجلب' ح/ ۱۵۱۷

❷ مسلم' کتاب البیوع: باب تحریم تلقی الجلب' ح/ ۱۵۱۹۔

❸ بخاری' کتاب البیوع: باب اذا بین البیعان ولم یکتما ونصحا' ح/ ۲۰۷۹۔ مسلم کتاب البیع: باب الصدق فی البیع والبیان' ح:۱۵۳۲۔

مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا)) ❶

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک غلہ فروش کے پاس سے ہوا۔ آپ ﷺ کو غلہ اچھا معلوم ہوا' لیکن جب ہاتھ ڈال کر دیکھا تو نمی محسوس ہوئی۔ فرمایا: ''کیا بات ہے؟'' اس نے کہا: بارش کی وجہ سے نمی پیدا ہوگئی ہے۔ فرمایا: ''پھر اس کو غلہ کے اوپر کیوں نہیں رکھا کہ لوگ دیکھ لیتے؟ جو ہمارے ساتھ دھوکہ بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

مسلمانوں کے اسلاف کرام معاملہ کرتے وقت مال کا عیب بیان کر دیتے تھے' سچ بولتے اور جھوٹ سے پرہیز کرتے' خلوص کا ثبوت دیتے اور دھوکہ دہی سے کلی اجتناب کرتے۔ چنانچہ امام ابن سیرین کا واقع ہے کہ جب انہوں نے ایک بکری فروخت کی تو خریدار سے کہا: ''میں اس کا عیب بیان کر کے بری الذمہ ہوتا ہوں۔ یہ بکری پاؤں سے چارہ ادھر ادھر پھیلا دیتی ہے۔'' اسی طرح حسن بن صالح کا قصہ ہے کہ انہوں نے ایک لونڈی فروخت کی تو خریدنے والے سے کہا: ''اس لونڈی نے ایک بار خون تھوکا تھا۔''

بہ کثرت قسمیں کھانا

حرمت اس صورت میں دو چند شدید ہو جاتی ہے جبکہ دھوکہ دہی کے ساتھ جھوٹی قسم بھی کھائی جائے۔ نبی ﷺ نے تاجروں کو بکثرت قسمیں کھانے سے اور خاص طور سے جھوٹی قسمیں کھانے سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلْحَلْفُ مُنْفِقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مُمْحِقَةٌ)) ❷

''قسم کھانے سے مال تو فروخت ہو جاتا ہے لیکن برکت اُٹھ جاتی ہے۔''

کاروبار میں بہ کثرت قسمیں کھانا، اس لیے ناپسندیدہ ہے کہ ایسی صورت میں غلط بیانی

---

❶ مسلم' کتاب الایمان: باب قول النبی ﷺ "من غشنا فلیس منا" ح:۱۰۲۔ ترمذی' کتاب البیوع: باب ماجاء فی کراهیة الغش فی البیوع' ح:۱۳۱۵۔

❷ بخاری' کتاب البیوع: باب (یمحق اللہ الربا ویربی الصدقات)' ح:۲۰۸۷ ۔ مسلم کتاب المساقاة: باب النهی عن الحلف فی البیع' ح/ ۱۶۰۶۔

کا زیادہ احتمال ہے' نیز اس کے نتیجہ میں دل سے اللہ تعالیٰ کی عظمت بھی زائل ہو جاتی ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنا

دھوکہ دہی کی ایک قسم ناپ تول میں کمی کرنا بھی ہے۔ قرآن نے معاملہ کے اس پہلو کا بڑے پُرزور انداز سے ذکر کیا ہے:

﴿وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ﴾

(الانعام: ٦/ ١٥٢)

''اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو۔ ہم کسی نفس پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔''

﴿وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل: ١٧/ ٣٥)

''اور جب تم ناپو تو ناپ بھر کر دو اور صحیح ترازو سے تولو۔ یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے خوب تر ہے۔''

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّ زَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

(المطففین: ٨٣/ ١ تا٦)

''تباہی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ یہ جب لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔ اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھاٹا دیتے ہیں۔ کیا وہ نہیں سمجھتے کہ انہیں ایک بڑے دن اٹھایا جائے گا؟ جس دن کہ لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔''

عدلِ حقیقی کا تصور تو مشکل ہے' البتہ ایک مسلمان کی یہ ذمہ داری ضرور بنتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے وہ عدل کرے۔ اسی لیے قرآن میں ناپ تول کے بارے میں پورے انصاف سے کام لینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (الانعام: ٦/ ١٥٢)

''ہم کسی نفس پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔''

ایک ایسی قوم کا قصہ بھی قرآن میں بیان کیا گیا ہے جس نے معاملات کے سلسلہ میں ظالمانہ روش اختیار کی اور لوگوں کو گھاٹا دینے لگی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے عدل اور اصلاح کی راہ پر لگانے کے لیے رسول بھیجا۔ یہ قوم سیّدنا شعیب علیہ السلام کی تھی جس کو دعوت دیتے ہوئے اور انجام بد سے آگاہ کرتے ہوئے سیّدنا شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

﴿اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝﴾

''ناپ پورا دو اور گھاٹا دینے والے نہ بنو۔ صحیح ترازو سے تولو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔'' (الشعراء: ٢٦/١٨١تا١٨٣)

یہ واقع ایک مثال کی حیثیت سے ہے (درسِ عبرت) جس سے واضح ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو کس طرح زندگی بسر کرنا چاہیے اور اسے اپنے تعلقات اور اپنے تمام معاملات میں کن باتوں کا پابند ہونا چاہیے۔ مسلمان کا یہ کام نہیں کہ دو مختلف پیمانوں سے ناپے اور دو مختلف ترازوؤں سے تولے۔ کہ لینے کے پیمانے اور ہوں اور دینے کے اور۔ لیتے وقت بھرپور وزن کر کے لے اور دوسروں کو دے تو گھاٹا دے۔

چوری کا مال خریدنا چور کے ساتھ مشارکت ہے

اسلام نے جرم کی مخالفت اور جرم کے ارتکاب کو مشکل بنانے کی غرض سے ایسی چیز کا خریدنا بھی حرام ٹھہرایا ہے' جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ غصب شدہ یا چوری کا مال ہے' یا اصل مالک سے ناروا طریقہ پر حاصل کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں غاصب' چور اور زیادتی کرنے والے شخص کے ساتھ غصب' چوری اور زیادتی کے معاملہ میں تعاون ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ اشْتَرٰى سَرِقَةً وَهُوَ يَعْلَمُ اِنَّهَا سَرِقَةٌ فَقَدِ اشْتَرَكَ فِي اِثْمِهَا وَعَارِهَا)) ❶

❶ مستدرك حاكم (٢/ ٣٥) السنن الكبرى للبيهقي (٥/ ٣٣٥-٣٣٦) واسناده ضعيف.

''جس نے چوری کا مال خریدا یہ جانتے ہوئے کہ یہ چوری کا مال ہے' وہ اس (چور) کے گناہ اور برائی میں شریک ہوا۔''

مسروقہ مال پر لمبی مدت گزر جانے سے گناہ زائل نہیں ہوتا' کیونکہ اسلام میں وقت کی طوالت حرام کو حلال نہیں بناتی اور نہ معاملہ پرانا (قدیم) ہو جانے سے ہی اصل مالک کا حق ساقط ہوتا ہے۔ بعض انسانی قوانین بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔

سود کی حرمت

اسلام نے تجارت کے ذریعہ مال کو نفع بخش بنانا (بڑھوتری کے لیے تجارت کرنا) جائز قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾ (النساء: ٤/ ٢٩)

''اے ایمان لانے والو! ایک دوسرے کے مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ' مگر یہ کہ کوئی مال باہمی رضا مندی سے تجارت کے ذریعہ حاصل ہو جائے۔''

اور تجارت کی غرض سے سفر کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ تعریف کی ہے۔ لیکن اسلام نے سود کے ذریعہ مال کو نفع بخش بنانے کا ہر طریقہ ختم کر دیا ہے۔ چنانچہ سود کی ہر مقدار خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر، حرام ٹھہرائی ہے۔ اور یہودیوں کی خوب مذمت کی ہے کہ وہ بد باطن لوگ ممانعت کے باوجود سود کھاتے رہے۔ سورۂ بقرہ کی درج ذیل آیتیں قرآن کے آخری نازل شدہ حصہ سے تعلق رکھتی ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة: ٢/ ٢٧٨-٢٧٩)

''اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود تمہارا باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو' اگر واقعی تم مومن ہو' لیکن اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو خبردار ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ اگر تم توبہ کر لو تو اصل زر لینے کا

تمہیں حق ہے۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔''

رسول اللہ ﷺ نے سود اور سود خواروں دونوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور واضح کر دیا کہ سود سماج کے لیے نہایت خطرناک اور مہلک مرض ہے: ''جب کسی بستی میں سود اور زنا کا ظہور ہو جاتا ہے تو لوگ اللہ کے عذاب کو دعوت دیتے ہیں۔'' ❶

آسمانی مذاہب میں اسلام پہلا دین نہیں ہے کہ جس نے سود کو حرام ٹھہرایا ہو' بلکہ یہودی مذہب میں بھی سود حرام تھا، چنانچہ عہدِ قدیم میں ہے:

''جب تیرا بھائی محتاج ہو، تو اس کی مدد کر' اس سے فائدہ اور نفع طلب نہ کر۔'' ❷

اور نصرانی مذہب کے بارے میں انجیل لوقا میں ہے:

''بھلائی کے کام کرو اور قرض دو اس کی واپسی کا انتظار کیے بغیر' ایسی صورت میں تمہارا اجر بڑا ہوگا۔'' ❸

افسوسناک بات یہ ہے کہ عہدِ نامہ قدیم میں تحریف کر کے ''اپنے بھائی'' کا مفہوم خاص طور سے ''یہودی'' لے لیا گیا۔ چنانچہ کتاب ''سفر تثنية الاشتراء'' میں ہے:

''تو پردیسی کو سود پر قرض دے تو دے' پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا۔'' ❹

حرمت سود کی مصلحت

اسلام نے سود کو سخت شدید حرام قرار دینے میں انسان کے اخلاقی' اجتماعی اور اقتصادی مصالح کا لحاظ و خیال کیا ہے۔ علمائے اسلام نے اس کی معقول وجوہ بیان کی ہیں اور جدید تحقیقات نے بھی ان مصلحتوں کو مزید واضح کر دیا ہے۔ امام رازی نے اس مسئلہ پر جو روشنی ڈالی ہے اس کو بیان کرنے پر ہم اکتفاء کریں گے: ''اولاً: سود اس بات کا متقاضی ہے کہ انسان کا مال بلاعوض حاصل کیا جائے' جو شخص ایک درہم کو دو درہم کے بدلہ فروخت کرتا ہے اس کو بلاعوض ایک درہم زیادہ مل جاتا ہے۔ حالانکہ انسان کا مال ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہے اور بڑی حرمت والی چیز ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔

❶ مستدرك حاكم (٤/ ١١٨)' معجم الكبير للطبراني (١٠/ ٤٦٠)۔

❷ خروج ٢٢: ٢٤۔ ❸ لوقا ٦: ٢٤' ٢٥۔ ❹ استثناء ٢٣: ٢٠۔

''انسان کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے۔''❶

لہٰذا بغیر معاوضہ کے مال حاصل کرنا، حرام ہونا ہی چاہیے۔

ثانیاً: سود پر اعتماد کرنے کے نتیجہ میں لوگ محنت کے ذریعہ کمانے سے جی چرانے لگیں گے۔ کیونکہ صاحبِ مال کے لیے سودی لین دین کے ذریعہ زائد مال حاصل کرنا خواہ نقد ہو یا ادھار، آسان ہوگا۔ ایسی صورت میں وہ کسب وتجارت اور دشوار کاموں کے لیے کیوں محنت مشقت کرنے لگے؟ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ عوام کا مفاد متاثر ہو جائے گا۔ اصل میں دنیا کا مفاد تجارت' صنعت وحرفت اور تعمیری کاموں ہی سے وابستہ ہے۔

(اور اس میں شک نہیں کہ یہ مصلحت اقتصادی نقطہ نظر سے بالکل صحیح ہے۔)

ثالثاً: اس سودخوری کے نتیجہ میں قرض دینے کا جو معروف طریقہ لوگوں کے درمیان رائج ہے، وہ ختم ہو جائے گا' کیونکہ سود کو حرام قرار دینے کی صورت میں تو طبیعت اس بات کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے' کہ ایک درہم قرض دے کر ایک درہم ہی واپس لیا جائے۔ لیکن اگر سود کو جائز قرار دیا جائے تو حاجتمند کی ضرورت اسے اس بات پر آمادہ کرے گی کہ وہ ایک درہم لے کر دو درہم واپس کر دے۔ اس کے نتیجہ میں انسانی ہمدردی اور احسان کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (یہ علت اخلاقی نقطہ نظر سے تسلیم شدہ ہے۔)

رابعاً: قرض خواہ عام طور سے غنی اور قرض دار محتاج ہوتا ہے۔ لہٰذا سودی لین دین جائز قرار دینے کی صورت میں غنی محتاج اور کمزور سے زائد مال حاصل کرے گا۔

(اس صورت کو رحمتِ الٰہی کس طرح جائز قرار دیتی؟ (اس میں اجتماعی پہلو مدنظر ہے)

غرضیکہ سود طاقتور کے مفاد کی خاطر غریب کا خون چوس لینے کا نام ہے' اس سے دولتمند کی دولت میں اور غریب کی غریبی میں مزید سے مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مالدار ہو جاتا ہے۔ یہ چیز معاشرہ میں باہم کینہ اور بغض پیدا کرتی ہے اور سماج کے درمیان باہمی کشمکش کی آگ بھڑکاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں انتہا پسندانہ انقلاب کے لیے راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ تاریخ نے قریبی زمانہ ہی میں ثابت کر دکھایا

❶ ابو نعیم فی "الحلیة للاولیاء" (۷/ ۳۳٤) دار قطنی (۳/ ۲٦) مجمع الزوائد (٤/ ۱۷۲)

ہے کہ سود اور سود خور سیاست، حکومت، مقامی اور قومی امن کے لیے کس قدر خطرناک ہیں۔

سود دینے والا اور لکھنے والا

سود کھانے والا قرضِ خواہ اور صاحب مال ہوتا ہے۔ وہ قرض دار کو روپیہ دیتا ہے تاکہ اصل زر پر فائدہ حاصل کر کے لوٹائے۔ ایسے شخص کے عند اللہ اور عند الناس ملعون ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ لیکن اسلام نے اس جرم کو صرف سود خور تک محدود نہیں رکھا ہے، بلکہ سود کھلانے والے کو بھی گناہ میں برابر شریک قرار دیا ہے۔ اور سود کی دستاویز لکھنے والے اور اس کے گواہوں کو بھی گناہ میں حصہ دار ٹھہرایا ہے۔

حدیث میں ہے:

((لَعَنَ اللّٰهُ اٰكِلَ الرِّبَاوَمُوْكِلَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَكَاتِبَهٗ)) ❶

"اللہ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس پر گواہ بننے والے اور کاتب، سب پر لعنت فرمائی ہے۔"

البتہ اگر شدید ضرورت سودی معاملہ کرنے کی متقاضی ہو تو ایسی صورت میں سود کھانے والا ہی گنہگار ہوگا:

① بشرطیکہ ضرورت حقیقی ہو۔ مجرد اپنی حاجت یا ترقی کے کاموں میں توسع پیش نظر نہ ہو۔ ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اس سے بے نیاز نہ ہوسکتا ہو الاّ یہ کہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ مثلاً غذا، کپڑا اور علاج جو ناگزیر ہے۔

② یہ رُخصت بس اس حد تک ہے کہ اپنی ضرورت کو پورا کیا جائے مثلاً اگر نو (۹) روپے سے کام چلتا ہو تو دس روپے قرض نہ لیے جائیں۔

❶ مسند احمد (۱/ ۳۹۳۔ ۴۰۲) ابوداود، کتاب البیوع: باب فی آکل الربا وموکلہ، ح: ۳۳۳۳۔ ترمذی، کتاب البیوع: باب ماجاء فی اکل الربا، ح/ ۱۲۰۶، نسائی، کتاب الزینۃ۔ باب الموتشمات ح: ۱۰ ۱۰۔ ابن ماجہ، کتاب التجارات: باب التغلیظ فی الربا، ح: ۲۲۷۷ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ واللفظ لاحمد ورواہ اصحاب السنن بلفظ "لعن رسول اللہ ﷺ......" وبھذا اللفظ اخرجہ مسلم عنہ فی کتاب المساقاۃ: باب لعن آکل الربا ومؤکلہ، ح: ۱۵۹۷ مختصراً وعن جابر رضی اللہ عنہ (ح/ ۱۵۹۸)

(۳) سودی لین دین سے نکلنے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے اور مسلمان بھائیوں پر لازم ہے کہ وہ ایسے شخص کی مدد کریں۔ لیکن اگر ضرورت مند شخص سودی قرض کے سوا دوسرا کوئی ذریعہ نہ پائے تو سودی قرض لے سکتا ہے' بشرطیکہ اس کو نہ چاہنے والا ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا۔ ایسی صورت میں اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

(۴) اگر مجبوراً اسے یہ صورت اختیار کرنی پڑے تو وہ بہ کراہت یہ کام کردے لیکن اس پر ناراضی کا اظہار کرے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوسری صورت پیدا فرمادے۔ ❶

نبی ﷺ قرض سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے

مسلمان کو اس بات سے واقف ہونا چاہیے کہ اسلام سماجی زندگی میں اعتدال پیدا کرنے اور معیشت میں میانہ روی اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے:

﴿وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (الانعام: ٦/ ١٤١)

''اور اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾

(الاسراء: ١٧/ ٢٦-٢٧)

''اور فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔''

قرآن نے مؤمنوں سے (اللہ کی راہ میں) انفاق کا جو مطالبہ کیا ہے وہ اللہ کے بخشے ہوئے پورے مال کا نہیں' بلکہ اس کے کچھ حصہ کو خرچ کرنے کا مطالبہ ہے۔ جو شخص اپنی کمائی کا ایک حصہ خرچ کرے گا وہ شاید کبھی محتاج نہ ہوگا۔ اس اعتدال اور میانہ روی کا تقاضا ہے کہ مسلمان کو قرض کی ضرورت پیش نہ آئے۔ نبی ﷺ نے قرض کو ناپسند فرمایا ہے کیونکہ قرض شب و روز کی پریشانی کا باعث بن جاتا ہے۔ آپ ﷺ قرض سے پناہ مانگا کرتے تھے:

❶ شرعی مجبوری کا معنی یہ ہے کہ اس کی جان کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو اور فقط جان بچانے کے لیے سود کی رقم کا لقمہ اسے دیا جائے، اس سے زائد کچھ نہیں۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی ﷾)

((اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ)) ❶

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں قرض کے غلبہ اور آدمیوں کے قہر سے۔''

اور دعا کرتے:

((اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالدَّيْنِ، فَقَالَ رَجُلٌ اَتَعْدِلُ الْكُفْرَ بِالدَّيْنِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ نَعَمْ)) ❷

''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کفر اور قرض سے۔ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا کفر اور قرض برابر ہیں؟ فرمایا: ''جی ہاں۔''

نماز میں اکثر آپ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّكَ تَسْتَعِيْذُ مِنَ الْمَغْرَمِ كَثِيْرًا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَاَخْلَفَ)) ❸

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہ اور قرض سے۔ کسی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا بات ہے آپ ﷺ اکثر قرض سے پناہ مانگتے ہیں؟ فرمایا: ''آدمی جب مقروض ہو جاتا ہے تو اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔''

مذکورہ حدیث اس بات پر روشنی ڈالتی ہے کہ قرض دار ہونا اخلاق کے لیے کس قدر نقصان دہ ہے۔ آپ ﷺ ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جس کے ذمہ قرض ہوتا

❶ ابوداود' کتاب الوتر: باب فی الاستعاذة' ح/ ١٥٥٥۔ واسناده ضعیف۔ ویغنی عنه ماورواه البخاری فی کتاب الدعوات: باب التعوذ من غلبة الرجال' ح:٦٣٦٣ عن انس رضی اللہ عنہ لفظه "اللهم انی اعوذبك من الهم والحزن والعجزو الكسل والبخل والجبن وضلع الدين وغلبة الرجال (غاية المرام' ح:٣٤٧) و عند النسائی (٥٤٩)غلبة الدين وغلبة العدو" عن ابن عمرو رضی اللہ عنہ۔

❷ نسائی' کتاب الاستعاذه : باب الاستعاذه من الدين' ح:٥٤٧٥' ٥٤٧٦۔ مستدرك حاكم مستدرك حاكم (١/ ٥٣٢) مسند احمد (٣/ ٣٨) واسناده ضعيف ۔

❸ بخاری کتاب الاذان: باب الدعاء: باب مايستعاذ منه فی الصلاة' ح:٥٨٩۔

اور قرض کی ادائیگی کے بقدر (وراثت) ترکہ میں مال نہ چھوڑتا۔ ❶ آپ ﷺ کا یہ طریقہ لوگوں کو قرض کا خوف دلانے کے لیے تھا لیکن جب اللہ نے آپ ﷺ کو اموالِ غنیمت عطا فرمائے تو آپ ﷺ نے ایسے قرضوں کی ادائیگی کا خود اہتمام فرمایا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَنَا اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَتَرَكَ دِیْنًا فَعَلَیَّ قَضَاؤُهٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ۔)) ❷

''میں ایمان داروں سے ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریبی ہوں۔ تو ان میں سے جو شخص فوت ہو جائے اور پیچھے قرض چھوڑ جائے تو اس کی ادائیگی میں کروں گا اور جو مال چھوڑ جائے تو وہ وارثوں کو ملے گا۔''

نیز آپ ﷺ نے قرض کے معاملے میں تاکیداً مزید فرمایا:

((یُغْفَرُ لِلشَّهِیْدِ كُلُّ شَیْءٍ اِلَّا الدَّیْنَ)) ❸

''شہید کا ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے بجز قرض کے۔''

ان ہدایات کے پیش نظر ایک مسلمان کو شدید ضرورت کے بغیر کسی طرح بھی قرض نہیں لینا چاہیے۔ اور جب لے تو ہمیشہ ادائیگی ہی کی نیت رکھنا چاہیے۔ حدیث میں ہے:

((مَنْ اَدَانَ اَمْوَالَ النَّاسِ یُرِیْدُ اَدَاءَ هَا اَدَّی اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ اَخَذَهَا یُرِیْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ)) ❹

''جس نے لوگوں کا مال قرض کے طور پر لیا اور اس کو ادا کرنا چاہا (اُس کا ارادہ تھا) تو اس کا قرض اللہ ادا فرمائے گا' اور جس نے تلف کرنے کے ارادہ سے لیا تو اس کو اللہ تلف فرمائے گا۔''

---

❶ بخاری' کتاب الکفالۃ: باب الدین' ح/ ۲۲۹۸' مسلم' کتاب الفرائض: باب من ترك مالا فلورثته' ح/ ۱۶۱۹۔

❷ اخرجه الشیخان وهو طرف من حدیث السابق۔ یہ اضافہ اصل کتاب میں نہیں ہے موقع کی مناسبت سے میں نے درج کر دیا ہے۔ (کاشف)

❸ مسلم' کتاب الامارۃ/ باب من قتل فی سبیل اللہ کفرت خطایا' الا الدین' ح/ ۱۸۸۶۔

❹ بخاری' کتاب الاستقراض: باب من اخذ اموال الناس یرید اداء ھا' ح/ ۲۳۸۷۔

پس جب مسلمان مجبوری کے بغیر جائز نوعیت کا قرض نہیں لے سکتا تو سودی قرض کس طرح لے سکتا ہے؟

زیادہ قیمت پر ادھار بیع

یہاں یہ بیان کرنا بہت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح کوئی چیز نقد خرید نا جائز ہے اسی طرح باہمی رضا مندی سے ادھار خریدنا بھی جائز ہے۔ نبی ﷺ نے ایک یہودی کے پاس آہنی زرہ رہن رکھ کر اپنے گھر والوں کے لیے ادھار غلہ خریدا تھا۔ ❶

لیکن اگر بائع ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھادے' جیسا کہ بہت سے تاجر قیمت بڑھا کر قسط وار ادائیگی کی شرط پر فروخت کرتے ہیں' تو بعض فقہاء کے نزدیک یہ صورت حرام ہے' اس بنا پر کہ ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے جوزائد رقم وصول کی جاتی ہے وہ ایک طرح کا سود ہے ❷ مگر جمہور علماء اس کی اجازت دیتے ہیں' کیونکہ یہ اصلاً مباح ہے اور اس کی حرمت کے سلسلہ میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے اور نہ اس میں سود سے کوئی مکمل یگانگت پائی جاتی ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ مختلف وجوہ سے بائع قیمت میں اضافہ کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ یہ قیمت کھلی نفع اندوزی اور صریح زیادتی کی حدتک نہ پہنچ جائے' ورنہ ایسا کرنا حرام ہوگا۔

امام شوکانی کہتے ہیں:

"شافعیہ' حنفیہ' زید بن علی' موید باللہ اور جمہور کے نزدیک یہ صورت جواز کے عام دلائل کی بنا پر جائز ہے۔ اور بظاہر یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔" ❸

بیع سلم

اس کے برعکس جواز کی صورت یہ ہے کہ طے شدہ رقم پیشگی بائع کے حوالہ کردی جائے'

---

❶ بخاري' كتاب الرهن: من رهن درعه' ح/ ٢٥٠٩۔ مسلم' كتاب المساقاة: باب الرهن' ح/ ١٦٠٣.

❷ یہی بات دلائل کی رو سے قوی ہے اس کی تفصیل کے لیے راقم کی کتاب "احکام ومسائل" ملاحظہ ہو اور حافظ عبدالمنان نور پوری ؒ کی کتاب "احکام ومسائل" بھی۔ (مبشر احمد ربانی)

❸ نیل الاوطار' ج۵' ص۱۵۳۔

تاکہ مقررہ مدت کے گزر جانے پر اس کے عوض مال حاصل کیا جا سکے۔ فقہی اصطلاح میں اسے "بیع سلم" کہتے ہیں۔ مدینہ میں اس کا عام رواج تھا' لیکن نبی ﷺ نے اس کی اصلاح فرمائی اور شرعی تقاضوں کے پیشِ نظر اسے چند شرائط کے ساتھ مشروط کر دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَسْلَفَ فَلْيُسْلِفْ فِىْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ اِلٰى اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ)) ❶

"جو شخص پیشگی رقم دے کر معاملہ طے کرنا چاہے وہ ناپ' وزن اور مدت متعین کر لے۔"

ایسی صورت میں نزاع پیدا نہ ہو سکے گا اور دھوکہ کا احتمال بھی نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا کہ مخصوص درختوں کے پھلوں کا پیشگی سودا کیا جائے ❷ کیونکہ اس میں بھی دھوکہ کا اندیشہ ہوتا ہے' ممکن ہے کسی آفت کی وجہ سے ان درختوں پر پھل ہی نہ آ لگے۔

معاملہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ مخصوص درخت' یا مخصوص زمین کی پیداوار کی قید نہ لگائی جائے' بلکہ صرف پیمانہ اور وزن کی تعیین کر کے معاملہ طے کر لیا جائے۔ لیکن اگر درخت' یا زمین کے مالک سے صریح طور پر ناجائز فائدہ اٹھایا جائے' یعنی ضرورت اسے سودا قبول کرنے پر مجبور کر دے تو اغلب یہ ہے کہ یہ حرام ہوگا۔

محنت اور سرمایہ کا تعاون

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق انسانوں کو اپنی بخششوں سے نوازا ہے۔ چنانچہ کتنے ہی لوگوں کے اندر کاروبار تجارت کی اہلیت اور صلاحیت موجود ہوتی ہے لیکن ان کے پاس دولت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس کچھ دوسرے لوگوں کے پاس

❶ بخاری' کتاب السلم: باب السلم فی کیل معلوم' ح: ۲۲۳۹' ۲۲۴۰۔ مسلم' کتاب المساقاۃ: باب السلم' ح: ۱۶۰۴۔

❷ بخاری' کتاب السلم: باب السلم الی من لیس عندہ اصل' ح:۲۲۴۶' ۲۲۴۷۔ مسلم' کتاب البیوع: باب النھی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحھا' ح:۱۵۳۷'۱۵۳۸۔

دولت ہوتی ہے لیکن کاروباری صلاحیت کا فقدان ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس شخص کے پاس مال ہے وہ اپنا مال صاحبِ صلاحیت کے حوالہ کیوں نہیں کرتا' کہ وہ محنت کے ذریعہ اس کو نفع بخش بنائے اور صاحبِ مال اپنے مال کے عوض منافع میں حصہ دار ہو' اس طرح دونوں فائدہ حاصل کر سکتے ہیں؟

اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ اسلامی شریعت نے سرمایہ اور صلاحیت' یا مال اور محنت کے درمیان تعاون سے ہرگز نہیں روکا ہے۔ بلکہ اس سلسلے میں عدل کی بنیاد پر اور صحیح نہج پر تعاون کی صورت پیدا کی ہے۔ چنانچہ اگر صاحب مال اپنے ساتھی کے ساتھ شراکت کا معاملہ کرنا چاہتا ہو تو اسے شراکت کی ذمہ داری اس کے جملہ نتائج کے ساتھ قبول کرنی چاہیے۔ اسی بنا پر اسلامی شریعت نے اس قسم کے معاملہ میں' جسے فقہاء "مضاربت" یا "قراض" کہتے ہیں' یہ شرط عائد کی ہے' کہ معاملہ کرنے والے دونوں فریق نفع اور نقصان میں شریک ہوں اور اس کا تناسب وہ آپس میں طے کر لیں۔ مثلاً نصف' یا ایک تہائی' یا ایک چوتھائی' ایک فریق کے لیے اور بقیہ حصہ دوسرے فریق کے لیے۔ اس طرح معاملہ طے ہو جانے کے بعد کاروبار میں نفع ہونے کی صورت میں معاہدہ کے مطابق وہ منافع تقسیم کر لیں گے۔ اور خسارہ ہونے کی صورت میں خسارہ منافع میں سے منہا کر لیا جائے گا۔ لیکن اگر منافع سے زیادہ خسارہ سرمایہ میں سے منہا کر لیا جائے گا، اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ صاحبِ مال کو اپنے سرمایہ سے خسارہ برداشت کرنا چاہیے' کیونکہ اس کے شریک کار کو بھی اپنی محنت اور کوشش کا خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

یہ ہے اس معاملہ میں اسلام کا قانون۔ رہی یہ صورت کہ صاحبِ مال کے لیے نفع کی حد بندی کی جائے اور اس کی ضمانت دی جائے' کہ خواہ نفع ہو یا نقصان، اسے مقررہ منافع ملتا ہی رہے گا' تو یہ بات صریحاً عدل کے خلاف ہے اور صلاحیت و محنت کے مقابلہ میں سرمایہ کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے کے مترادف ہے۔ نیز یہ ان قوانین حیات کے بھی خلاف ہے جو انسان کے لیے نفع کا بھی سامان کرتے ہیں اور نقصان کا بھی۔ اور اس سے اس رجحان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے کہ کمائی یقینی طور پر حاصل ہو اور اس کے لیے نہ محنت کرنے

کی ضرورت ہو اور نہ خطرہ مول لینا پڑے۔ یہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے خبیث سود ہی ہے۔

سیّدنا عبد اللہ بن معقل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ثابت رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت (بٹائی پر زمین کا کاروبار) سے منع فرمایا ہے اور کرائے پر کام کرنے کی اجازت دی ہے۔ فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسلم ہی کے لیے (صفحہ۲۲/ ج ۵) میں حنظلہ بن قیس کی سند سے روایت ہے کہ انہوں نے سیّدنا رافع بن فقدم رضی اللہ عنہ سے زمین کرائے پر دینے کے بارے میں دریافت کیا تو رافع نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کرائے پر دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ سونے یا چاندی کے عوض زمین کرائے پر دینے کے بارے میں کیا خیال ہے سیّدنا رافع نے فرمایا: ''اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جہاں کھیتی کو سیرابی اچھی ملتی وہاں سے اجرت پر کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے۔ ہوتا یوں' کھیتی کا ایک حصہ ہلاک ہو جاتا ہے یہ حصہ سلامت رہتا یا ایک حصہ سلامت رہتا دوسرا ہلاک ہو جاتا' تو اس سے منع کر دیا گیا' مگر جب کھیتی کی ضمانت معلوم ہو یعنی ساری کھیتی سے جتنی بھی پیداوار ہو، اس کا حصہ (دوسرا یا تیسرا) مقرر کر لیا جائے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ہم زمین بٹائی پر لیا دیا کرتے تھے' اس میں ہم زمین کا حصہ متعین کر لیتے کہ یہ میرا حصہ ہوگا اور یہ فلاں کا ہوگا۔ بعض اوقات ایک حصہ زمین پیداوار لاتا اور دوسرا حصہ نہ لاتا تو اس طرح نقصان ہو جاتا تھا' تو ہمیں اس سے روک دیا گیا۔ ہاں اگر چاندی وغیرہ سے (یعنی ٹھیکہ پر) ہوتو تو پھر ممانعت نہ تھی۔

میں کہتا ہوں: ''کہ یہ حدیث واضح دلالت کرتی ہے کہ زمین کو کرائے پر دینا جائز ہے کیونکہ سیّدنا رافع رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ زمین کو اجرت پر کھیتی باڑی کے لیے لینا کوئی حرج والی بات نہیں اور یہ کہنا کہ سونے اور چاندی کے عوض زمین کی کھیتی باڑی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ بات ذہن نشین کر لیں اور پھر مؤلف کے اس قول کے درمیان موازنہ کرنا کہ زمین کو نقدی یا کرائے پر دینا کے تحت بحث کرتے ہوئے جو وہ کہیں گے کہ زمین کو نقدی پر کرائے کے لیے نہ دینا ہی منقول و معقول کے مطابق ہے۔ پھر آپ کے سامنے واضح ہوگا کہ درست موقف و

فکر کیا ہے اور غلط کیا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

نبی ﷺ نے زمین کو بٹائی پر دینے سے منع فرمایا ہے ❶ یعنی اس طرح معاملہ کرنا کہ ایک فریق کو زمین کے مخصوص حصہ کا غلہ ملے' یا اس کے لیے غلہ کی مقدار متعین کر لی جائے' کیونکہ یہ معاملہ سود اور جوئے سے مشابہت رکھتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مقدار سے زیادہ پیداوار نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ سرے سے پیداوار ہی نہ ہو۔ ایسی صورت میں ایک فریق پوری طرح فائدے میں رہے گا اور دوسرا فریق پوری طرح گھاٹے میں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت غیر منصفانہ ہے۔

مزارعت کی یہ فاسد شرط، میں سمجھتا ہوں فقہاء کے اس اجماع کی بنیاد پر ہے کہ مضاربت کے معاملہ میں نفع ونقصان کا لحاظ کیے بغیر ایک فریق کے لیے قطعی منافع کی شرط نہیں ہونی چاہیے' جس علت کی بنا پر مضاربت کا معاملہ فاسد قرار پاتا ہے' اسی طرح مزارعت (بٹائی) کا معاملہ بھی فاسد قرار پاتا ہے۔ چنانچہ فقہاء کہتے ہیں: ''اگر ایک فریق مقررہ روپے کے نفع کی شرط عائد کرتا ہے اور کاروبار میں نتیجۃً اتنا ہی نفع حاصل ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پورا نفع ایک ہی فریق لے جائے گا' بلکہ امکان اس بات کا ہے کہ سرے سے نفع ہی نہ ہو۔ اور اگر زیادہ نفع حاصل ہوا تو جس نے مقررہ درہم کے نفع حاصل کرنے کی شرط پر معاملہ کیا ہے وہ گھاٹے ہی میں رہے گا۔'' (المغنی۔ ج ٥' ص ٣٤)

مذکورہ علت اسلام کی روح کے عین مطابق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی شریعت کے تمام معاملات محکم' واضح اور عدل پر مبنی ہیں۔

سرمایہ لگانے والوں کا اشتراک

جس طرح انفرادی طور پر اپنی مرضی سے اپنے مال کو کسی مباح کام میں لگانا اور اس سے فائدہ اٹھانا' نیز اپنا مال کسی تجربہ کار اور باصلاحیت شخص کے حوالہ کر کے اس کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرنا جائز ہے' اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ سرمایہ لگانے والے اصحاب کسی صنعتی' یا تجارتی فرم' یا کسی اور کاروبار میں باہم اشتراک کر لیں۔ ویسے بھی بہت سے کاروبار

❶ مسلم' کتاب البیوع' باب فی المزارعۃ' ح ١٥٤٩.

اور اسکیمیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے لیے بہت سے ہاتھوں' دانشوروں اور کافی سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ ضرورت باہمی تعاون اور اشتراک ہی کے ذریعہ پوری ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ (المائدۃ: ۵/ ۲)

''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو۔''

اور ہر وہ عمل جو افراد یا معاشرہ کی بھلائی کا باعث یا شر کو دفع کرنے والا ہو، وہ نیکی اور تقویٰ کا کام ہے' بشرطیکہ اس کو نیک نیتی کے ساتھ انجام دیا جائے۔

اسلام اشتراک کو نہ صرف جائز بلکہ باعثِ برکت قرار دیتا ہے اور دنیا میں معونتِ الٰہی اور آخرت میں اجر کا وعدہ کرتا ہے' بشرطیکہ جواز کے دائرہ میں رہ کر سود' دھوکہ بازی' ظلم' لالچ اور خیانت سے پوری طرح اجتناب کرتے ہوئے شراکت کا کاروبار کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی کاروباری شرکاء کے بارے میں فرمایا ہے:

((يَدُ اللّٰهِ عَلَى الشَّرِيكَيْنِ مَالَمْ يَخُنْ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ فَاِذَا خَانَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ رَفَعَهَا عَنْهُمَا)) ❶

''اللہ کا ہاتھ اشتراک کرنے والوں پر ہے' بشرطیکہ وہ ایک دوسرے کی خیانت نہ کریں۔ لیکن اگر کوئی شریک اپنے ساتھی کے ساتھ خیانت کا معاملہ کرتا ہے تو اللہ اپنا ہاتھ اٹھالیتا ہے۔''

اللہ کے ہاتھ سے مراد اس کی توفیق' اعانت اور برکت ہے۔

نبی ﷺ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتا ہے:

((اَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَالَمْ يَخُنْ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ فَاِذَا خَانَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا وَجَاءَ الشَّيْطٰنُ)) ❷

''دو اشتراک کرنے والوں کے ساتھ تیسرا میں ہوتا ہوں' جب تک کہ ایک شریک

---

❶ سنن الدارقطنی (۳/ ۳۵) واسنادہ ضعیف۔

❷ ابوداود' کتاب البیوع: باب فی الشرکۃ' ح:۳۳۸۳۔ مستدرك حاکم (۲/ ۵۲) اسنادہ ضعیف۔

دوسرے کی خیانت نہیں کرتا' لیکن جب کوئی خیانت کرتا ہے تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں اور شیطان وہاں پہنچ جاتا ہے۔''

بیمہ کمپنیاں

کاروبار کی ایک جدید صورت بیمہ کمپنیاں ہیں۔ بیمہ کی مختلف شکلیں ہیں۔ مثلاً لائف انشورنس' (بیمہ زندگی)' حادثات کا بیمہ وغیرہ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور کیا اسلام اس کو برقرار رکھنا چاہتا ہے؟

اس کا جواب دینے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ہم ان کمپنیوں کی نوعیت معلوم کر لیں۔ اور یہ جان لیں کہ بیمہ کرانے والے کا بیمہ کمپنی سے کس قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر کیا بیمہ کرانے والے کی حیثیت بیمہ کے ادارہ کے نزدیک ایک شریک کی ہوتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہر بیمہ کرانے والے شخص کو جیسا کہ اسلام کی تعلیم ہے' نفع ونقصان میں شریک ہونا چاہیے۔ حوادث کے بیمہ میں، بیمہ کرانے والا ایک مقررہ رقم سالانہ ادا کرتا ہے اور جس کاروبار کا بیمہ کرایا گیا ہوتا ہے اگر کسی حادثہ کی زد میں نہ آئے تو اس پوری رقم پر کمپنی قابض ہو جاتی اور اس میں سے کچھ بھی واپس نہیں کرتی۔ البتہ حادثہ کی زد میں آنے کی صورت میں طے شدہ رقم معاوضہ کے طور پر ادا کرتی ہے۔ یہ صورت کاروبار اور اشتراک کے مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔

بیمۂ زندگی کی صورت یہ ہے کہ اگر دو ہزار پونڈ کا بیمہ کرا لیا جائے اور پہلی قسط ادا کرنے پر موت واقع ہو جائے تو بیمہ کرانے والا پورے دو ہزار پونڈ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اگر اس کی حیثیت کاروباری شریک کی ہوتی تو صرف اپنی قسط کی رقم اور اس کی نسبت سے منافع کا مستحق ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بیمہ کرانے والا کمپنی کے قواعد کی پابندی نہ کرے اور اقساط کی ادائیگی سے قاصر رہے تو ادا شدہ رقم یا اس کے بعض حصہ سے اسے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ شرط بالکل فاسد ہے۔

رہا یہ کہنا کہ دونوں فریق اپنی رضامندی سے یہ معاملہ کرتے ہیں اور وہ خود اپنے مفاد

کو اچھی طرح جانتے ہیں' تو اس بات میں کوئی وزن نہیں ہے' کیونکہ اسی طرح سود کھانے اور کھلانے والے فریق بھی تو باہم رضامندی سے معاملہ طے کرتے ہیں۔ اور دو جوا کھیلنے والے بھی تو آپس کی رضامندی سے جوا کھیلتے ہیں۔ ایسی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں جب تک کہ وہ اپنا معاملہ واضح طور سے عدل کی بنیاد پر قائم نہیں کرتے کہ جس میں دھوکہ اور ظلم و زیادتی کا شائبہ تک نہ ہو۔ اور یہ نہ ہو کہ ایک فریق کو نفع کی ضمانت حاصل ہو اور دوسرے فریق کا نفع غیر یقینی ہو۔ اصل بنیادی چیز عدل ہے جس کو تمام معاملات میں اس طرح ملحوظ رکھنا چاہیے کہ نہ اپنے کو نقصان پہنچے اور نہ دوسروں کو۔

کیا بیمہ کمپنیاں امداد باہمی کے ادارے ہیں؟

بیمہ کرانے والے اور بیمہ کمپنی کے درمیان جب تعلق کی نوعیت شرکت کی نہیں ہے تو پھر اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور کیا یہ ادارے امداد باہمی کے ادارے ہیں جنہیں عطیہ دہندگان کے اشتراک سے چلایا جاتا ہو اور وہ ایک دوسرے کی مدد کی غرض سے مالی اشتراک کرتے ہوں؟

لیکن اس مقصد کے پیش نظر کہ تعاون کی صحیح صورت اختیار کی جائے اور مصیبت زدگان کی مدد کی جائے' جو مال بھی جمع کیا جائے اس کے سلسلہ میں درج ذیل امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

1. فرد مقررہ چندہ بھائی چارگی کی خاطر عطیہ کے طور پر ادا کرے اور اس فنڈ میں سے حسبِ ضرورت حاجت مندوں کی مدد کی جائے۔
2. فنڈ سے استفادہ کے صرف جائز ذرائع اختیار کیے جائیں۔
3. کسی شخص کا اس بنا پر عطیہ دینا جائز نہیں کہ حادثہ کی صورت میں اسے ایک معین رقم بطور معاوضہ ملے گی' بلکہ ادارہ کے فنڈ میں سے اسے حسب گنجائش اتنا دیا جائے کہ نقصان کی مکمل یا کسی حد تک تلافی ہو سکے۔
4. عطیہ، بخشش ہے اور اس کو واپس لینا حرام ہے۔ لہٰذا جب کوئی حادثہ پیش آجائے تو اس معاملہ میں شرعی احکام کو ملحوظ رکھا جائے۔

ان شرائط کا انطباق صرف چند انجمنوں اور اداروں پر ہوتا ہے' جو اس غرض سے قائم ہوئے ہیں' جن کو افراد عطیہ کے طور پر اپنا ماہانہ اشتراک پیش کرتے ہیں جس کو واپس لینے کا انہیں کوئی بھی اختیار نہیں ہوتا اور نہ یہ شرط ہوتی ہے کہ حادثہ کی صورت میں انہیں معین رقم مل جانی چاہیے۔

رہ گئیں کاروباری بیمہ کمپنیاں اور خاص طور سے بیمۂ زندگی کے ادارے تو ان پر ان شرائط کا کسی طرح انطباق نہیں ہوتا:

1. بیمہ کرانے والے عطیہ کی نیت سے (اقساط) ادا نہیں کرتے' بلکہ اس بات کا شاید خیال بھی ان کے دل میں نہیں آتا۔
2. بیمہ کمپنیاں اپنا سرمایہ حرام سودی کاموں میں لگا کر نفع کماتی ہیں۔ اور ایک مسلمان کے لیے سودی کام میں اشتراک جائز نہیں ہے۔ اس بات پر رخصت پسند اور تشدد پسند، سب ہی متفق ہیں۔
3. بیمہ کرانے والا معاہدہ کی مدت ختم ہو جانے پر تمام اقساط کی رقم واپس لے لیتا ہے اور اسے مزید رقم بھی ملتی ہے (وہ کس لیے) جو سود نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح یہ بات بھی تعاون کی اسپرٹ کے خلاف ہے' کہ کسی مالدار شخص کو' جو قدرت رکھتا ہو' عاجز محتاج کے مقابلہ میں زیادہ رقم دی جائے۔ یہ بات ضرورت ہے کہ صاحبِ حیثیت آدمی بڑی رقم کا بیمہ کراتا ہے' اس لیے وفات یا حادثہ کی صورت میں اسے زیادہ حصہ ملتا ہے۔ لیکن تعاون کی اسپرٹ اس بات کی متقاضی ہے کہ محتاج کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ دیا جائے۔

4. جو شخص بیمہ کا معاہدہ ختم کرنا چاہے' اسے ادا شدہ رقم کے بڑے حصہ کا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس نقصان کے لیے شرعاً کوئی جواز کی وجہ نہیں ہے۔

اصلاحات

ان تمام باتوں کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ حادثات کے بیمہ میں اصلاح کر کے اسے اسلامی معاملات سے قریب لایا جاسکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ عطیہ، معاوضہ کی شرط پر دینے کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ بیمہ کرانے والا کمپنی کو مالی عطیہ اس شرط پر دے کہ حادثہ کی

صورت میں کمپنی اس کو معاوضہ دے گی جس سے اس کی اعانت ہو اور اس کی مصیبت میں تخفیف ہو سکے۔ معاملہ کی یہ صورت بعض مسالک میں جائز ہے۔

اگر بیمہ کے معاملہ میں یہ اصلاح کر لی جائے اور بیمہ کمپنی کے معاملات سود سے پاک ہوں تو میرا رجحان جواز کی طرف ہے۔ رہا بیمہ زندگی تو میری رائے میں اس کی صورت شرعی معاملات سے بہت زیادہ بُعد رکھتی ہے۔

اسلام کا انشورنس سسٹم

ہم نے دیکھ لیا کہ اسلام موجودہ صورت میں بیمہ کمپنیوں کا مخالف ہے' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام نفس بیمہ ہی کا مخالف ہے۔ نہیں بلکہ اسلام اس موجودہ بیمہ کے طریقہ اور ذریعہ کا مخالف ہے۔ اگر بیمہ کے لیے دوسرے طریقے اختیار کیے جائیں جو اسلامی معاملات کے منافی نہ ہوں، تو اسلام اس کا خیر مقدم کرے گا۔

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ اسلامی نظام نے اسلام کے فرزندوں اور اس کی حکومت کے زیر سایہ رہنے والوں کو اجتماعی تکافل کے ذریعہ یا حکومت اور بیت المال کے ذریعہ بیمہ کی ضمانت دے دی ہے۔ اسلام کا بیت المال عوامی بیمہ کمپنی کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو اس کے اقتدار کے زیر سایہ رہنا چاہتا ہو۔

اسلامی شریعت حادثات اور مصائب میں افراد کی معاونت کرنے کی ذمہ داری قبول کرتی ہے۔ جب کوئی شخص مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو وہ صاحبِ امر کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کر سکتا ہے' تاکہ وہ اس کی تلافی کا سامان کر سکے۔ اسی طرح مرنے کے بعد وارثوں کے لیے بھی ضمانت دی گئی ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَنَا اَوْلٰی بِکُلِّ مُسْلِمٍ مِنْ نَفْسِهٖ مَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهٖ وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضِيَاعًا فَاِلَیَّ وَعَلَیَّ)) ❶

❶ بخاری' کتاب التفسیر' سورۃ الاحزاب: باب (النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسهم' ح: ٤٧٨٦' مسلم' کتاب الفرائض: باب من ترك مالا فلورثته' ح: ١٦١٩ باختلاف یسیر' ابو داود' کتاب الخراج: باب فی ارزاق الذریة' ح: ٢٩٥٤' ابن ماجه (٢٤١٦) نحوه من حدیث جابر بن عبد الله رضی الله عنه۔

''میں ہر مسلمان سے اس کے نفس سے زیادہ قریبی تعلق رکھتا ہوں' جو مسلمان مال چھوڑے وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے۔ اور جو قرض یا چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے تو قرض کی ادائیگی اور بچوں کی کفالت کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔''

مزید برآں اسلام نے اپنے فرزندوں کے بیمہ کاری کے لیے جو سب سے بڑی چیز مشروع کی وہ زکوٰۃ کے مصارف میں غارمین (مقروضوں) کا حصہ ہے۔ اس کی تفسیر میں بعض مفسرین سلف سے یہ بھی منقول ہے کہ غارم وہ شخص ہے جس کا گھر جل گیا ہو' یا جس کے مال یا کاروبار کو سیلاب بہا لے گیا ہو وغیرہ۔ اور بعض فقہاء اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ زکوٰۃ کی آمدنی سے ایسے شخص کو اتنا مال دیا جائے کہ اس کی سابقہ مالی پوزیشن بحال ہو جائے' خواہ اسے ہزاروں کی رقم دینا پڑے۔

زرعی زمین سے فائدہ اٹھانا

مسلمان جب زرعی زمین کا شرعی طریقہ پر مالک ہو' تو اسے زمین کی کاشت کرنے' یا درخت لگا کر اس سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بغیر زراعت کے زمین کو بیکار چھوڑنا، اسلام کے نزدیک ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں نعمتِ الٰہی کی ناقدری ہوگی۔ نیز یہ مال کا ضیاع بھی ہے۔ جبکہ نبی ﷺ نے مال کو ضائع سے منع فرمایا ہے۔ [1] زمین کا مالک اس سے فائدہ اٹھانے کے مندرجہ ذیل مختلف طریقے اختیار کر سکتا ہے۔

زمین سے فائدہ حاصل کرنے کے طریقے

1. خود زراعت کرے' یا درخت لگائے اور اس کی آب پاشی اور نگہداشت کا اہتمام کرے' یہاں تک کہ وہ برگ وبار لائے۔ یہ ایک پسندیدہ کام ہے۔ اور جو انسان' پرندے اور حیوانات اس کھیتی سے فائدہ اٹھائیں گے اس کا ثواب اسے ملے گا۔ اور یہ بھی واقع ہے کہ بڑے بڑے صحابہ خود زراعت کی خدمت انجام دیتے تھے۔

[1] بخاري' كتاب الرقاق: باب مايكره من قيل وقال' ح:٦٤٧٣۔ مسلم' كتاب الاقضية: باب النهى عن كثرة المسائل: ح:١٤/ ٥٩٣۔

دوسرا طریقہ

❷ خود زراعت نہ کر سکتا ہو تو اپنی زمین ایسے شخص کو عاریۃً دے دے جو اپنے آلات' مزدوروں' بیج اور جانوروں کے ذریعہ کاشت کر سکتا ہو اور اس سے وہ (مالک اراضی) کچھ نہ لے۔ اس طرح عاریۃً زمین دینا اسلام میں مطلوب مستحب ہے اور دوسرے بھائی کی خیر خواہی بھی سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ)) ❶

''جس کے پاس زمین ہو وہ خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو (بلا اُجرت کاشت کے لیے) دے دے۔''

بعض سلف کا مسلک مذکورہ حدیث کے پیش نظر یہ ہے' کہ زمین سے استفادہ کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ زمین کا مالک خود زراعت کرے اور دوسری یہ کہ بلا معاوضہ کسی شخص کو زراعت کے لیے دیدے۔ اس صورت میں زمین تو اپنے مالک ہی کی رہے گی لیکن اس کی (کل) پیداوار کاشت کرنے والے کو ملے گی۔

امام ابن حزم نے اوزاعی کی طرف منسوب کر کے یہ روایت بیان کی ہے کہ عطاء' مکحول' مجاہد اور حسن بصری رحمہم اللہ کہتے تھے کہ زمین کو درہم و دینار کے عوض کاشت کے لیے دینا درست نہیں ہے اور نہ ہی کسی اور قسم کا معاملہ کرنا درست ہے' بجز اس کے کہ زمین کا مالک خود کاشت کرے یا دوسرے شخص کو کاشت کے لیے بلا معاوضہ دیدے۔

اور سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان احادیث میں زمین کو بلا معاوضہ کاشت کے لیے دینے کی جو ہدایت کی گئی ہے وہ وجوب کا حکم نہیں رکھتی' بلکہ مندوب اور مستحب ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے عمرو بن دینار سے روایت بیان کی ہے' کہ وہ کہتے ہیں میں نے طاؤس سے پوچھا اگر میں مخابرۃ (بٹائی) ترک کر دوں تو کیسا رہے گا؟ کیونکہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ طاؤس نے کہا: سب سے بڑے عالم سیدنا

❶ بخاری' کتاب الحرث: باب ماکان من اصحاب النبی ﷺ یواسی بعضهم' ح/ ۲۳۴۱۔ مسلم' کتاب البیوع: باب کراء الارض' ح:۱۵۴۴۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے یہ بات بتلائی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت نہیں کی بلکہ اس طرح فرمایا ہے:

((لَاَنْ یَمْنَحَ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ خَیْرٌ مِنْ اَنْ یَأْخُذَ عَلَیْھَا خَرَاجًا مَعْلُوْمًا)) ❶

''تمہارا اپنے بھائی کو بلا معاوضہ زمین دے دینا اس سے بہتر ہے کہ تم اس سے (کچھ) محصول وصول کرو۔'' (یعنی بلا معاوضہ دینا کچھ وصول کرنے سے بہتر ہے)

مزارعت (بٹائی)

❸ تیرا طریقہ یہ ہے کہ زمین کا مالک اپنی زمین کسی ایسے شخص کو دے دے' جو اپنے آلات بیج اور جانوروں کے ذریعہ اس کی کاشت اس شرط پر کرے' کہ زمین کی پیداوار کا مقررہ حصہ' جس پر وہ دونوں باہم متفق ہوں' مثلاً نصف یا ایک تہائی حصہ اس کو ملے گا۔ زمیندار کا کاشتکار کو بیج' آلات اور جانور فراہم کرنا بھی جائز ہے۔اس طریقہ کو مزارعۃ' مساقاۃ اور مخابرۃ کہتے ہیں۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ نصف پیداوار پر معاملہ کیا تھا۔ ❷

جو فقہاء کرام اس قسم کی مزارعت کو سمجھتے کہتے ہیں' وہ اس مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ صحیح اور مشہور بات ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک عمل درآمد فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین اور ان کے بعد والے بھی اسی طریقہ پر عمل کرتے رہے۔ اور مدینہ کا تو کوئی گھر ایسا نہیں تھا' جس کے لوگوں نے اس طریقہ پر عمل نہ کیا

❶ بخاری' کتاب الحرث : باب (۱۰)' ح:۲۳۳۰۔ مسلم' کتاب البیوع: باب الارض تمنح 'ح: ۱۵۵۰۔

❷ بخاری' کتاب الحرث: باب المزارعة بالشطر ونحوہ' ح: ۲۳۲۸۔ مسلم' کتاب المساقاۃ:باب المساقاۃ'ح/ ۱۵۵۱۔

ہو۔ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات بھی آپ ﷺ کے بعد اس طریقہ پر معاملہ کرتی رہیں۔ ایسے ثابت شدہ معاملہ کو منسوخ قرار دینے کے لیے کوئی وجۂ جواز نہیں ہے۔

(المغنی۔ج ۵' ص ۳۸٤)

فاسد مزارعت

مزارعت (بٹائی) کی ایک قسم وہ ہے جو عہدِ رسالت میں رائج تھی اور جس سے آپ ﷺ نے صحابہ کو منع فرمایا۔ کیونکہ اس میں ایک طرح کی مجہولیت پائی جاتی تھی اور دھوکہ دہی کا پہلو بھی' جس کی وجہ سے نزاع پیدا ہو سکتا تھا۔ نیز یہ طریقہ صریحاً عدل کی روح کے خلاف تھا۔ چنانچہ زمیندار کاشتکاروں سے اس شرط پر معاملہ کرتے تھے کہ وہ زمین کے معینہ حصہ مثلاً: ایک چوتھائی حصہ کی پیداوار کے حقدار ہوں گے' یا غلہ کی مقررہ مقدار ان کو ملے گی اور باقی حصہ یا تو کاشتکار کو پورا ملے گا یا دونوں میں تقسیم ہوگا۔ مثلاً نصف' نصف۔

نبی ﷺ کی رائے میں عدل کا تقاضا یہ تھا کہ جملہ پیداوار میں خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، دونوں فریق شریک ہوں۔ اور یہ صورت صحیح نہیں تھی کہ ایک فریق کا حصہ متعین ہو اور وہ تنہا فائدہ میں رہے اور دوسرا نقصان اٹھائے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے زمین کے دوسرے حصہ میں پیداوار ہی نہ ہو۔ ایسی صورت میں ضروری تھا کہ دونوں کو پیداوار میں طے شدہ تناسب کے مطابق حصہ ملے۔

امام بخاری نے رافع بن خدیج سے روایت بیان کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے جن کے پاس زمین تھی وہ اکثر مزارعت کا معاملہ کرتے تھے۔ وہ زمین کو اس طرح کرایہ پر دیتے کہ اس کے ایک گوشہ کی پیداوار زمین کے مالک کے لیے مخصوص ہوتی' لیکن کبھی زمین کے مخصوص حصہ میں پیداوار نہ ہوتی بلکہ بقیہ زمین میں ہوتی۔ اور کبھی مخصوص حصہ میں ہوتی اور بقیہ زمین میں نہ ہوتی۔ اسی لیے ہمیں اس طرح معاملہ کرنے سے منع کر دیا گیا۔ ❶

بخاری کی ایک دوسری حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''تم اپنے کھیتوں کو کیا کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہم بٹائی پر دیتے ہیں۔ یعنی

❶ بخاری' کتاب الحرث: باب (۷)' ح/ ۲۳۲۷۔

ایک چوتھائی پیداوار کی شرط پر یا کھجور اور جَو کی مقررہ مقدار پر۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو۔" ❶

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ معاشرہ میں مکمل عدل قائم کرنے کے بے حد خواہشمند تھے اور افراد معاشرہ کو ان تمام باتوں سے دور رکھنا چاہتے تھے جو نزاع کا باعث بن سکتی ہوں۔ زمین کے مالک اور کسان دونوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی کا معاملہ کریں اور نرمی برتیں۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ

"نبی ﷺ نے مزارعت (بٹائی) کو حرام نہیں کیا ہے' بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔" ❷

اسی لیے جب طاؤس سے کہا گیا کہ "اے ابوعبدالرحمٰن! اگر آپ اس مخابرۃ (بٹائی) کو ترک کر دیتے تو اچھا ہوتا کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے! تو انہوں نے جواب دیا: میں ان کی مدد کرتا ہوں اور انہیں دیتا ہوں۔" ❸ ان کو محض روزی روٹی کمانے کی فکر نہیں تھی کہ خواہ محنت مزدوری کرنے والے بھوکے مر جائیں انہیں ان کی پروا نہ ہو' بلکہ وہ ان کی مدد کرتے تھے اور انہیں عطا کرتے تھے۔ یہ تھا حقیقی مسلم معاشرہ۔

بعض اوقات زمیندار زمین کو بغیر زراعت کیے بے کار چھوڑ دینا پسند کرتے' لیکن کسی کاشت کرنے والے کو تھوڑے معاوضہ پر دینے کے لیے آمادہ نہ ہوتے۔ اسی لیے عمر بن عبد العزیز نے امراء کو ہدایت کی تھی کہ زمین کو پیداوار کے چوتھائی' یا تہائی' یا پانچویں دسویں حصہ کی شرط پر دے دیں اور اس کو غیر آباد نہ چھوڑیں۔

زمین کو نقد کرایہ پر دینا

❹ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ زمین کاشت کرنے والے کو اس شرط پر دی جائے کہ وہ مالک

❶ بخاری' کتاب الحرث: باب ماکان اصحاب النبی ﷺ یواسی بعضھم' ح/ ۲۳۳۹، مسلم' کتاب البیوع: باب کراء الارض بالطعام' ح/ ۱۵٤۸۔

❷ ترمذی: کتاب الاحکام: باب (٤٢) من المزارعة، ح: ۱۳۸۵۔

❸ ابن ماجه، کتاب الرهون، باب الرخصة فی المزارعة بالثلث و الربع، ح: ۲٤٦۲۔ وقد اخرجه البخاری ایضاً فی کتاب الحرث: باب (۱۰)' ح: ۲۳۳۰۔

زمین کو نقد کی صورت میں طے شدہ کرایہ ادا کرے گا۔

اس طریقہ کار کو بہت سے مشہور فقہاء جائز کہتے ہیں لیکن دیگر فقہاء منع کرتے ہیں۔ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہ نبی ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔ یہ روایت نبی ﷺ دو بزرگ بدری صحابہ اور رافع بن خدیج' جابرؓ' ابوسعید' ابوہریرہ' ابن عمرؓ سب نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے بالکل منع فرمایا ہے۔ ❶، ❷

کرایہ پر دینے سے مستثنیٰ صورت صرف مزارعت (بٹائی) کی ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے اپنی زندگی میں اہلِ خیبر کے ساتھ مزارعت کا معاملہ کیا تھا اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی مزارعت کا معاملہ ہوتا رہا۔

جس شخص کی نظر اس مسئلہ کے تشریعی پہلو پر ہے وہ ابن حزم کے اس بیان سے اتفاق کرے گا' کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ اپنے کھیت کرایہ پر دیا کرتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے ان کو زمین کرایہ پر دینے سے منع فرما دیا جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ لہٰذا جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ منسوخ شدہ چیز یعنی کرایہ پر دینا مباح ہے، وہ سراسر غلط بات کہتا ہے' اور اسے ہرگز صحیح ثابت نہیں کر سکتا۔ بجز اس بات کے کہ پیداوار کا طے شدہ

---

❶ ملاحظہ ہو: المحلی۔ ج۸' ص ۲۱۲.

میں کہتا ہوں:...... یہ احادیث اگرچہ ان میں سے بعض ممانعت میں مطلق ہیں' مگر بعض دوسری پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ مزارعت کی ممانعت اس وقت کے ساتھ پابند ہے جب خراب شرطوں میں سے کوئی شرط پائی جائے جو خرابی اور نزاع کا باعث بنیں۔ جیسا کہ سیّدنا رافع رضی اللہ عنہ والی مجموعی روایات کو جمع کرنے سے پتہ چلتا ہے اور جیسا کہ مؤلف نے خود اس فصل میں مزارعتِ فاسدہ کی تشریح کی ہے۔ اس پر دلالت والی یہ بات بھی ہے کہ مزارعت کی ممانعت والی احادیث کے راوی سیدنا رافع رضی اللہ عنہ نے خود صراحت سے بیان کیا ہے۔ کہ درہم و دینار مقرر کر کے زمین کو کرائے پر دینے میں کوئی حرج نہیں' بلکہ سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کی جانب مرفوع حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع کیا ہے اور کرائے پر زمین دینے کی اجازت دی ہے۔ فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں (جیسا کہ حدیث نمبر ۳۶۴ کے تحت گزر چکا ہے۔) اس میں ابن حزم کے اس قول کی کہ زمین کرائے پر دینا حرام ہے۔ صریح تردید موجود ہے۔

❷ تمام روایات کے لیے دیکھیے: بخاری' کتاب الحرث: باب ماکان اصحاب النبی ﷺ یو اسی بعضھم' ح:۲۳۳۹' ۲۳۴۵۔ ومسلم' کتاب البیوع: باب کراء الارض' ح/ ۸۶/ ۱۵۳۶۔ ۱۵۴۷۔ دو بزرگ بدری صحابہ سے مراد رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے دو چچا' ظہیر بن رافع اور ایک دوسرے ہیں۔

حصہ دینا روا ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے کرایہ پر دینے کی ممانعت کے بعد خیبر میں بٹائی کا معاملہ کیا اور اپنی وفات تک اس پر عمل درآمد فرمایا۔ ❶

سلف میں سے ایک گروہ کا یہی مسلک ہے۔ چنانچہ طاؤس رحمہ اللہ جو یمن کے فقیہ اور جلیل القدر تابعی تھے، سونے چاندی کے عوض زمین کو کرایہ پر دینا مکروہ خیال کرتے تھے۔ لیکن بٹائی یعنی ایک تہائی یا ایک چوتھائی پیداوار کی شرط پر زمین دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ جب کہ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ نبی ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے تو انہوں نے کہا: ''ہمارے پاس سیّدنا معاذ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تھے جنہیں نبی ﷺ نے یمن بھیجا تھا۔ انہوں نے زمین کو ایک تہائی اور ایک چوتھائی پیداوار کی شرط پر (بٹائی پر) دیا تھا۔ اس وقت سے ہم یہ معاملہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔'' ❷

گویا سیّدنا طاؤس کے نزدیک ممانعت جس چیز کی ہے، وہ یہی ہے کہ کرایہ سونے چاندی (نقدی) کی شکل میں لیا جائے۔ رہی بٹائی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

محمد بن سیرین' قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ البتہ تابعین سے ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ زمین کو کرایہ پر دینے کی ہر صورت ممنوع ہے خواہ نقد کی صورت میں ہو یا بٹائی کی صورت میں' لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کا موقف کمزور اور مرجوح ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ' خلفائے راشدین اور سیّدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے بٹائی کا معاملہ کیا تھا جس سے بٹائی کا جواز ثابت ہوتا ہے اور زمانہ سابق میں مسلمانوں کے لیے اسی کے مطابق عملاً قانون سازی کی جاتی رہی ہے۔ البتہ زمین کو نقدی کی صورت میں کرایہ پر دینے کی ممانعت صحیح حدیث سے ثابت ہے اور یہ بات معقول بھی ہے۔

قیاس بھی متقاضی ہے کہ زمین کو نقدی کے عوض کرایہ پر دینے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے

اسلام کے اصول اور صحیح وصریح نصوص کے پیش نظر قیاس بھی مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر اس بات کا متقاضی ہے کہ خالی زمین کو نقدی کے عوض کرایہ پر دینے کی اجازت نہیں

❶ المحلی۔ ج۸' ص۲۲٤.

❷ ابن ماجه' كتاب الرهون: باب الرخصة في المزارعة بالثلث والربع' ح: ۲٤٦۲' ۲٤٦۳ نحوه۔

ہونی چاہیے:

(ا) کیونکہ نبی ﷺ نے پیداوار کے متعینہ حصہ مثلاً ایک قنطار (خزانہ، ڈھیر) یا دو قنطار کے عوض زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ اور صرف بٹائی کی صورت کو جائز قرار دیا ہے۔ یعنی پیداوار کا متناسب حصہ مثلاً چوتھائی' تہائی یا نصف' یا ہماری تعبیر کے مطابق فی صد تناسب (Percentage) مقرر کر کے معاملہ کیا جائے' تاکہ پیداوار کے حصول کی صورت میں دونوں شرکاء فائدے میں رہیں اور کسی آفت (آسمانی یا زمینی) کی وجہ سے نقصان کی صورت میں دونوں شرکاء نقصان میں بھی شریک رہیں۔ اس کے برخلاف ایک فریق کے حصہ کی تعیین کرنا تاکہ وہ قطعی طور پر فائدہ میں رہے اور دوسرے فریق کو اس غیر یقینی صورت کے حوالہ کرنا کہ اس کے حصہ میں شاید پسینہ بہانے کے سوا کچھ نہ آئے، سود اور جوئے کے معاملہ سے کس قدر مشابہ ہے!!!

اس کے پیش نظر جب ہم زمین کو نقدی کے عوض کرایہ پر دینے کے مسئلہ پر غور وفکر کرتے ہیں تو اس میں اور مزارعت کی مذکورہ ممنوع شکل میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ زمین کے مالک کو کرایہ کی صورت میں اپنا نقد حصہ یقینی طور سے ملتا ہے' لیکن مستأجر (کرایہ لینے والا) اپنی محنت و مشقت کو داؤ پر لگاتا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ کچھ کمائے گا یا گھاٹے میں رہے گا۔ اور پیداوار ہوگی بھی یا نہیں؟

(ب) مزید برآں جو شخص زمین کے علاوہ کرایہ پر کوئی اور چیز مکان' گاڑی وغیرہ دیتا ہے۔ وہ اس کا مالک ہوتا ہے اور کرایہ کا استحقاق اسے اس بنا پر حاصل ہوتا ہے کہ وہ اسے فائدہ اٹھانے کے قابل بنا کر مستاجر کے حوالہ کرتا ہے۔ اور اس کو استعمال میں لانے سے جو گھس (Depreciation) ہوتی رہتی ہے اس کے معاوضہ کا اسے حق حاصل ہوتا ہے۔ لیکن زمین کو کرایہ پر دینے کے لیے کسی قسم کی تیاری نہیں کرنا پڑتی۔ زمین میں اگانے کی صلاحیت تو زمیندار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور زراعت کے کام میں لانے سے زمین کی گھس نہیں ہوتی' نہ اسے آلات کی طرح زنگ لگتا ہے اور نہ وہ عمارتوں کی طرح بوسیدہ ہی ہوتی ہے۔

(ج) یہ بھی حقیقت ہے کہ جب انسان کوئی مکان کرایہ پر لیتا ہے تو رہائش کے ذریعہ اس سے براہ راست فائدہ اٹھاتا ہے اور درمیان میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب کوئی مشین کرایہ پر لیتا ہے تو اس سے بھی اسی طرح فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن زمین سے براہ راست استفادہ نہیں کرتا اور نہ اس کا فائدہ اٹھانا یقینی ہوتا ہے۔ زمین کا معاملہ مکان کی طرح نہیں ہے کہ وہ یقینی طور سے فائدہ اٹھا سکے' بلکہ جب وہ زمین کرایہ پر لیتا ہے تو فائدہ کی امید پر لیتا ہے اور کوشش ومحنت کر کے کبھی فائدہ اٹھا پاتا ہے اور کبھی نہیں اٹھاتا۔ لہٰذا زمین کے کرایہ کو مکان وغیرہ کے کرایہ پر قیاس کرنا بھی کسی طور پر صحیح نہیں ہے۔

(د) صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے پھلوں کو ان کے پختہ ہونے سے پہلے کھیتوں اور باغوں میں فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ "جب اللہ نے پھلوں سے محروم کر دیا ہو تو تم اپنے بھائی کا مال کس طرح اپنے لیے جائز کر سکتے ہو؟" [1]

یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ پھلوں کے پختہ ہونے کا آغاز ہو گیا ہو' لیکن ابھی ان کے صحیح سالم ہونے کی طرف سے اطمینان نہ کیا جا سکتا ہو۔ ممکن ہے وہ کسی آفت کی زد میں آجائیں اور پھل پک نہ سکیں۔ لہٰذا خالی زمین جس کو کدال تک نہ لگایا گیا ہو اور نہ اس میں بیج ڈالے گئے ہوں، کرایہ پر دینا کیونکر ممنوع نہ ہو گا؟ اصل میں صحیح اور عادلانہ شکل مزارعت ہی ہے جس میں معاملہ کے دونوں فریق نفع میں بھی شریک ہوتے ہیں اور نقصان میں بھی۔ (اس موضوع پر ملاحظہ ہو ابن حزم المحلی۔ ج۸' ابن تیمیہ کی "القواعد النورانیة" اور ابوالاعلیٰ مودودی کی "ملکیة الارض فی الاسلام")

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ مزارعت ہی شریعت کے اصول اور طریقہ عدل سے مطابقت رکھنے والی چیز ہے۔ اور کرایہ کے مقابلہ میں مزارعت (بٹائی) کا

[1] بخاری' کتاب البیوع: باب اذا باع الثمار قبل ان یبدو صلاحها' ح/ ۲۱۹۸' ۲۱۹۹۔ مسلم' کتاب المساقاة: باب وضع الجوائح' ح/ ۱۵۵۵' ۱۵۳۵۔

معاملہ مبنی بر عدل و انصاف اور اصول شریعت کے مطابق ہے۔ کیونکہ اس صورت میں دونوں فریق نفع ونقصان میں شریک ہوتے ہیں بخلاف کرایہ کے کہ اس شکل میں زمین کے مالک کو تو کرایہ مل جاتا ہے لیکن مستأجر (اجرت پر لینے والا) کے حصہ میں کبھی پیداوار آجاتی ہے اور کبھی اسے محروم رہنا پڑتا ہے اور کبھی خود اپنے اصل مال سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ ❶

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس مزارعت پر جو مبنی بر عدل ہے' مسلمان رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد میں عمل کرتے رہے ہیں۔ مہاجرین میں آل ابوبکر' آل عمر' آل عثمان' آل علی وغیرہ اس پر عمل کرتے رہے۔ اور اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے جواز کے قائل ہیں ابن مسعود' ابی بن کعب' زید بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ اور یہی مسلک فقہائے حدیث احمد بن حنبل' اسحٰق بن راہویہ' امام بخاری' داود بن علی' ابن خزیمہ' ابوبکر منذر' محمد بن نصر مروزی کا ہے۔ نیز مسلمانوں کے عام ائمہ مثلاً: لیث بن سعد' ابن ابی لیلیٰ' ابو یوسف' محمد بن حسن وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

نبی ﷺ نے اہلِ خیبر کے ساتھ نصف پیداوار کی شرط پر سیّدنا معاملہ کیا تھا جس کو آپ ﷺ نے اپنی وفات تک برقرار رکھا ❷ اور بعد میں بھی اس پر عمل درآمد ہوتا رہا یہاں تک کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جلا وطن کیا۔ ان کے ساتھ معاملہ اس شرط پر طے ہوا تھا کہ وہ اس کی آبادکاری پر اپنا مال خرچ کریں گے اور بیج بھی ان ہی کے ذمہ ہوں گے۔

اسی لیے ان علماء کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے' جو بیج کے بارے میں دونوں صورتوں کو جائز کہتے ہیں۔ ایک صورت یہ کہ بیج کاشت کرنے والے کی طرف سے ہوں اور دوسری صورت یہ کہ کاشت کرنے والے اور مالک زمین دونوں کی طرف سے ہوں۔ (الطرق الحکمیة۔ ص ۲۵۰)

مزارعت کے سلسلہ میں جتنی روایتیں آتی ہیں ان میں سے کوئی روایت بھی ایسی نہیں ہے جس میں زمین کاشت کرنے والے والے کا حصہ نصف سے کم بتلایا گیا ہو۔ بلکہ بعض

---

❶ الحسبة فی الاسلام از ابن تیمیه' ص ۲۱۔

❷ بخاری' کتاب الحرث: باب المزارعة بالشطر ونحوه' ح ۲۳۲۸ ، مسلم' کتاب المساقاة: باب المساقاة' ح/ ۱۵۵۱۔

صورتوں میں اس سے بھی زیادہ ہوتا تھا۔ لہٰذا جس بات پر دل کو اطمینان ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ زمین لگانے والے کا حصہ نصف سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ خیبر کے یہودیوں کے ساتھ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین نے اسی طرح معاملہ کیا تھا۔

اصل میں یہ بات کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوتی کہ زمین جیسی جامد چیز کا حصہ انسان کے حصہ سے زیادہ قرار پائے۔

جانوروں کے پالنے میں شرکت

ہمارے ملک میں اور خاص طور سے دیہاتوں کی فضا میں ایک اور معاملہ کیا جاتا ہے' اور وہ ہے جانوروں اور مویشیوں کو پالنے میں اشتراک۔ اس میں ایک فریق پوری قیمت یا اس کا ایک جزء ادا کرتا ہے اور دوسرا فریق چرانے اور نگرانی کا کام انجام دیتا ہے۔ اس کے بعد دونوں فریق اس سے حاصل ہونے والی نسل اور منافع کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔

شرکت کے اس معاملہ پر ہم اپنی رائے کے اظہار کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس کی صورتوں کو بیان کریں۔

1. پہلی صورت: خالص تجارتی مقصد سے فریقین کا اشتراک' مثلاً: بچھڑوں کو فربہ کرنے کے لیے پالنا' یا گائے بھینس کو دودھ حاصل کرنے کی غرض سے پالنا وغیرہ۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک فریق روپیہ لگائے' دوسرا فریق محنت یعنی نگرانی کا کام کرے۔ ان کے چارہ وغیرہ پر جو خرچ ہو وہ دونوں برداشت کر لیں اور فروخت کرنے کی صورت میں جو قیمت وصول ہو اس میں سے اخراجات وضع کر لیے جائیں اور جو منافع بچ جائے اس کو دونوں آپس میں حسب معاہدہ تقسیم کر لیں۔

یہ بات قرینِ عدل و انصاف نہیں ہے کہ اخراجات صرف ایک فریق کے ذمہ ہوں اور منافع کی تقسیم کے وقت اس کی کوئی رعایت نہ کی جائے۔

2. دوسری صورت: ایک فریق مویشیوں کی قیمت ادا کرے اور دوسرا فریق نگرانی کے ساتھ اخراجات بھی کرے۔ ان اخراجات کے عوض وہ مویشیوں کا دودھ حاصل کرے اور ان سے کھیتی اور آب پاشی وغیرہ کی خدمت لے۔ اس میں استحساناً کوئی

حرج نہیں ہے' بشرطیکہ جانور اتنا بڑا ہو کہ اس کا دودھ حاصل کیا جاسکتا ہو اور اس سے کام لیا جاسکتا ہو۔ یہ بات صحیح ہے کہ دوسرا فریق جو اخراجات برداشت کرتا ہے، اس کا اُن اخراجات کے مقابلہ میں دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھانا، مساوی حیثیت میں نہیں ہوتا اور اس میں نقصان کا اندیشہ بھی ہوتا ہے' لیکن ہم نے استحساناً اس کو جائز کہا ہے اور نقصان کے اس معمولی اندیشہ کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ کیوں کہ اس قسم کی باتوں کو شریعت گوارا کرتی ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں رہن کے سلسلہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفْقَتِهٖ اِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفْقَتِهٖ اِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَعَلَى الَّذِيْ يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ)) ❶

"رہن رکھے ہوئے جانور پر اس کے اخراجات کے عوض سواری کی جاسکتی ہے اور اس کا دودھ پیا جاسکتا ہے۔ اور اخراجات سواری کرنے اور دودھ پینے والے کے ذمہ ہوں گے۔"

اس حدیث میں نبی ﷺ نے جانور کے (چارہ وغیرہ) کے اخراجات کا معاوضہ اس کی سواری اور دودھ کو قرار دیا۔

جانور کے اخراجات اس کی سواری اور دودھ کے مقابلہ میں زیادہ بھی ہو سکتے اور کم بھی' لیکن تعامل کے پیش نظر جب رہن (گروی) کے معاملہ میں اس صورت کو جائز قرار دیا گیا' تو جانوروں سے متعلق شرکت کی مذکورہ صورت کو بھی لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر جائز قرار دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا۔

مذکورہ حدیث سے ہم نے جو استنباط کیا ہے وہ خاص ہماری رائے ہے۔ اللہ کرے کہ یہ رائے صائب ہو۔

رہا چھوٹے بچھڑوں سے متعلق اشتراک کہ جن سے نہ خدمت لی جاسکتی ہو اور نہ ان کا دودھ حاصل کیا جاسکتا ہو، اور اس کی یہ صورت کہ ایک فریق قیمت ادا کرے گا اور دوسرا فریق

---

❶ بخاری کتاب الرهن: باب الرهن مرکوب و محلوب' ح:۲۵۱۲۔

اخراجات برداشت کرے گا' تو اسلام کے قواعد اس کو مباح تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ جس فریق کے ذمہ اخراجات ہوں گے وہ گھاٹے میں رہے گا اور دوسرے فریق کا فائدہ ہی فائدہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ کسی طرح بھی مبنی بر انصاف نہیں ہے۔ جبکہ اسلام تمام معاملات میں انصاف کو جاری وساری دیکھنا چاہتا ہے۔ ہاں اگر اخراجات برداشت کرنے والے فریق کے لیے انتفاع (نفع) کی صورت پیدا ہونے تک دونوں فریق اخراجات باہم تقسیم کرلیں تو ہماری رائے (خیال کے مطابق) میں جائز ہوگا۔

کھیل اور تفریح

اسلام واقعیت پسند دین ہے جو انسان کو وہم و خیال کے دائرہ میں بند کر کے نہیں رکھتا' بلکہ اسی زمین پر جو حقائق و واقعات کی زمین ہے' رہنا سکھاتا ہے' وہ لوگوں کو آسمان میں پرواز کرنے والے فرشتے سمجھ کر معاملہ نہیں کرتا' بلکہ کھانا کھانے والے اور بازار میں چلنے پھرنے والے انسان سمجھ کر معاملہ کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے لوگوں پر یہ فرض گراں عائد نہیں کیا ہے کہ اس کی ہر بات ذکر اور ہر خاموشی فکر ہو۔ یا وہ صرف قرآن سماعت کریں اور اپنے تمام فارغ اوقات مسجد میں گزاریں بلکہ وہ ان کی فطرت اور ان کے طبائع کا پورا پورا لحاظ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق ہی اس طور سے فرمائی ہے کہ جس طرح کھانا اور پینا تقاضائے فطرت ہے اسی طرح شاداں وفرحاں رہنا اور ہنسنا اور کھیلنا بھی اس کی سرشت میں داخل ہے۔

ہر وقت یکساں کیفیت نہیں رہتی

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم روحانیت کے غلبہ کے نتیجہ میں یہ خیال کرنے لگے کہ انہیں ہمیشہ عبادت میں سرگرم رہنا چاہیے اور دنیا کے فوائد ولذائذ سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہیے۔ کھیل اور تفریح سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے بلکہ تمام تر توجہ آخرت اور اس کے تقاضوں کی طرف مبذول ہونی چاہیے۔

اس سلسلہ میں ایک جلیل القدر صحابی سیّدنا حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہ کا قصہ سننے کے قابل ہے' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔ موصوف فرماتے ہیں: مجھ سے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے اور پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے کہا: حنظلہ منافق ہوگیا۔ فرمایا سبحان اللہ! کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم اپنی آنکھوں سے جنت و دوزخ کو دیکھ

رہے ہیں۔ لیکن جب ہم آپ ﷺ کی صحبت میں نہیں رہتے تو عورتوں' بچوں اور کاروبار میں دل لگ جاتا ہے اور جنت و دوزخ کو ہم بھول جاتے ہیں۔ سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم ! ہمارا بھی یہی حال ہے۔ سیّدنا حنظلہ کہتے ہیں: پھر میں اور سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! حنظلہ منافق ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جب آپ ﷺ کی خدمت میں رہتے ہیں اور آپ ﷺ جنت و دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم اپنی آنکھوں سے ان فرشتوں کو دیکھ رہے ہیں' لیکن جب ہم آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو بیوی بچوں اور کاروبار میں دل لگ جاتا ہے اور جنت و دوزخ کو بھول جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری صحبت میں تم جو کیفیت محسوس کرتے ہو اگر ہمہ وقت اسی پر قائم رہو اور (جنت و دوزخ کو) اسی طرح یاد کرتے رہو تو فرشتے (آسمان سے) آکر تم سے بستروں اور راستوں میں مصافحہ کرتے۔ لیکن اے حنظلہ! ہمیشہ یکساں کیفیت نہیں رہتی۔'' ❶

رسول اللہ ﷺ ایک انسان تھے

آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ انسانی زندگی کے لیے نہایت اعلیٰ نمونہ ہے۔ آپ ﷺ خلوت میں خشوع و خضوع کے ساتھ اس طرح نماز پڑھا کرتے کہ طویل قیام کرنے سے آپ ﷺ کے قدموں پر ورم آجاتا۔ ❷ آپ ﷺ کا اسوہ حق کے معاملہ میں یہ تھا کہ اللہ کی خاطر کسی کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے' لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کی زندگی ایک انسان ہی کی زندگی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ پاکیزہ چیزوں کو پسند فرماتے' خوش ہونا' مسکرانا اور ہنسی دل لگی کرنا، آپ ﷺ کے مزاجِ مبارک کی خصوصیات تھیں۔ البتہ آپ ﷺ کوئی ایسی بات نہ فرماتے جو خلافِ حق ہوتی۔

❶ مسلم' کتاب التوبة' باب فضل دوام الذکر والفکر فی امور الآخرة' ح/ ۲۷۵۰۔

❷ بخاری' کتاب التھجد: باب قیام النبی ﷺ اللیل' ح/ ۱۱۳۰۔مسلم' کتاب صفات المنافقین: باب اکثار الاعمال' ح/ ۲۸۱۹' ۲۸۲۰۔

نبی ﷺ خوشی اور مسرت کو پسند فرماتے اور غم اور تکلیف کو ناپسند کرتے اور اکثر یہ دعا فرماتے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ)) ❶

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں پریشانی اور غم سے۔''

آپ ﷺ جس طرح خوش طبعی فرماتے تھے آپ کو اس کا اندازہ اس واقع سے ہوگا کہ ایک بڑھیا حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے لیے جنت کی دعا کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں کوئی بڑھیا داخل نہیں ہوگی۔'' یہ سن کر وہ بڑھیا گھبرا گئی اور رونے لگی۔ آپ ﷺ نے اس کا یہ حال دیکھا تو فرمایا: ''بڑھیا جنت میں بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ اسے نئی خلقت عطا فرمائے گا اور وہ نوجوان کنواری بن کر جنت میں داخل ہوگی۔ آپ ﷺ نے (اس کی تائید میں) یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ اِنَّآ اَنْشَاْنٰھُنَّ اِنْشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰھُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝ ﴾

(الواقعة: ٥٦/ ٣٥ تا ٣٧)

''ہم ان کو خاص طور پر نئی خلقت عطا کریں گے اور انہیں باکرہ (کنواری) بنائیں گے اپنے شوہروں کو محبوب رکھنے والیاں اور ہم عمر۔'' ❷

دل اُکتا جاتے ہیں

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے پاکیزہ نفوس ہنستے کھیلتے اور دل لگی کی باتیں کرتے تھے وہ اپنی فطرت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے نفس کو محظوظ کرتے اور راحتِ قلب کا سامان کرتے تاکہ تازہ دم ہوکر اور سبک رفتاری کے ساتھ کام کرسکیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جس کی طرح دل کو بھی تکان لاحق ہوتی ہے لہٰذا دلی تکان کو ہلکا کرنے کے لیے عجائبِ حکمت بیان کرو۔'' نیز فرمایا: ''دلوں کو وقفہ وقفہ سے آرام

❶ ابوداود' کتاب الوتر: باب فی الاستعاذة' ح/ ١٥٥٥۔ واسناده ضعيف۔ لکن اخرجه البخاری وغيره من حديث انس رضی اللہ عنہ بهذا اللفظ انظر كتاب الدعوات: باب التعوذ من غلبة الرجال' ح:٦٣٦٣۔

❷ ترمذی فی الشمائل(ح/ ٢٤١)

دو کیونکہ دل کی ناخوشگواری اسے اندھا بنا دیتی ہے۔'' ❶

اور امام ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں اپنے نفس کو کسی قدر باطل سے دل لگی کرنے دیتا ہوں تاکہ اس سے حق پر چلنے میں مدد ملے۔''

غرضیکہ ہنسی مذاق کی باتیں کرنے میں' جس سے انبساط کی کیفیت پیدا ہو' کوئی حرج نہیں ہے۔ اور نہ اس بات میں کوئی حرج ہے کہ مباح کھیل کے ذریعہ اپنے دل کو اور اپنے ساتھیوں کے دل کو بہلانے کا سامان کیا جائے بشرطیکہ اسے مستقل عادت نہ بنا لیا جائے۔ کہ صبح و شام کا مشغلہ یہی بن کر رہ جائے اور جس کے نتیجہ میں آدمی اپنی حقیقی ذمہ داریوں سے غفلت برتنے لگے' نیز جہاں سنجیدگی اختیار کرنے کی صورت ہو وہاں ہنسی مذاق کرنے لگے۔

اسی لیے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

''بات چیت میں مذاق اسی قدر ہونا چاہیے جس قدر کہ کھانے میں نمک۔''

اسی طرح ایک مسلمان کو کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا کہ وہ لوگوں کی عزت اور ان کی قدر و منزلت کا خیال نہ کرے اور ان کا مذاق اڑانے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ ﴾

(الحجرات: ٤٩/ ١١)

''اے ایمان والو! لوگ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں' ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔''

اور نہ ہی کسی مسلمان کے لیے یہ بات روا ہے کہ وہ لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹ سے کام لے۔ اس سے بچنے کی ہدایت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((وَيْلٌ لِلَّذِيْ يُحَدِّثُ بِالْحَدِيْثِ لِيَضْحَكَ مِنْهُ الْقَوْمُ فَيَكْذِبُ وَيْلٌ لَهٗ وَيْلٌ لَهٗ)) ❷

---

❶ جامع بيان العلم وفضله(١/ ١٣٦)۔

❷ ابوداود' كتاب الادب: باب في التشديد في الكذب' ح/ ٤٩٩٠۔ ترمذی' كتاب الزهد: باب فيمن تكلم بكلمة يضحك بها الناس' ح/ ٢٣١٥ .

"تباہی ہے اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹی باتیں کرتا ہے۔
اس کے لیے تباہی ہے اس کے لیے تباہی ہے۔"

جائز کھیل کی قسمیں

تفریح کی کتنی ہی قسمیں اور کھیل کے کتنے ہی جھوٹے طور طریقے ایسے ہیں' جن کو نبی ﷺ نے مسلمانوں کے لیے جائز قرار دیا ہے تا کہ ان کے بارِ خاطر کو ہلکا کرنے اور ان کے لیے تفریحِ طبع کا سامان ہو۔ یہ کھیل ایسے ہیں جو عبادات اور واجبات کی ادائیگی پر' بلکہ ان کاموں میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لینے پر، انسان کو آمادہ کرتے ہیں' نیز ان ورزشی کھیلوں کے ذریعہ ایسی ٹریننگ حاصل ہوتی ہے جو قوت میں اضافہ کا موجب ہوتی ہے اور اس سے آدمی میدان جہاد کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ درج ذیل کھیل اسی قبیل سے ہیں:

دوڑ میں مقابلہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوڑ میں مقابلہ کرتے تھے اور نبی ﷺ انہیں ایسا کرنے دیتے۔
روایت ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ دوڑ لگانے میں بہت تیز تھے۔ ❶

نبی ﷺ خود اپنی زوجہ مطہرہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کو خوش کرنے کی خاطر اور صحابہ کو تعلیم دینے کی غرض سے، دوڑ میں مقابلہ کرتے تھے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:
"رسول اللہ ﷺ نے دوڑ میں میرا مقابلہ کیا تو میں آگے نکل گئی۔ پھر جب میرا جسم بڑھ گیا تو آپ ﷺ نے مسابقت میں مجھے ہرا دیا اور فرمایا۔ "یہ اس وقت کا بدلہ ہے۔" ❷

کشتی لڑنا

نبی ﷺ نے مشہور پہلوان رُکانہ کے ساتھ کشتی لڑی اور اس کو کئی بار پچھاڑ دیا۔ ❸

---

❶ سنن دار قطنی (٣٠٥٤) بیهقی (١٠/ ٢٢) واسناده ضعیف۔

❷ مسند احمد (٢/ ٣٩'٢٦٤)ابوداؤد' کتاب الجهاد' باب فی السبق علی الرجل' ح:٢٥٧٨۔ ورواه ابن ماجه فی کتاب النکاح (١٩٧٩) مختصراً جداً۔

❸ ابوداؤد' کتاب اللباس: باب فی العمائم' ح/ ٤٠٧٨' ترمذی' کتاب اللباس: باب العمائم علی القلانس' ح:١٧٨٤۔

فقہاء نے ان احادیث سے یہ حکم مستنبط کیا ہے کہ دوڑ میں مقابلہ کرنا جائز ہے، خواہ مرد باہم دوڑ لگائیں، یا محرم عورتوں یا اپنی بیویوں کے ساتھ دوڑ لگائیں۔ دوڑ کا یہ مقابلہ اور کشتی لڑنا، وقار و شرف، علم و فضل اور عمر کی بزرگی کے کسی طرح بھی خلاف نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑے تھے تو آپ ﷺ کی عمر پچاس سے زیادہ تھی۔

تیر اندازی

ایک جائز فنی کھیل تیر اندازی اور نیزہ چلانا بھی ہے۔

''نبی ﷺ جب صحابہ کرام کو تیر اندازی میں مشغول دیکھتے تو ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور کہتے: ''تیر چلاؤ اور میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' ❶

آپ ﷺ کے نزدیک تیر اندازی، کھیل اور شوقیہ چیز نہیں تھی، بلکہ یہ ایک قسم کی قوت تھی، جس کی فراہمی کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ (الانفال: ٨/ ٦٠)

''اور جہاں تک ہو سکے ان کے مقابلہ کے لیے قوت فراہم کرو۔''

چنانچہ آپ ﷺ اس آیت کی تفسیر یوں فرماتے ہیں:

((اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ، اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ، اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ)) ❷

''سنو! قوت، تیر اندازی میں ہے، سنو! قوت، تیر اندازی میں ہے، سنو! قوت، تیر اندازی میں ہے۔''

نیز فرماتے:

((عَلَيْكُمْ بِالرَّمْيِ فَاِنَّهٗ مِنْ خَيْرِ لَهْوِ كُمْ)) ❸

''تم تیر اندازی ضرور سیکھو، کیونکہ یہ بہترین کھیل ہے۔''

❶ بخاری، کتاب الجهاد: باب التحريض على الرمی، ح: ٢٨٩٩۔

❷ مسلم، کتاب الامارة: باب فضل الرمی والحث عليه، ح/ ١٩١٧۔

❸ مجمع الزوائد (٥/ ٢٦٨)، بحواله البزار (١٧٠١) والطبرانی فی الاوسط (٣/ ٣٩، ح/ ٢٠٧٠) والخطيب فی "الموضح الاوهام" (٢/ ٥٢)۔

البتہ آپ ﷺ نے پالتو جانوروں وغیرہ کو نشانہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ بعض عرب زمانہ جاہلیت میں اس کے عادی تھے۔ سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو اس قسم کی حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''نبی ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو کسی ذی روح جاندار کو ہدف بنالے۔'' ❶

آپ ﷺ نے اس وجہ سے لعنت فرمائی ہے کہ اس سے حیوان کو تکلیف پہنچتی اور اس کی جان ضائع ہو جاتی ہے۔ مزید برآں یہ مال کا ضیاع بھی ہے۔ اور کسی طرح بھی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ کسی ذی روح جاندار کو تکلیف پہنچا کر اپنی تفریح کا سامان کرے۔

اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے جانوروں کو باہم لڑانے سے منع فرمایا ہے۔ ❷ مالک دو مینڈھوں یا دو بیلوں کو اشتعال دلا کر باہم سینگوں سے لڑاتے' یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جاتے' لیکن انہیں یہ تماشا دیکھ کر خوشی ہوتی۔ علماء کہتے ہیں نبی ﷺ نے اس لیے جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا ہے کہ اس سے جانوروں کو تکلیف ہوتی ہے نیز یہ ایک بے فائدہ اور عبث کام ہے۔

نیزہ چلانا

تیر اندازی کی طرح ایک کھیل نیزہ چلانا بھی ہے۔

نبی ﷺ نے حبشیوں کو مسجد نبوی میں نیزہ کا کھیل کھیلنے کی اجازت دی تھی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی اجازت دی تھی کہ ان کا کھیل دیکھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حبشیوں کو اس سے روکنا چاہا لیکن نبی ﷺ نے فرمایا: ''عمر انہیں چھوڑ دو۔'' ❸

مسجد میں اس کھیل کی اجازت دے کر آپ ﷺ نے بڑی فراخی اور وسعت ظرفی کا ثبوت دیا تاکہ دین اور دنیا دونوں کو جمع کیا جا سکے۔ یہ محض کھیل نہیں تھا' بلکہ ورزش بھی تھی

---

❶ بخاری' کتاب الذبائح: باب مایکرہ من المثلة والمصبورة' ح/ ٥٥١٥۔ مسلم' کتاب الصید: باب النھی عن صبر البھائم' ح:١٩٥٨۔

❷ ابوداود' کتاب الجھاد: باب فی التحریش بین البھائم' ح/ ٢٥٦٢۔ ترمذی' کتاب الجھاد: باب ماجاء فی کراھیة التحریش بین البھائم' ح/ ١٧٠٨ ۔ واسنادہ ضعیف۔

❸ بخاری' کتاب الجھاد: باب اللھو بالحراب ونحوھا' ح:٢٩٠١۔ مسلم' کتاب صلاة العیدین' باب الرخصة فی اللعب الذی لامعصیة فیه' ح:٨٩٣۔

اور ٹریننگ بھی۔ مذکورہ حدیث کے پیش نظر علماء کہتے ہیں کہ مسجد تمام مسلمانوں کے معاملات کا مرکز ہے لہٰذا جو کام بھی دین اور اہلِ دین کی منفعت کے ہوں، ان کو اس میں انجام دینا جائز ہے۔

موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو اس تلخ حقیقت پر غور کرنا چاہیے کہ ان کی مسجدیں کس طرح زندگی کے حقائق اور قوت سے خالی ہو گئی ہیں!

گھوڑے پر سواری

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً﴾ (النحل: ١٦/ ٨)

''اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور رونق کا کام دیں۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَاصِيهَا الْخَيْرُ)) ❶

''گھوڑوں کی پیشانیاں خیر سے بندھی ہوئی ہیں۔''

نیز فرمایا:

((اِرْمُوْا وَارْكَبُوْا)) ❷

''تیر چلاؤ اور سواری کرو۔''

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اپنی اولاد کو تیراکی اور تیراندازی سکھاؤ اور ان سے کہو کہ وہ گھوڑے پر چھلانگ لگا کر سوار ہوں۔''

سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''نبی ﷺ نے گھوڑوں کا مقابلہ کرایا اور آگے نکل جانے والے کو انعام دیا۔'' ❸

---

❶ بخاري' كتاب الجهاد: باب الخيل معقود في نواصيها الخير' ح:٢٨٥٠۔ مسلم' كتاب الامارة: باب فضيلة الخيل' ح:١٨٧٣۔

❷ مسند احمد (٤/ ١٤٤'١٤٨)' ترمذي' كتاب فضائل الجهاد: باب ماجاء في فضل الرمي' في سبيل الله' ح/ ١٦٣٧' ابن ماجه' كتاب الجهاد: باب الرمي في سبيل الله' ح/ ٢٨١١۔ واسناده ضعيف۔

❸ مسند احمد (٢/ ٩١) وللحديث شواهد۔

یہ گھوڑ دوڑ کی حوصلہ افزائی کے لیے تھا' کیونکہ یہ ورزش بھی ہے اور ٹریننگ بھی۔

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ حضرات عہدِ رسالت میں بازی لگاتے تھے اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بازی لگاتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھوڑے کی بازی لگائی تھی جس کا نام سبحہ تھا، چنانچہ وہ سب لوگوں پر سبقت لے گیا اور یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے۔ [1]

مباح بازی کی صورت یہ ہے کہ انعام، دوڑ میں حصہ لینے والے فریقین کی جانب سے نہ ہو بلکہ کسی اور کی جانب سے ہو۔ یا صرف ایک فریق کی جانب سے ہو۔ لیکن اگر فریقین کی جانب سے انعام ہو کہ جو سبقت لے جائے گا اس کو انعام ملے گا تو یہ جُوا ہے' جو ممنوع ہے' اور اس قسم کے گھوڑے کو جو جوئے کے لیے استعمال کیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطانی گھوڑے سے تعبیر کیا ہے اور اس کی قیمت وغیرہ کو گناہ قرار دیا ہے۔ [2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں ایک رحمٰن کے لیے' دوسرا انسان کے لیے اور تیسرا شیطان کے لیے۔ تو جو گھوڑا رحمٰن کے لیے ہوتا ہے وہ اللہ کی راہ میں باندھا جاتا ہے۔ اور جو شیطان کے لیے ہوتا ہے وہ جُوئے (ریس) کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جو انسان کے لیے ہوتا ہے اسے آدمی افزائش نسل کے لیے پالتا ہے اور اس کی محتاجی دور کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔'' [3]

شکار کرنا

ایک مفید تفریح جس کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے، وہ شکار کرنا ہے۔ اس سے آدمی فائدہ بھی اٹھاتا ہے اور ورزش بھی خوب ہوتی ہے۔ نیز یہ کمائی کا ذریعہ بھی ہے۔ شکار خواہ تیر' نیزہ' بندوق وغیرہ جیسے کسی آلہ کے ذریعہ کیا جائے' یا شکاری کتوں اور پرندوں کے ذریعہ، تمام مذکورہ دونوں صورتوں میں جائز ہے۔ رہے شرائط تو ان کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا۔

[1] مسند احمد (۳/ ۱۶۰، ۲۵۶) ۔ سنن الدارمی (۲/ ۲۱۲۔ ۲۱۳)
[2] مسند احمد (٤/ ٦٩، ٥/ ۳۸۱) نحو المعنی۔
[3] مسند احمد (۱/ ۳۹۵)۔ مسند الشاشی (۸۳۲)۔ بیہقی (۲۱۱۰)۔

اسلام نے شکار صرف دو حالتوں میں ممنوع قرار دیا ہے ایک حج یا عمرہ کے احرام کی حالت میں اور دوسرے حرمِ مکہ کے اندر، کیونکہ اسلام نے اس کو امن وسلامتی کا علاقہ قرار دیا ہے۔

چوسر کا کھیل

ہر وہ کھیل جس میں جُوا ہو، حرام ہے۔ اور جُوا ہر وہ کھیل ہے جو نفع یا نقصان سے خالی نہ ہو۔ یہی وہ "میسر" ہے جس کا ذکر قرآن نے شراب، تھانوں اور پانسوں کے حرام قرار دینے ساتھ کیا ہے۔ ❶ حدیث نبوی ہے۔ ''جو اپنے ساتھی سے کہے کہ آؤ ہم جُوا کھیلیں اسے چاہیے کہ صدقہ کرے۔'' ❷

یعنی مجرد جُوئے کی طرف بلانا بھی گناہ ہے جس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ شخص صدقہ کرے۔ چوسر کا کھیل بھی اسی قبیل سے ہے۔ جب اس کے ساتھ جُوا بھی لگا ہوا ہو تو باتفاق رائے حرام ہے۔ اور اگر اس میں جُوا شامل نہ ہو تو علماء کے ایک گروہ کے نزدیک حرام ہے جبکہ بعض اسے حرام نہیں بلکہ مکروہ کہتے ہیں۔ جو علماء حرمت کے قائل ہیں ان کی دلیل سیّدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِشِيْرِ فَكَأَنَّمَا صَبَغَ يَدَهُ فِي لَحْمِ خِنْزِيْرٍ وَدَمِهِ))❸

''جس نے نردشیر (چوسر) کا کھیل کھیلا اس نے گویا اپنے ہاتھ خنزیر کے گوشت اور اس کے خون میں رنگ لیے۔''

اور سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ))❹

---

❶ سورة المائدة: ٩٠'٩١ .

❷ بخاري' كتاب الايمان: باب لايحلف باللات والعزى' ح:٦٦٥٠- مسلم' كتاب الايمان: باب من حلف باللات والعزى' ح:١٦٤٧-

❸ مسند احمد (٥/ ٣٥٢) - مسلم' كتاب الشعر : باب تحريم اللعب بالنرد ح:٢٢٦٠-

❹ مسند احمد (٤/ ٣٩٤) - ابوداود' كتاب الادب: باب في النهي عن اللعب بالنرد' ح/ ٤٩٣٨)، ابن ماجه' كتاب الادب: باب اللعب بالنرد' ح:٣٧٦٢،

''جس نے چوسر کا کھیل کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔''

یہ دونوں حدیثیں اپنے مضمون میں صریح ہیں اور ہر چوسر کھیلنے والے پر منطبق ہوتی ہیں' خواہ اس میں جوئے کا عنصر شامل ہو یا نہ ہو۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''منقول ہے کہ ابن مغفل اور ابن مسیب نے چوسر کے کھیل کو' جو جوئے سے خالی ہو' جائز کہا ہے۔'' (نیل الاوطار: ۸۔۱۰۷) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مذکورہ احادیث کو جوئے کے کھیل پر محمول کیا ہے۔

شطرنج کا کھیل

کھیل کی ایک مشہور قسم شطرنج ہے' جس کے حکم کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ کوئی جواز کا قائل ہے تو کوئی کراہت کا اور کسی کے نزدیک حرام ہے۔

جو فقہاء حرمت کے قائل ہیں' وہ نبی ﷺ کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں' لیکن ناقدینِ حدیث نے ان احادیث کو ردّ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شطرنج کا وجود صحابہ کے زمانہ سے پہلے نہ تھا' اس لیے جو حدیثیں بھی اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں وہ باطل ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس معاملہ میں مختلف الرائے تھے۔ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''یہ چوسر سے بدتر ہے۔'' ❶ اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''یہ جوئے کی ایک قسم ہے۔'' ❷ (غالباً آپ کی مراد اس شطرنج سے ہے جس میں جوا شامل ہو) اور بعض صحابہ سے کراہت بھی منقول ہے۔

لیکن بعض صحابہ اور تابعین سے اس کا جواز منقول ہے مثلاً ابن عباس' ابو ہریرہ' ابن سیرین' ہشام بن عروہ' سعید بن مسیّب اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم۔ ❸

راقم السطور کی رائے بھی ان اصحاب ہی کے مسلک کے مطابق ہے یعنی اس معاملہ میں اصل جواز ہے۔ اور کوئی نص ایسی وارد نہیں ہوئی ہے جو حرمت پر دلالت کرتی ہو۔ علاوہ ازیں اس میں ذہنی ورزش اور فکری تربیت کا سامان بھی ہے۔ اس لیے اس کو چوسر سے مختلف سمجھنا چاہیے۔ اور اسی بنا پر ان اصحاب کا کہنا ہے کہ چوسر کی خصوصیت محظوظ ہونا ہے، اس لیے وہ پانسوں سے مشابہ ہے' لیکن شطرنج کی خصوصیت ذہانت و تدبیر ہے اس لیے وہ تیر

❶ تفسير الدر المنثور (۳/ ۱۶۹). ❷ تفسير الدر المنثور (۳/ ۱۶۸)

❸ للتفصيل نيل الاوطار ۸/ ۱۰۷۔۱۰۸۔

اندازی سے مشابہ ہے۔

جو حضرات جواز کے قائل ہیں وہ تین شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں:

① اس کی وجہ سے نماز اپنے وقت سے مؤخر نہ ہونے پائے (فرض فوت نہ ہو)۔ کیونکہ اس میں سب سے بڑا خطرہ نماز کے اوقات کی پابندی نہ کرنے ہی کا ہے۔

② اس میں جوا شامل نہ ہو۔ ❶

❶ مصنف کا شطرنج کو کسی بھی شرط کے ساتھ مشروط کر کے یا بلا شرط جائز قرار دینا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ عبداللہ بن نافع کہتے ہیں: ''ہمارے تمام علماء اس (شطرنج) کو برا سمجھتے تھے۔'' [شعب الایمان: ۵/۲۴۳، حدیث: ۶۵۲۸] سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو شطرنج کھیلتے دیکھا تو فرمایا: ''کوئلے کو اس کے بجھنے تک ہاتھ میں تھامے رکھو، یہ تمھارے لیے شطرنج کھیلنے سے بہتر ہے۔'' اور آپ رضی اللہ عنہ نے شطرنج کھیلنے والوں سے کہا تھا: ''تم اس کام کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ نے غصے کی شدت میں شطرنج کھیلنے والوں کے چہروں پر تھپڑ مار کر انہیں سزا دینے کی خواہش کا اظہار بھی کیا تھا۔'' سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ شطرنج کھیلنے کو برا سمجھتے تھے۔'' [سنن البیہقی الکبریٰ: ۱۰/۲۱۲] امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے شطرنج کھیلنے والے کی گواہی کو رد کر دینا بہتر خیال کیا ہے۔ [شعب الایمان: ۵/۲۴۳، حدیث: ۶۵۲۷] شطرنج کھیلنا وقت کا ضیاع ہے۔ مومن ایسی فضول کھیلوں سے گریز کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہتر اسلام کی علامت یہی ہے کہ انسان فضول کاموں کو چھوڑ دے۔'' [سنن الترمذی: کتاب الزہد، باب فیمن تکلم بکلمۃ... (باب)، حدیث: ۲۳۱۸] وقت کو غیر ضروری امور میں ضائع کرنا مومن کی شان نہیں۔ لہٰذا ایسی کھیلوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ مصنف نے شطرنج کو ذہنی ورزش کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اور نماز وغیرہ کے وقت کا خیال رکھنے کی شرط کے ساتھ مشروط کر کے جائز قرار دیا ہے۔ جبکہ یہ دونوں باتیں غلط اور باطل ہیں۔ اگر شطرنج میں ذہنی ورزش یا کسی بھی قسم کا مثبت ومفید پہلو موجود ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی شدید الفاظ میں مذمت کر کے کبھی اس سے منع نہ کرتے۔ اور مصنف نے تو یہ بھی موقف اپنایا ہے کہ اس کھیل سے نماز کے اوقات میں تاخیر کا خدشہ ہوتا ہے لہٰذا اگر نمازوں کے اوقات کا خیال رکھا جائے تو شطرنج کھیلنا جائز ہے۔ ...... واہ سبحان اللہ...... پھر تو مصنف کے پاس بہت سی بدعنوانیوں، بری عادات اور اخلاقی وسماجی برائیوں کی ایک لمبی فہرست موجود ہوگی جن کو صرف اس شرط پر جائز قرار دیا ہوگا کہ تم یہ برائیاں بھی کرتے جاؤ اور صحیح وقت پر نماز کی ادائیگی کا بھی خیال رکھو تو کوئی حرج نہیں۔ ...... انا للہ وانا الیہ راجعون...... حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو تفریحی امور سے لطف اندوز ہونے کے مواقع فراہم کرتا اور صحت مند و تربیتی کھیلوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن ایسے تفریحی کھیلوں کی یقیناً حوصلہ شکنی کرتا ہے جو انسان کو سست، کاہل، نکما اور ایمانی جذبات میں سرد کر دیں۔ اور عبادت وذکرِ الٰہی سے دور کر دیں۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ اسلام کسی بھی کھیل کو محض اس لیے حرام قرار نہیں دیتا کہ اس سے نمازوں کے اوقات متاثر ہوں گے، یا انسان عبادات کو بروقت ادا کرنے میں کاہلی کرے گا۔ بلکہ جو کھیل اسلام میں ممنوع، حرام یا برا تصور کیا جاتا ہے اس میں اور بھی بہت سی حکمتیں پنہاں ہوتی ⇐

(۳) کھیلنے والا کھیل کے دوران اپنی زبان کو فحش اور بدکلامی سے محفوظ رکھے۔

اگر ان میں سے کسی ایک شرط کی بھی پابندی نہ کی جائے تو یہ کھیل حرام ہوگا۔

گانا اور موسیقی

کھیل کی ایک قسم ایسی ہے جو نفس کے لیے باعثِ سکون' دل کے لیے خوش کن اور کانوں میں رس گھولنے والی ہے۔ اور وہ ہے گانا۔ ❶ اسلام نے اس کو مباح قرار یا ہے بشرطیکہ وہ فحش' بدکلامی یا گناہ پر ابھارنے والی باتوں پر مشتمل نہ ہو۔ اگر اس کے ساتھ ایسی موسیقی ہو جس سے جذبات برانگیختہ نہ ہوتے ہوں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ ❷

⇐ ہیں۔ شطرنج اور اس کی طرح کے دیگر کھیلوں میں مشغول رہنے والا شخص کبھی بھی نمازوں یا دیگر عبادات کے اوقات کا لحاظ نہیں کرتا اور ان کھیلوں میں بہت حد تک جوا بھی لازماً شامل ہوتا ہے۔ جو کہ اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ بالفرض ہم مصنف کی عائد کردہ شروط کو ایک لمحے کے لیے قبول کر کے شطرنج وغیرہ کو جائز قرار دے دیں تو پھر بھی یہ بات ذہن نشیں رکھنی چاہیے کہ جو عمل عرف عام یعنی سمجھدار، معزز اور سنجیدہ لوگوں میں بالخصوص اور عوام الناس کی نظر میں بالعموم برے اور آوارہ منش لوگوں کی طرف منسوب کیا جائے اسے کھیلنا یا اس کے کھیلے جانے کی محفل میں بیٹھنا بھی ناجائز و نامناسب ہے۔ [امان اللہ عاصم]

❶ گانے کے بارے میں غامدی نظریات اور اس جیسے لوگوں کی تردید کے لیے مولانا ارشاد الحق اثری کی کتاب ''اسلام اور موسیقی'' ملاحظہ کریں۔ .... کا موقف برحق ہے۔

❷ مصنف نے موسیقی کو جائز قرار دینے کے لیے خود ساختہ اصول بیان کیے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے تحت جائزہ لیا جائے تو یہ تمام اصول باطل، بے بنیاد اور شیطانی جذبات کو تقویت دینے والے ہیں۔ مصنف کا یہ کہنا ہے کہ گانا نفس کو سکون اور دل کو خوشی دینے والا کھیل ہے۔ اسلام نے اسے مباح قرار دیا ہے۔ ہم یہاں گزارش کریں گے کہ گانے کو اگر اس وجہ سے جائز قرار دیا جائے کہ اس سے دل کو سکون ملتا ہے تو مصنف کہاں تک دوڑیں گے؟ اگر کوئی آدمی چوری کرنے میں دلی سکون محسوس کرتا ہے تو کیا مصنف اسے بھی جواز کا فتوی دینے کو تیار ہیں؟ کوئی قتل کرنے، زنا کرنے، لڑائی جھگڑا کرانے میں خوش رہتا اور دلی سکون محسوس کرتا ہے تو فاضل مصنف ان کے بارے کیا ارشاد فرمائیں گے؟ کیا ان کو بھی ''...کوئی حرج نہیں ہے'' کا فتوی دیں گے؟ اسلام ہمارے رجحانات یا ہمارے شوق کے مطابق حکم صادر نہیں کرتا اور نہ ہی کسی چیز کو محض اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیتا ہے کہ اس کے کرنے والے کو اگر قلبی سکون ملے تو اس کام کا کرنا جائز ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسانی روح کی غذا اور قلبی سکون صرف اور صرف اللہ کی یاد اور ذکر میں ہے۔ [سورۃ الرعد:۱۳/۲۸] اور گانا گانے جیسے قبیح فعل کو اسلام کی طرف منسوب کر کے اس کے مباح ہونے کا فتوی دینا تو انتہا درجہ مذموم جسارت ہے۔ گانا گانے کو مطلقاً جائز کہنا علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ جن مواقع کو سامنے رکھتے ہوئے جواز کی صورت نکالی جاتی ہے۔ وہ اپنی نوعیت کے مخصوص مواقع ہیں۔ انہی ⇐

خوشی کے مواقع پر اظہارِ مسرت کے لیے یہ چیزیں پسندیدہ ہیں۔ مثلاً: عید' مہمان کی آمد' ولیمہ' عقیقہ اور بچوں کی ولادت وغیرہ کے موقع پر۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

⇐ واقعات کی روشنی میں چند حدود و قیود بھی سامنے آتی ہیں۔ یعنی کسی موقع پر کم سن بچیاں کچھ گنگناتی ہیں تو کسی موقع پر صرف خواتین کی خالص مجلس ہے؛ جہاں مردوں کا دور دور تک تصور نہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۹۴۹، ۹۵۲، ۹۸۷، ۲۹۰۶، ۳۵۲۹ اور دیگر کتب احادیث کی صحیح روایات میں مذکور ہے۔ اور وہ بچیاں باقاعدہ مغنیات (گانے والیاں، گلوکارائیں) نہیں تھی۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے۔ [دیکھئے: صحیح بخاری، حدیث:۹۵۲، صحیح مسلم، حدیث:۸۹۲، ابن ماجہ، حدیث:۱۸۹۸] یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ وہ کون سے کلمات تھے جو وہ بچیاں گا رہی تھیں۔ گانے کو اس کی حدود سے اگر متجاوز کریں گے تو مرد وزن کا اختلاط، بے ہودہ شاعری، فحش اشارے اور بے حیائی کے حالات کا واقع ہونا لازمی نظر آتا ہے۔ ان تمام تر مفاسد کے پیش نظر اسلام نے کہیں ایسا تصور بھی نہیں دیا کہ بالغ خواتین اور مرد گانے کی محفلیں سجاتے پھریں۔ صحیح بخاری اور دیگر کتب احادیث میں مذکور ہے کہ وہ گانے والی نابالغ بچیاں تھیں اور شہداء بدر کی بہادری کے اشعار پڑھ رہی تھیں۔ ایک بچی نے یوں کہہ دیا کہ ہمارے درمیان ہمارے نبی ﷺ موجود ہیں جو کل (مستقبل) کے حالات جانتے ہیں تو اس بچی کو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہ بات مت کہو، جو پہلے کہہ رہی تھی (یعنی شہداء کی بہادری بیان کر رہی تھی) وہی بات کہو۔'' [صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح والولیمة، حدیث:۵۱۴۷] مزید وضاحت کے لیے اور گانے کو جائز قرار دینے والوں کے دلائل کا جائزہ اور حقیقت مسئلہ جاننے کے لیے محقق دوراں، فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی کتاب ''اسلام اور موسیقی'' کا مطالعہ ضرور کیجیے۔ علامہ یوسف قرضاوی کا یہ کہنا بھی قابل مذمت ہے کہ ''اگر اس (گانے) کے ساتھ ایسی موسیقی ہے جس سے جذبات برانگیختہ نہ ہوتے ہوں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔'' نہ جانے یہ کہاں سے اخذ شدہ اصول ہے۔ مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ چھوٹی بچیاں اگر کسی خوشی کے موقع پر دف بجانے کا اہتمام کر لیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن گانے کا جواز ثابت کرتے کرتے موسیقی کو بھی جائز قرار دینے کی جرأت تو بہر حال قابلِ مذمت، بے بنیاد اور بیمار دل کی خام خیالی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا اور طبلے سارنگیاں (یعنی آلات موسیقی کا استعمال) تمھارے لیے حرام قرار دیا ہے۔'' [سنن ابی داؤد: کتاب الأشربة، باب في الأوعية، حدیث:۳۶۹۶] ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں زمین میں دھنسنا اور شکلیں بدلنا جیسے عذاب آنے لگیں گے۔'' ایک صحابی نے پوچھا: آقا! ایسا کب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب گانا گانے والی گلوکارائیں، ڈھول، طبلے (یعنی میوزیکل پروگرامز) اور شراب نوشی عام ہوجائے گی۔'' [سنن الترمذی: کتاب الفتن، باب علامة حلول المسخ والخسف، حدیث:۲۲۱۲] موسیقی کو حلال قرار دینا نبی کریم ﷺ کے فرمان کی کھلم کھلا مخالفت ہے۔ اس لیے قارئین اس بات سے باخبر رہیں کہ آلاتِ موسیقی کسی صورت بھی جائز نہیں ہیں۔ ان کا استعمال حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے۔ اور مصنف نے خود ساختہ شرائط کے تحت موسیقی کو جائز قرار دے کر گلوکاراؤں اور میوزک ⇐

ایک عورت کی انصار کے ایک شخص سے شادی ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((یَا عَائِشَةُ مَا کَانَ مَعَهُمْ مِنْ لَهْوٍ؟ فَإِنَّ الْاَنْصَارَ یُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ)) ❶

''اے عائشہ! ان کے ساتھ لہو (تفریح طبع کا کوئی سامان) نہیں ہے؟ کیونکہ انصار لہو کو پسند کرتے ہیں۔''

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک قرابت دار انصاریہ کی شادی کر دی۔ نبی ﷺ تشریف لائے تو فرمایا: ''دلہن کو تم نے روانہ کر دیا؟'' لوگوں نے کہا: جی ہاں! فرمایا: ''اس کے ساتھ کسی ایسی لڑکی کو نہیں بھیجا جو گائے؟'' عرض کیا: نہیں۔ فرمایا:

((إِنَّ الْاَنْصَارَ قَوْمٌ فِیهِمْ غَزَلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا مَنْ یَقُوْلُ: اَتَیْنَاکُمْ اَتَیْنَاکُمْ فَحَیَّانَا وَحَیَّاکُمْ)) ❷

''انصار کو گانے کا شوق ہے' اس لیے اگر تم اس کے ساتھ کسی ایسی لڑکی کو بھیج دیتے جو یہ گاتی تو اچھا ہوتا' ہم تمہارے پاس آئے' ہم تمہارے پاس آئے۔ اللہ ہمیں بھی زندہ رکھے اور تمہیں بھی۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے تو دو لڑکیاں ایامِ منیٰ میں کچھ گا بجا رہی تھیں اس حال میں کہ نبی ﷺ کپڑا اوڑھے لیٹ گئے تھے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹا تو نبی ﷺ نے اپنے چہرہ سے کپڑا ہٹا لیا اور فرمایا: ''ابو بکر! انہیں چھوڑ دو کیونکہ یہ عید کے دن ہیں۔'' ❸

⇐ انڈسٹریز کو تقویت و آوارگی اور صنف مخالف کی آوازوں کو مزے لے لے کر سننے والوں کو بے حیائی کی راہوں میں مشغل مہیا کرنے کی سعی ناتمام کی ہے۔ موسیقی شیطانی عمل ہے اور شیطان کی ہمہ وقت کوشش انسانوں کو اللہ کے ذکر سے دور کرنا اور لہو ولعب میں مشغول رکھنا ہے۔ موسیقی اور گلوکارہ کی آواز کا امتزاج بے حیائی کا پیش خیمہ اور اخلاقی برائیوں کی داعیہ ہے۔ [ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ]

❶ بخاری' کتاب النکاح: باب النسوة التی یهدین المرأة ح:٥١٦٢۔

❷ ابن ماجه' کتاب النکاح: باب الغناء الدف ح:١٩٠٠۔

❸ بخاری' کتاب العیدین: باب الحراب والدرق یوم العید' ح: ٩٤٩۔ مسلم' کتاب صلاة العیدین: باب الرخصة فی اللعب الذی لا معصیة فیه' ح:٨٩٢۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں مذکورہ حدیث اور حبشیوں کے مسجد میں کھیل والی حدیث، نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیوں کی حدیث بیان کرنے کے بعد لکھا ہے' کہ یہ سب حدیثیں صحیحین کی ہیں اور اس بات کا صریح ثبوت ہیں کہ گانا اور کھیل حرام نہیں ہے اور احادیث یہ جواز پر دلالت کرتی ہیں :

① پہلی بات یہ ہے کہ یہ ایک کھیل تھا اور حبشی لوگ رقص ولعب کے عادی ہوتے ہیں۔

② دوسری بات یہ ہے کہ اس فعل کا صدور مسجد میں ہوا۔

③ تیسری بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے بنی رافدہ! اپنا کھیل جاری رکھو۔'' جب کھیل کو جاری رکھنے کا حکم دیا گیا تھا تو وہ کس طرح حرام ہوگا؟

④ حقیقی بات یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکنے سے منع فرمایا اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ یہ عید کا دن ہے، یعنی وقت سرور ہے اور یہ اسباب سرور میں سے ہے۔

⑤ پانچویں بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشیوں کے کھیل کا مشاہدہ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دیر تک کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں اور بچوں کو کھیل وکود دکھا کر ان کے دلوں کو خوش کرنا حسنِ اخلاق ہے۔ اور زہد وتقشف کی سختی اختیار کر کے اس سے رک جانے اور روکنے سے بہتر ہے۔

⑥ چھٹی بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابتداء میں یہ فرمایا: ''کہ کیا تم اسے دیکھنا پسند کرتی ہو؟ [1]

⑦ ساتویں بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں کو گانا گانے اور دف بجانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے کتاب السماع میں ان تمام باتوں کا ذکر کیا ہے۔ [2]

بہ کثرت صحابہ وتابعین سے روایت ہے کہ وہ گانا سنتے لیکن اس میں کوئی حرج محسوس

[1] پردہ کا ضروری تقاضا یہ ہے کہ خواتین نابینا افراد کے سامنے بھی اپنی زینت ظاہر نہ کریں۔

[2] احیاء العلوم: ۲/ ۲۷۵ـ۸۷۷.

نہیں کرتے تھے۔ ❶ رہیں اس سلسلہ کی احادیث تو وہ سب مجروح ہیں اور کوئی حدیث بھی ایسی نہیں ہے کہ علماء اور فقہائے حدیث نے اس پر کلام نہ کیا ہو۔ قاضی ابوبکر ابن العربی کہتے ہیں: ''گانے کی حرمت سے متعلق کوئی حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔'' ❷ اور ابن حزم کہتے ہیں:

''اس سلسلہ کی تمام روایتیں باطل اور موضوع ہیں۔'' ❸

❶ مصنف (یوسف قرضاوی) کا یہ کہنا سراسر بے بنیاد اور جھوٹ ہے کہ صحابہ وتابعین گانا سنتے تھے اور اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ پر بے ہودہ الزام ہے۔ جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل یہ تھا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک موقع پر گانے کی آواز سنی تو فوراً اپنے کانوں میں انگلیاں لے لیں۔ اور اس جگہ سے کچھ ہٹ کر چلنے لگے اور نافع رحمہ اللہ سے پوچھا: ''کیا تمھیں گانے کی آواز سنائی دے رہی ہے؟'' انہوں نے کہا: نہیں۔ تو پھر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے کانوں سے انگلیاں نکالیں۔ [سنن ابی داؤد: کتاب الادب، باب کراهية الغناء والزمر، حدیث:٤٩٢٤] ڈرنا چاہیے کہ ان نفوسِ قدسیہ پر اس طرح کا بیہودہ الزام لگانا اللہ تعالیٰ کے ہاں شدید گرفت کا باعث ہے۔ مصنف کا قول دلیل سے بالکل خالی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا اور طبلے سارنگیاں (یعنی میوزک) تمھارے لیے حرام قرار دیا ہے۔'' [سنن ابی داؤد: کتاب الأشربة، باب في الأوعية، حدیث: ٣٦٩٦، علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے] جس عمل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس عمل کو کسی صورت جائز نہیں سمجھ سکتے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہتان ہے۔

[ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ]

❷ مصنف کا یہ کہنا کہ ساز وموسیقی کی حرمت کے دلائل کمزور اور مجروح ہیں، محل نظر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موسیقی کی حرمت اور مذمت میں آیات قرآنیہ کے ساتھ ساتھ صحیح احادیثِ نبویہ بھی موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ ...'' [لقمان:٣١/٦، ٧] (اور لوگوں میں جو انسان بیہودگی کا سامان خریدتا ہے...) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس آیت میں ''لهو الحدیث'' سے مراد گانا بجانا ہے۔'' [تفسیر ابن کثیر: ٦/ ٣٣٠، تحقیق سامی بن محمد سلامه۔ تفسیر الطبری: ٢٠/ ١٢٧۔ مستدرك حاكم: ٢/ ٤٤٥، حدیث: ٣٥٤٢] ایک روایت میں یوں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب، ڈھولک اور طنبورہ (آلاتِ موسیقی) حرام قرار دیے ہیں۔ [مسند احمد: ٣/ ٤٢٢، حدیث: ١٥٤٨١] رہی بات گانا سننے کی تو اس کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل پیش کر کے واضح کرنا چاہیں گے کہ جس چیز (آواز) کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سننا پسند نہیں کی اسے برا جانا، اس آواز کو سننا کس بنیاد پر ہم جائز قرار دیتے ہیں؟ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رستے سے گزر رہے تھے کہ کسی جانب سے گیتوں کی آواز آنے لگی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کانوں میں انگلیاں کر لیں۔'' [سنن ابی داود: کتاب الادب، باب کراهية الغناء والزمر، حدیث: ٤٩٢٤، علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے] گانا عشق ومستی اور بے ہودگی کا مرکب ہوتا ہے۔ یہ شیطانی عمل ہے۔ اس لیے گانا گانے والے اور سننے والے برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ کیونکہ دونوں ہی شیطان کو خوش کرنے کی ⇐

اکثر گانے اور موسیقی کا استعمال عیش وعشرت کے موقع پر، شراب کی محفلوں اور شب بیداری کی مجلسوں میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے علماء اسے حرام یا مکروہ کہتے ہیں۔ ❶ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ گانا "لهو الحديث" میں شامل ہے جس کا ذکر قرآن میں اس طرح ہوا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾ (لقمان : ٣١/ ٦)

"اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو "لهو الحديث" خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے بغیر علم کے بھٹکا دیں اور اس راستہ کا مذاق اڑائیں۔ ایسے لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔"

ابن حزم کہتے ہیں: "جو شخص "لہو الحدیث" کا مرتکب ہو اس کا وصف آیت نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ کافر ہے، جبکہ وہ اللہ کی راہ کو مذاق بنالے تو بلا اختلاف کافر ہے۔ ❷ اور اگر وہ کوئی کتاب خرید کر لوگوں کو گمراہ کرے اور اللہ کی راہ کا مذاق اڑائے تو بھی کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کی مذمت کی ہے اور اس شخص کی ہرگز مذمت نہیں کی ہے جو "لہو الحدیث" کو گمراہ کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ کھیلنے کی غرض سے خریدے اور اس سے خوش طبعی کا سامان کرے۔

⇐⇐ کاوش کر رہے ہوتے ہیں۔ جبکہ مومن کو زیب نہیں دیتا کہ ایسے کام کے قریب بھی جائے جس سے شیطان راضی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ناراض ہو۔ [ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ]

❸ ان تمام روایات کی صحت اور گانے کے جواز کو کشید کرنے والوں کی روایات کا مولانا اثری صاحب نے تفصیلی محاکمہ کیا ہے۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ)

❶ مصنف کا یہ کہنا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے، چونکہ گانے اور موسیقی کا استعمال عیش وعشرت اور شراب کی محفلوں میں ہوتا ہے اس لیے علماء اسے حرام قرار دیتے ہیں۔ یہاں ہم گزارش کریں گے کہ گانا اور موسیقی شراب کی محفلوں کا حصہ ہونے کی وجہ سے حرام نہیں ہے۔ بلکہ اس کی حرمت کے دلائل و براہین جو اسلام نے ہمیں دیے ہیں ان کی بنیاد پر حرام ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا اور طبلے سارنگیاں (یعنی میوزک) تمھارے لیے حرام قرار دیا ہے۔" [سنن ابی داود: كتاب الأشربة، باب في الأوعية، حديث: ٣٦٩٦، علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے] اس حدیث کے تحت یہ بات واضح ہے کہ گانا اور موسیقی شراب کی طرح حرام ہیں نہ کہ شراب کی وجہ سے حرام ہیں۔ موسیقی کے ساتھ شراب نوشی کی جائے یا نہ کی جائے ہر حال میں یہ ممنوع اور حرام ہے۔ [ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ]

❷ "لهو الحديث" کی جو تفسیر یہاں بیان کی گئی ہے محل نظر ہے۔ درحقیقت ابن حزم رحمہ اللہ گانے ⇐⇐

ابن حزم نے ان لوگوں کی تردید میں' جو کہتے ہیں کہ گانا جب حق نہیں ہے تو وہ لازماً گمراہی ہے' لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے ❶'' لہٰذا جس نے گانا اس نیت سے سنا کہ اس سے گناہ کے کام میں مدد ملے تو وہ فاسق ہے اور جس نے خوشِ طبعی کی نیت سے سنا تاکہ اطاعت الٰہی کے کاموں کو تقویت پہنچے اور نیکی کے کاموں سے دلچسپی پیدا ہو تو اس کا یہ فعل مبنی بر حق ہے۔❷ اور جو شخص نہ اطاعت کی نیت سے سنے اور نہ معصیت کی نیت سے، تو وہ لغو کے حکم میں ہے' جو معاف ہے۔ ایسے شخص کا معاملہ اس شخص کا سا ہے جو تفریحاً باغ کی سیر کے لیے نکل پڑے' یا اپنے دروازہ کے پاس تماش بین بن کر بیٹھ جائے۔❸

- تاہم گانے کے معاملہ میں درج ذیل قیود کو لازماً ملحوظ رکھنا چاہیے:

⇐ (گیت، شاعری) کے جواز کے قائل تھے جس کی بناء پر یہ قول ہے کہ جو مصنف نے بیان کیا ہے۔ جبکہ جملہ مفسرین نے اصحابِ رسول ﷺ سے لہو الحدیث کے تحت گانے اور اس کے معاون آلات کی حرمت بیان کی ہے۔ تفصیل کے لیے تفاسیر اور محقق دوراں فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری ﷾ کی کتاب ''اسلام اور موسیقی'' کا مطالعہ مفید ہے۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی ﷾)

❶ بخاري' كتاب بدء الوحي: باب كيف كان بدء الوحي ال رسول ﷺ صع' ح١۔ مسلم' كتاب الامارة: باب قول النبي ﷺ انما الاعمال بالنية: ح ١٩٠٧

❷ امام ابن حزم ﷫ کا یہ قول باطل ہے۔ گانا اپنی کسی بھی نوعیت میں ہو، بہر حال اللہ تعالیٰ کی اطاعت ویاد سے غافل کرتا ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے جو چیز اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہو وہ چیز اطاعت الٰہی کے امور میں تقویت کا سبب بنتی ہو؟ ....انا للہ وانا الیہ راجعون.... اللہ تعالیٰ تو قرآن سننے کا حکم دیتے ہیں اور اسی کو سکونِ قلب اور خوشِ طبعی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ گانا دلوں کو یادِ الٰہی سے دور کرتا ہے، گانا سننے والوں کے دل مردہ ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے تو موسیقی اور گیت سنگیت کے رسیا اور شوقین لوگ کبھی بھی قرآن کو خوش دلی سے نہیں سنتے۔ ایک طرف اذان کی آواز پر لبیک کہنے والے مساجد کا رخ کرتے ہیں تو دوسری طرف گیت سننے والا اپنے شوق اور دھن میں مصروف فحش گلوکاراؤں کے گیت سن رہا ہوتا ہے۔ نہ جانے ابن حزم ﷫ وغیرہ نے کس بنا پر یہ سمجھ لیا کہ گیت سننے سے اطاعت الٰہی کے کاموں کو تقویت ملتی ہے۔ ابن حزم ﷫ کا یہ قول کہ ان کے اپنے موقف کی بنا پر ہے کیونکہ وہ گانے بجانے کو مباح قرار دیتے تھے۔ لیکن درحقیقت ان کا یہ موقف شرعی دلائل کی روشنی میں باطل اور بے بنیاد ہے۔ [ابوالحسن مبشر احمد ربانی ﷾]

❸ افسوس اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ابن حزم ﷫ قیاس کے قائل نہ ہونے کے باوجود قیاس کر رہے ہیں۔ ان کا یہ قیاس بالکل باطل ہے کہ جو انسان گانے کو نہ تو اطاعت کی نیت سے سنے اور نہ ہی معصیت کی نیت سے، تو ⇐

① گانے کا موضوع (الفاظ وکلمات) اسلام کی تہذیب اور اس کی تعلیم کے خلاف نہ ہو۔ مثال کے طور پر اگر گانے میں شراب کی تعریف کی گئی ہو یا اس کے پینے کی ترغیب موجود ہو تو ایسے گانے کو گانا بھی حرام ہوگا اور سننا بھی۔ وعلی ھذا القیاس۔

② کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گانے کا موضوع اسلام کی ہدایت کے خلاف نہیں ہوتا لیکن گانے کا طریقہ ایسا ہوتا ہے جو اس کو دائرہ حلت سے نکال کر دائرہ حرمت میں لے آتا ہے۔ مثلاً نازوادا کے ساتھ گانا' غیر اخلاقی انداز اختیار کرنا، نیز جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والے' فتنہ پرور اور شہوت انگیز طور طریقے اختیار کرنا وغیرہ۔

③ جس طرح دین ہر چیز میں غلو اور زیادتی کا مخالف ہے حتی کہ عبادت کے معاملہ میں بھی' اسی طرح لہو ولعب کے معاملہ میں بھی وہ زیادتی کا سخت مخالف ہے۔ اس میں زیادہ وقت صرف کرنا صحیح نہیں' جبکہ وقت سرمایۂ حیات ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جائز چیزوں میں اسراف کرنے سے واجبات کی ادائیگی کے لیے وقت کا بہت حرج ہو جاتا ہے اس لیے بجا طور پر کہا گیا ہے' ''میں نے اسراف کو اس حال میں دیکھا کہ اس کے پاس حق ضائع ہو رہا تھا۔''

④ بعض گانے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ سننے والا خود اپنے نفس سے فتویٰ پوچھ سکتا ہے۔ اگر گانا ایسا ہو کہ جس سے اس کے جذبات برانگیختہ ہو رہے ہوں اور اس کو فتنہ پر ابھارا جا رہا ہو' نیز روحانیت کے مقابلہ میں حیوانیت کا غلبہ ہو رہا ہو' تو ایسی صورت میں اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور اس دروازہ کو بند کرنا چاہیے جس سے فتنہ کی ہوا اس کے دل' دین اور اخلاق کی طرف چلے۔

⑤ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ گانے کے ساتھ اگر کوئی حرام چیز شامل ہو جائے'

⇐⇐ وہ لغو کے حکم میں ہے جو کہ معاف ہے۔ انہوں نے اسے اس شخص پر قیاس کیا ہے جو باغ کی سیر کے لیے نکل پڑے اور دروازے پر تماش بین بن کر بیٹھ جائے۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ ایک حرام کام کو جائز کام پر قیاس کر کے اسے بھی جائز کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حالانکہ یہ قیاس فی نفسہ فاسد اور باطل ہے۔ سنگیت ہر صورت میں ناجائز ہے۔ [ابوالحسن مبشر احمد ربانی ﷾]

مثلاً شراب' یا عیاشی اور بد اخلاقی کے قسم کی کوئی چیز تو ایسی صورت میں گانا حرام ہوگا۔ اس سلسلہ میں نبی ﷺ نے سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((لَيَشْرَبَنَّ أُنَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اِسْمِهَا يُعْرَفُ عَلَى رُؤُوْسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّيَاتِ يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ)) ❶

"میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام تبدیل کردیں گے۔ ان کے سروں پر ساز بجائے جائیں گے۔ اور گانے والیاں گانے گائیں گی۔ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے بعضوں کو بندر اور خنزیر بنائے گا۔"

ضروری نہیں کہ یہ مسخ شکل وصورت کا ہی ہو' بلکہ یہ نفس اور روح کا بھی ہو سکتا ہے یعنی انسان کے قالب میں بندر کا نفس اور سور کی روح ہوگی۔ ❷

جوا شراب کا ساتھی ہے

اسلام نے جہاں مختلف قسم کے کھیل جائز ٹھہرائے ہیں وہاں ہر ایسے کھیل کو حرام قرار دیا ہے جس میں جوا شامل ہو' یعنی کھیل نفع یا نقصان سے خالی نہ ہو۔

جوئے کو جس طرح کسب مال کا ذریعہ بنانا جائز نہیں اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ اس کو

❶ ابن ماجه' كتاب الفتن: باب العقوبات' ح: ٤٠٢٠۔ ورواه ابوداود فی كتاب الاشربة : باب فی ح:٣٦٨٨' ٣٦٨٩ مختصراً.

❷ واضح رہے کہ مؤلف نے گانے کو جو مباح قرار دیا ہے وہ ایسی شرائط کے ساتھ مشروط ہے جو نہایت کڑی ہیں ہمارے ملک میں جو گانے مروج ہیں یعنی جو فلمی گانے ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ نشر کیے جاتے ہیں وہ نہ مذکورہ شرائط کے مطابق ہیں اور نہ ان کے جواز کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ فحش اور بے حیائی کی اشاعت کا بہت بڑا ذریعہ ہیں اور اخلاق کے لیے حد درجہ تباہ کن ہیں۔ علاوہ ازیں بے شرمی کی انتہا یہ ہے کہ خوش گلو عورتیں گانا گا کر مردوں کو محظوظ اور مسحور کرتی ہیں جبکہ اسلام اخلاق وعصمت عفت کے معاملہ میں اس قدر حساس ہے کہ اسے عورتوں کا لوچ کے ساتھ بات کرنا بھی گوارا نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن نے صراحت کے ساتھ ممانعت کی ہے۔ اسی طرح اجنبی عورت کی آواز سے محظوظ ہونے کو اسلام زنا سے تعبیر کرتا ہے لہٰذا اس قسم کے گانوں کی حرمت بالکل واضح ہے۔ (مترجم)

کھیل اور تفریح اور وقت گزاری کا ذریعہ بنایا جائے۔

اس حرمت کی پشت پر حکمت بالغہ اور عظیم مقاصد کارفرما ہیں:

1. اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان اکتسابِ مال کے سلسلہ میں سنن الٰہی کا متبع ہو اور نتائج کو اسباب کے ذریعہ حاصل کرے۔

جوا، جس کی ایک قسم لاٹری ہے، انسان کو بخت و اتفاق اور خالی آرزوؤں پر بھروسہ کرنا سکھاتا ہے۔ عمل، جدوجہد اور ان اسباب پر بھروسہ کرنا نہیں سکھاتا جنہیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے اور انہیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

2. اسلام انسان کے مال کو محترم ٹھہراتا ہے اور اس کو لینے کی جائز صورت یہ ہے، کہ یا تو جائز طریقہ پر لین دین ہو، یا کوئی شخص اپنی رضا مندی سے ہبہ یا صدقہ کرے۔ رہا قمار کے ذریعہ مال حاصل کرنا تو وہ باطل طریقہ پر مال کھانے کے مترادف ہے۔

3. اس سے جوا کھیلنے والوں کے درمیان بغض و عداوت پیدا ہوتی ہے، اگرچہ وہ زبانی طور سے رضا مندی کا اظہار کرتے ہوں کیونکہ ان کا معاملہ ہمیشہ غالب اور مغلوب کے درمیان رہتا ہے۔ اور جب مغلوب خاموشی اختیار کرتا ہے تو اس کی خاموشی اپنے اندر غیظ و غضب لیے ہوئے ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ نقصان اٹھا چکا ہوتا ہے۔

4. جواری ہار جانے کی صورت میں مغلوب ہو کر پھر دوبارہ جوا کھیلنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس امید پر کہ شاید اب کی بار نقصان کی تلافی ہو گی۔ اسی طرح غالب کو غلبہ کی لذت دوبارہ بازی لگانے اور مزید نفع بٹورنے پر آمادہ کرتی ہے۔

یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے اور دونوں جوا کھیلنے والے ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو پاتے۔ جوئے بازوؤں کی دوامی مصیبت کا راز یہی ہے۔

5. بنابریں یہ شوق، جس طرح فرد کے لیے خطرہ کا باعث ہے، اسی طرح سماج کے لیے بھی شدید خطرہ کا باعث ہے۔ یہ ایسا شوق ہے جس میں وقت اور محنت کی بربادی لازمی ہے۔ غرض یہ کھیل جوئے بازوؤں کو بالکل معطل کر کے رکھ دیتا ہے۔ وہ زندگی کی نعمت سے فائدہ تو اٹھاتے ہیں لیکن اس کی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کرتے۔ قمار باز

ہمیشہ اپنے رب کی عائد کردہ ذمہ داریوں (فرائض وواجبات) سے غفلت برتتے ہیں' نیز اپنے نفس' اپنے خاندان اور اپنی ملی ذمہ داریوں سے بھی بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے کچھ بعید نہیں کہ وہ اپنے دین' اپنی عزت اور اپنے وطن کو بھی اپنے مفاد کی خاطر بیچ ڈالیں۔

قرآن نے شراب اور جوئے کو ایک حکم میں جمع کر کے کس قدر حقیقت پسندی کو آشکار کیا ہے' کیونکہ یہ دونوں چیزیں فرد' خاندان' وطن اور اخلاق سب کے لیے یکساں طور سے مضر ہیں۔ قمار باز کا معاملہ شرابی سے بہت مشابہ ہوتا ہے بلکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ایک کا وجود دوسرے کے بغیر پایا جاتا ہو (دونوں ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں)۔ قرآن کا یہ بیان کتنا حقیقت افروز ہے کہ یہ شیطان کا عمل ہے۔ قرآن نے اس کا ذکر تھانوں اور پانسوں کے ساتھ ملا کر کیا ہے اور اسے گندگی قرار دے کر اس سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ۝﴾ (المائدة: ۵/ ۹۰۔۹۱)

''اے ایمان والو! شراب' جوا' تھان اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں۔ ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے میں تمہیں مبتلا کر کے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈالے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟''

لاٹری ایک قسم کا جوا ہے

جسے عرف عام میں لاٹری کہا جاتا ہے وہ بھی جوئے ہی کی ایک قسم ہے اس کو معمولی خیال کرنا اور ''رفاہی انجمنوں'' اور ''انسانی اغراض'' کے نام پر اسے جائز قرار دینا بالکل صحیح نہیں۔ جو لوگ لاٹری کو اس قسم کے مقاصد کے لیے جائز قرار دیتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حرام رقص اور حرام آرٹ کے ذریعہ مذکورہ مقاصد کے لیے عطیات

صدقات جمع کرے۔ ہم تو ان لوگوں سے یہی کہیں گے کہ:

((إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا)) ❶

''اللہ پاک ہے اور پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے۔''

جو لوگ اس قسم کے طریقے اختیار کرتے ہیں' شاید وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ معاشرہ میں خیر اور ہمدردی کے محرکات کا خاتمہ ہوگیا ہے اور نیکی کی حقیقت باقی نہیں رہی' لہٰذا انسانی فلاح کے لیے مال جمع کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت گری نہیں رہ گئی ہے کہ جوئے اور ممنوع قسم کے کھیل تماشہ کو ذریعہ بنایا جائے۔ لیکن اسلام معاشرہ کے لیے ایسے طریقے تجویز نہیں کرتا' بلکہ انسان کے معاملہ میں وہ خیر کا پہلو اختیار کرتا ہے اور پاکیزہ مقصد کے لیے وہ ذریعہ بھی پاکیزہ ہی اختیار کرتا ہے۔ وہ ذریعہ نیکی کی دعوت' انسانیت کی ترغیب اور اللہ اور آخرت پر ایمان کے اسباب کا ذریعہ۔

سینما بینی

بہت سے مسلمان سوال کرتے اور پوچھتے ہیں کہ سینما اور تھیٹر وغیرہ کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہے؟ اور سینما جانا مسلمان کے لیے جائز ہے یا حرام؟

اس میں شک نہیں کہ سینما اور اس قسم کی دوسری جگہیں تفریح کا نہایت اہم ذریعہ ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ دوسرے ذرائع کی طرح ان کو بھی خیر اور شر دونوں کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ سینما فی نفسہٖ کوئی حرج کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اس کا حکم اس بات پر موقوف ہے کہ اس کو کس مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے ہماری رائے میں سینما حلال اور جائز ہے' بلکہ درج ذیل شرائط کی تکمیل کی صورت میں پسندیدہ اور مطلوب بھی ہوسکتا ہے۔

اولاً:...... جو مقاصد جن کی نمائش کی جاتی ہے، وہ بے حیائی اور فسق سے پاک ہوں۔ نیز یہ مقاصد اسلام کے عقائد' شریعت اور اس کے آداب کے منافی نہ ہوں۔ اگر پیش کی جانے والی کہانیاں سفلی جذبات کو ابھارنے والی' یا گناہ کی ترغیب دینے والی' یا جرم پر آمادہ

❶ مسلم' كتاب الزكوٰة: باب قبول الصدقة من الكسب الطيب' ح/ ١٠١٥۔

کرنے والی' یا غلط افکار کی اشاعت کرنے والی' یا باطل عقائد کی ترویج کرنے والی ہوں تو ایسی فلمیں حرام ہوں گی اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہ ہوگا کہ ان کو دیکھے یا ان کی ترغیب دے۔ ❶

ثانیاً:...... کسی دینی یا دنیوی ذمہ داری سے غفلت نہ برتی جائے۔ خاص طور سے پنج گانہ نماز کا خیال رکھا جائے' جو ہر مسلمان پر فرض ہے۔ پکچر (تصویر) دیکھنے کی غرض سے کسی فرض کو مثلاً مغرب کی نماز کو ضائع کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝﴾

(الماعون: ۱۰۷/ ٤-٥)

''تباہی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔''

اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ نماز سے غافل ہونا اس کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کے ہم معنی ہے' یہاں تک کہ نماز کا وقت نکل جائے۔ قرآن نے شراب اور جوئے کی حرمت کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ دونوں چیزیں ذکر اللہ اور نماز سے روکتی ہیں۔

ثالثاً:...... سینما جانے والے کو چاہیے کہ اجنبی عورتوں کے ساتھ اختلاط سے اجتناب کرے تاکہ فتنہ اور شبہات سے اپنا دامن بچا سکے' خاص طور سے ایسی صورت میں جبکہ وہ

---

❶ ہمارے ملک میں سینما گھروں میں جو فلمیں دکھائی جاتی ہیں' ان میں شاذ ہی کوئی فلم ایسی ہوگی' جو ان غلط اور باطل مقاصد سے پاک ہو۔ عام طور سے فلموں میں عورتوں کی بھرپور نمائش کی جاتی ہے اور وہ رقص و سرود کے ساتھ اہم پارٹ ادا کرتی ہیں۔ سینما کے عشقیہ' حیاء سوز اور مخرب اخلاق گانوں نے تو پوری فضا کو متعفن کر کے رکھ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج معاشرہ کے اخلاقی بگاڑ کا بہت بڑا ذریعہ یہ انسانیت سوز فلمیں اور پکچرز ہیں' اس لیے ان کے جواز کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا' البتہ کوئی فلم اگر واقعی ان قباحتوں سے پاک ہو اور کوئی مفید مقصد رکھتی ہو تو اس کو ناجائز قرار دینے کی بھی کوئی وجہ نہیں۔ مؤلف کی یہ رائے ایک حد تک درست ہے کہ سینما فی نفسہ ایک جائز چیز ہے بشرطیکہ اس کو خیر کے مقصد کے لیے استعمال کیا جائے۔ (مترجم)

سینما گھر کا مقصد اور قیام ہی غلط اور باطل کی اشاعت ہے، یہ جس قدر بھی فلمیں نشر کرتے ہیں وہ شرعی لحاظ سے درست نہیں، اختلاط مرد و زن، عشقیہ گانے اور قصے حیاسوز مناظر وغیرہ کے ہوتے ہوئے درستگی کی کوئی صورت موجود نہیں ہے۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی ﷾)

تاریکی کے پردہ میں پکچر دیکھ رہا ہو۔ اس سے پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے:

((لَأَنْ يُطْعَنَ فِي رَأْسِ أَحَدِكُمْ بِمِخْيَطٍ مِنْ حَدِيْدٍ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمَسَّ امْرَأَةً لَا تَحِلُّ لَهُ)) ❶

''تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کی سوئی کا چبھویا جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔''

---

❶ بیهقی فی شعب الایمان (٤/ ٣٧٤' ح/ ٥٤٥٥) طبرانی فی الکبیر (٢٠/ ٢١١-٢١٢)

اجتماعی روابط

اسلام نے معاشرہ کے افراد کے درمیان باہمی تعلقات کو دو بنیادوں پر قائم کیا ہے:

① ایک باہمی اخوت' جو ایک دوسرے کے درمیان مضبوط بندھن کی حیثیت رکھتی ہے۔

② اور دوسرے حقوق اور حرمتیں جن کا اسلام تحفظ کرتا ہے یعنی ہر فرد کے خون' آبرو اور مال کا احترام۔

اسلام ہر اُس قول' عمل اور برتاؤ کو حرام قرار دیتا ہے جو ان بنیادی تعلقات کو نقصان پہنچانے یا ان کو متاثر کرنے والا ہو اور نقصان خواہ مادی ہو یا تہذیبی، جس درجہ کا ہوگا اسی کی مناسبت سے حرمت کا درجہ بھی متعین ہوگا۔ درج ذیل آیات میں چند ایسی حرام چیزوں کو بیان کیا گیا ہے جو باہمی اخوت اور انسانی حرمتوں کو نقصان پہنچانے والی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝﴾ (الحجرات: ٤٩/ ١٠ تا ١٢)

''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں' لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اے ایمان والو! نہ مرد دوسرے مردوں

کا مذاق اڑائیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے پر طعن کرو۔ اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد بدترین نام فسق ہے۔ اور جو لوگ باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔ تجسس نہ کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تمہیں سے کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ تم تو اس سے گھن ہی کرتے ہو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقین جانو کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔"

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ مؤمنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان کے اندر انسانی اخوت کے ساتھ دینی اخوت بھی جمع ہوگئی ہے۔ اس اخوت کا تقاضا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن کر نہ رہیں بلکہ باہم متعارف ہوں' ایک دوسرے سے کٹیں نہیں بلکہ جڑیں' آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کریں بلکہ مل جل کر رہیں' باہم بغض و عداوت نہ رکھیں بلکہ محبت کریں۔ اور اختلاف نہ کریں بلکہ متحد ہو کر رہیں۔ حدیث میں آتا ہے:

((لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا)) ❶

"باہم حسد نہ کرو' نہ ایک دوسرے سے پیٹھ موڑو' نہ آپس میں بغض رکھو۔ بلکہ اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔"

کسی مسلمان سے ترکِ تعلق جائز نہیں

اسی بنا پر اسلام نے مسلمان بھائی کے ساتھ سنگدلانہ برتاؤ کرنا' اسکا بائیکاٹ کرنا' یا اس سے بے رخی برتنا حرام ٹھہرایا۔ اگر دو مسلمانوں کے درمیان بغض پیدا ہو جائے تو ان کو اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ تین دن تک مہلت دی گئی ہے۔ اس کے بعد ان کو

❶ بخاري' كتاب الادب: باب ماينهي عن التحاسد والتدابر' ح:٦٠٦٤، مسلم' كتاب البر والصلة: باب تحريم الظن والتجسس' ح:٢٥٦٣۔

لازماً صلح صفائی کی کوشش کرنی چاہیے۔ چنانچہ قرآن نے مؤمنین کے جو اوصاف حمیدہ بیان کیے ہیں، ان میں سے ایک وصف یہ ہے:

﴿ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (المائدة: ٥/ ٥٤)

''جو مؤمنوں پر نرم ہوں گے۔''

اور نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَهْجُرَا اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَاِنْ مَرَّتْ بِهٖ ثَلَاثٌ فَلْيَلْقَهٗ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَاِنْ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَقَدِ اشْتَرَكَا فِي الْاَجْرِ وَاِنْ لَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ فَقَدْ بَاءَ بِالْاِثْمِ وَخَرَجَ الْمُسْلِمُ مِنَ الْهِجْرَةِ .)) ❶

''مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق کرے۔ اس کے بعد اسے چاہیے کہ ملاقات کرے اور اسے سلام کرے۔ اگر وہ سلام کا جواب دے تو دونوں اجر میں شریک ہوں گے۔ اور اگر وہ جواب نہ دے تو گناہ کا مستحق ہوگا۔ اور سلام کرنے والا ترکِ تعلق کے گناہ سے بری ہوگا۔''

اگر کسی قرابت دار سے جس کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا اسلام نے حکم دیا ہے، قطع رحمی کی جائے تو اس کی حرمت اور زیادہ سخت ہو جاتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۝ ﴾ (النساء: ٤/ ١)

''اور اُس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو۔ اور قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے بچو۔ یقین جانو کہ اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے صلہ رحمی کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

---

❶ ابو داود، كتاب الادب: باب في هجرة الرجل اخاه، ح: ٤٩١٢۔ واسناده ضعيف۔

((اَلرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ، مَنْ وَصَلَنِیْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَهُ اللّٰهُ)) ❶

''رحم (رشتہ وناطہ) عرش میں معلق ہو کر کہتا ہے: جس نے مجھے جوڑا اس کو اللہ جوڑے گا اور جس نے مجھے کاٹا اللہ اس کو کاٹے گا۔''

نیز فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ)) ❷

''قاطع (قطع رحمی کرنے والا) جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

بعض علماء نے ''قاطع'' سے قطع رحمی کرنے والا اور دیگر علماء نے ''قاطع الطریق'' (رہزن) مراد لیا ہے اور دونوں تقریباً یکساں ہیں۔

صلہ رحمی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک قرابت دار دوسرے قرابت دار کے ساتھ برابری کا معاملہ کرے کہ وہ جڑے تو یہ جڑے اور اگر وہ اچھا سلوک کرے تو یہ بھی اچھا سلوک کرے۔ یہ تو امرِ طبعی ہے۔ بلکہ جو چیز واجب ہے وہ یہ کہ رشتہ داروں کو بہرحال جوڑے اگرچہ کہ وہ اس سے ترکِ تعلق کریں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْنَ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا)) ❸

''صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے' جو برابری کا معاملہ کرتا ہے' بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے' جو قطع رحمی کرنے والے کو جوڑتا ہے۔''

یہ اس صورت میں ہے جب کہ ترکِ تعلق اور بائیکاٹ اللہ کے لیے' اس کی راہ میں اور

❶ بخاری' کتاب الادب: باب من وصل وصله الله' ح/ ٥٩٨٨' ٥٩٨٩۔ مسلم' کتاب البر والصلة: باب صلة الرحم' ح: ٢٥٥٥۔

❷ بخاری' کتاب الادب: باب اثم القاطع' ح: ٥٩٨٤' مسلم' کتاب البر والصلة: باب صلة الرحم' ح/ ٢٥٥٦۔

❸ بخاری' کتاب الادب: باب ليس الواصل بالمكافئ' ح/ ٥٩٩١۔

حق کی خاطر نہ ہو۔ ورنہ ایمان کی مضبوطی کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ محبت بھی اللہ ہی کے لیے ہو اور بغض بھی اللہ ہی کے لیے۔ چنانچہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے تین ساتھیوں سے جنہوں نے غزوۂ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی، پچاس دنوں تک ترکِ تعلق کیا۔ ان سے سلام وکلام کا سلسلہ بند رہا' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرما کر ان کی توبہ کو شرفِ قبولیت سے بخشا۔ ❶

اسی طرح نبی ﷺ نے اپنی بعض ازواجِ مطہرات سے ایک ماہ تک علیحدگی اختیار فرمائی۔ ❷

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے ترکِ تعلق کیا یہاں تک کہ اُس کا انتقال ہوگیا' کیونکہ وہ ایک حدیث رسول اللہ ﷺ کو خاطر میں نہیں لایا جس میں مردوں کو اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو مسجد جانے سے روکیں۔ ❸

لیکن اگر ترکِ تعلق اور بغض دنیوی اغراض کے لیے ہو، تو یہ نہایت حقیر چیز ہے۔ ایک مسلمان کس طرح اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے بغض رکھ سکتا ہے جبکہ اس کے نتیجہ میں اسے اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت سے محروم ہونا پڑے؟ صحیح حدیث میں ہے:

((تُفْتَحُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَ الْخَمِيْسِ فَيَغْفِرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا رَجُلاً كَانَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيَقُوْلُ: اَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا' اَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا اَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا)) ❹

❶ بخاري' كتاب المغازي: باب حديث كعب بن مالك رضی اللہ عنہ ح: ٤٤١٨۔ مسلم' كتاب التوبة: باب حديث توبة كعب بن مالك رضی اللہ عنہ۔ ح/ ٢٧٦٩۔

❷ بخاري' كتاب النكاح: باب هجرة النبي ﷺ نسائه......ح:٥٢٠٢' مسلم' كتاب الصيام: باب الشهر يكون تسعا وعشرين' ح:١٠٨٣' ١٠٨٥۔ لیکن اس میں ایک مہینہ (٢٩ یا ٣٠) دن کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔

❸ مسند احمد (٢/ ٣٦) واصله عند مسلم في كتاب الصلوٰة: باب خروج النساء الى۔ المساجد۔ ح: ٤٤٢۔

❹ مسلم' كتاب البر والصلة: باب النهى عن الشحناء' ح:٢٥٦٥۔

”جنت کے دروازے سوموار اور جمعرات کے دن کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ عزوجل ہر ایسے بندے کی مغفرت فرماتا ہے' جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔ سوائے اس شخص کے کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان بغض و عداوت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں' انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں' انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں۔“

اور جس کا حق ہو، اس کے پاس اس کے بھائی کا معذرت کرنا کافی ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنے بھائی کی معذرت کو قبول کر لے اور جھگڑا ختم کر دے۔ معذرت قبول نہ کرنا اور اسے رد کر دینا، حرام ہے۔ نبی ﷺ نے متنبہ فرمایا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا وہ قیامت کے دن آپ ﷺ کے پاس حوض پر نہ پہنچ سکے گا۔ ❶

باہم صلح صفائی

جن مسلمانوں کے درمیان ناچاقی ہو ان کو آپس میں صلح صفائی کر لینی چاہیے' کہ یہ اخوتِ دینی کا تقاضا ہے۔ اس کی ذمہ داری معاشرہ پر بھی عائد ہوتی ہے' کیونکہ اسلامی معاشرہ ایک دوسرے کا کفیل اور معاون ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ تماش بین بن کر اپنے بعض فرزندوں کو اس حال میں چھوڑ دے کہ وہ باہم لڑتے جھگڑتے رہیں اور ان کے درمیان دشمنی کی آگ بھڑکتی رہے' یا عداوت کی خلیج وسیع ہوتی رہے۔ معاشرہ کے اصحاب الرائے اور اہل فکر و دانش لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خالصۃً حق کے لیے اور خواہشاتِ نفس سے بچتے ہوئے اس معاملہ میں مداخلت کریں اور مسلمانوں کے تعلقات کو درست کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝﴾

(الحجرات: ٤٩/ ١٠)

”لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

❶ مجمع الزوائد (٨/ ٨١) بحوالہ طبرانی فی الاوسط (٢/ ٢١، ح:١٠٣٣) عن جابر و عن عائشہ رضی الہ عنہما (٦/ ١٦٠۔ح/ ٦٢٩١) واسنادھما ضعیف۔

نبی ﷺ نے حدیث میں اس طرح اصلاح کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور بغض وخصومت کے خطرناک ہونے سے آگاہ فرمایا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اَلاَ اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَفْضَلِ مِنْ دَرَجَةِ الصَّلٰوةِ وَالصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ فَاِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِىَ الْحَالِقَةُ' لَا اَقُوْلُ اِنَّهَا تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ)) [1]

''کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ نماز' روزہ اور صدقہ سے بڑھ کر فضیلت والا کام کونسا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: ضرور بتایئے اے اللہ کے رسول! فرمایا: لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانا کیونکہ تعلقات کا بگاڑ مونڈنے والی چیز ہے۔ بالوں کو مونڈنے والی نہیں بلکہ دین کو مونڈنے والی ہے۔''

دوسروں کا مذاق نہ اڑایا جائے

سورۂ حجرات کی مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کو حرام قرار دیا ہے جو برادرانہ تعلقات اور انسانی حرمت پر اثر انداز ہوتی ہیں:

① اس سلسلہ کی پہلی بات لوگوں کا مذاق اڑانا ہے۔ کسی مؤمن کے لیے جو اللہ اور آخرت کا امیدوار ہو، یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کا مذاق اڑائے' یا اس کی تضحیک کرے یا اسے ہدفِ ملامت بنا لے۔ کیونکہ اس انداز میں خفیہ تکبر' غرور اور لوگوں کی تحقیر کا جذبہ شامل ہوتا ہے اور یہ حرکت اس معیار سے جو اللہ کے پاس ہے، جہالت برتنے کے مترادف ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾ (الحجرات: ٤٩/ ١١)

''نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

---

[1] ابوداود' کتاب الادب: باب فی اصلاح ذات البین' ح/ ٤٩١٩۔ ترمذی' کتاب صفة القیامة: باب (٥٦)' ح:٢٥٠٩۔

اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔"

اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کی خوبی ایمان و اخلاص اور تعلق باللہ میں ہے، نہ کہ شکل و صورت اور جاہ و مال میں۔

حدیث میں آیا ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلَا اِلٰى اَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ)) ❶

"اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتا' بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔"

لہٰذا کسی مرد یا عورت کا اس بنا پر مذاق اڑانا کس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ وہ جسم یا خلقت کی کسی خرابی میں یا مالی افلاس میں مبتلا ہے؟

روایت ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کھل گئی۔ ان کی پنڈلیاں بہت دبلی پتلی تھیں۔ بعض لوگ دیکھ کر ہنس پڑے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَتَضْحَكُوْنَ مِنْ دِقَّةِ سَاقَيْهِ؟ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَهُمَا اَثْقَلُ فِی الْمِيْزَانِ مِنْ جَبَلِ اُحُدٍ)) ❷

"کیا تم ان کی پنڈلیوں کے دبلا ہونے پر ہنستے ہو؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ میزان میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہوں گی۔"

قرآن نے بیان کیا ہے کہ کس طرح مجرم مشرکین صالح مؤمنین کا اور خاص طور سے کمزور مسلمانوں مثلاً بلال رضی اللہ عنہ عمار رضی اللہ عنہ وغیرہ کا، مذاق اڑاتے تھے۔ اور قرآن نے یہ واضح کیا ہے کہ کس طرح حساب و کتاب کے دن معیار بدل جائیں گے۔ جو لوگ مذاق اڑاتے ہیں ان ہی کا مذاق اڑایا جائے گا۔

---

❶ مسلم' كتاب البر والصلة : باب تحريم الظلم المسلم ح:٣٤/ ٢٥٦٤۔

❷ مسند احمد (١/ ٤٢٠۔٤٢١) ۔ مسند الطيالسي (٣٥٥)

آیت میں صراحت کے ساتھ عورتوں کو ایک دوسرے کا مذاق اڑانے کی ممانعت کی گئی ہے' کیونکہ عام طور سے عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑانے کی عادی ہوتی ہیں۔

طعن وتشنیع کرنا

۲ اس سلسلہ کی دوسری حرام بات طعن وتشنیع ہے۔ جو شخص لوگوں میں عیب نکالتا ہے وہ گویا نیزہ سے انہیں زخمی کرتا ہے بلکہ کبھی تو طعن وتشنیع نیزہ کے طعن (زخمی کرنے) سے بھی زیادہ شدید ہوتی ہے۔ کیونکہ نیزہ کے زخم تو مندمل ہو جاتے ہیں' لیکن زبان کے زخم مندمل نہیں ہوتے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے: ﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ (یعنی ایک دوسرے کو طعن نہ دو) لیکن قرآن نے اَنْفُسَكُمْ کہہ کر مؤمنوں کی جماعت کو نفس واحد سے تعبیر کیا ہے' کیونکہ سب ایک دوسرے کے کفیل اور معاون ہیں لہٰذا جس نے اپنے بھائی کو طعن کیا اس نے درحقیقت اپنے ہی نفس کو طعن کیا۔

برے لقب سے پکارنا

۳ برے لقب سے پکارنا بھی طعن وتشنیع ہی کی ایک قسم ہے' جو کہ حرام ہے۔ یعنی کسی شخص کو ایسے نام سے پکارنا جو اسے ناپسند ہو اور جس کے ذریعہ اس کا مذاق اڑایا جائے اور اس پر طعن کیا جائے۔ انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے کسی بھائی کو ایسے لقب سے پکارے جو اس کے لیے باعثِ اذیت ہو۔ یہ سراسر زیادتی اور آداب اور ذوق سلیم کے خلاف ہے۔

بدگمانی

۴ اسلام چاہتا ہے کہ معاشرہ کے اندر قلوب کی صفائی اور باہمی اعتماد ہو۔ شکوک وشبہات اور وہم وگمان کی فضا ہرگز نہ ہو۔ اسی لیے مذکورہ آیت میں جو چوتھی حرام بات بیان کی گئی ہے وہ بدگمانی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾

(الحجرات: ۴۹/ ۱۲)

''اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔''

یہ ظن' جو باعثِ گناہ ہے' بدگمانی ہے۔ اور مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے کسی وجہ جواز اور کسی واضح دلیل کے بغیر بدگمان ہو جائے۔ لوگوں کو اصلاً بے قصور سمجھنا چاہیے اور بدگمانی کے وسوسوں میں پڑ کر ان پر تہمت لگانے کا موقع نہیں پیدا کرنا چاہیے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ)) ❶

''بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے۔''

انسان، بشری کمزوری کے باعث لوگوں کے سلسلہ میں شک و گمان سے اپنے کو بالکل بچا نہیں سکتا' خاص طور سے ان لوگوں کے بارے میں جن سے تعلقات کشیدہ ہوں' لیکن اسے ان خیالات کے آگے سر نہیں ڈالنا چاہیے اور نہ ان کے پیچھے چلنا چاہیے۔ یہی مطلب ہے اس حدیث کا ہے:

((اِذَا ظَنَنْتَ فَلَا تُحَقِّقْ)) ❷

''جب بدگمانی پیدا ہو تو اسے صحیح خیال نہ کرو۔''

تجسس

⑤ دوسروں کے بارے میں بداعتقادی کے نتیجہ میں باطنی طور پر آدمی بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور باطنی طور پر تجسس کرنے لگتا ہے۔ لیکن اسلام معاشرہ کے ظاہر اور باطن دونوں کو پاک صاف رکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے بدگمانی کی ممانعت کے ساتھ تجسس کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ کیونکہ اکثر ایک بات دیگر بات کا سبب بنتی ہے۔

لوگوں کی حرمت کو تجسس کے ذریعہ زائل کرنا اور ان کی مخفی باتوں کے پیچھے پڑنا، ہرگز جائز نہیں اگرچہ وہ ذاتی طور پر گناہ کے مرتکب ہو رہے ہوں' جب تک کہ وہ اسے چھپاتے رہیں اور کھلے بندوں گناہ کا ارتکاب نہ کریں۔

❶ بخاری' کتاب الادب: باب (یا ایها الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن) ح:٦٠٦٦' مسلم' کتاب البر والصلة: باب تحریم الظن والتجسس' ح:٢٥٦٣۔

❷ طبرانی فی الکبیر (٣/ ٢٥٨) فتح الباری (١٠/ ٢١٣)

ابو ہیثم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے کہا: "ہمارے پڑوسی شراب پیتے ہیں' اس لیے میں چاہتا ہوں کہ پولیس کو بلا کر انہیں گرفتار کراؤں۔" انہوں نے کہا، ایسا نہ کرو بلکہ انہیں نصیحت اور تنبیہ کرو۔ ابو ہیثم رحمہ اللہ نے کہا: "میں نے انہیں منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتے، اس لیے میں انہیں پولیس کے حوالہ کرنا چاہتا ہوں۔" عقبہ نے کہا: "ایسا نہ کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ سَتَرَ عَوْرَةً فَكَأَنَّمَا اسْتَحْيَا مَوْءُوْدَةً فِيْ قَبْرِهَا)) ❶

"جس نے کسی کی عیب پوشی کی اس نے گویا زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کو زندگی بخشی۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے عیوب ٹٹولنے کو منافقین کی علامت و امتیاز قرار دیا ہے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر جلوہ افروز ہو کر بآواز بلند فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفْضِ الْإِيْمَانُ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهِ)) ❷

"اے لوگو! جو زبان سے اسلام لائے ہو اور جن کے دلوں میں ابھی ایمان داخل نہیں ہوا' مسلمانوں کو اذیت نہ دو اور ان کے عیوب کے پیچھے نہ پڑو۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب کے درپے ہوگا اللہ اس کے عیب کے درپے ہوگا۔ اور اللہ جس کسی کے عیب کے درپے ہو تو اسے رسوا کر کے رہے گا' اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہو۔"

لوگوں کی حرمتوں کے تحفظ ہی کی غرض و غایت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر جھانکنے سے شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔ فرمایا:

❶ مسند احمد (٤/ ١٥٨)۔ ابوداود' کتاب الادب: باب فی الستر علی المسلم' ح: ٤٨٩١' ٤٨٩٢۔ صحیح ابن حبان (١/ ٣٦٧) مستدرك حاكم (٤/ ٣٨٤) واسناده ضعيف۔

❷ ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی تعظیم المؤمن، ح: ٢٠٣٢۔

((مَنِ اطَّلَعَ فِیْ بَیْتِ قَوْمٍ بِغَیْرِ اِذْنِھِمْ فَقَدْ حَلَّ لَھُمْ اَنْ یَفْقَؤُوْا عَیْنَہٗ)) ❶

''جس نے کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر جھانکا اس کے گھر والوں کے لیے جائز ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں۔''

اسی طرح لوگوں کی باتیں ان کی مرضی کے بغیر اور ان سے چھپ چھپا کر سننا بھی حرام قرار دیا۔ فرمایا:

((مَنِ اسْتَمَعَ اِلٰی حَدِیْثِ قَوْمٍ وَھُمْ کَارِھُوْنَ صُبَّ فِیْ اُذُنَیْہِ الْاٰنُکُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ)) ❷

''جس نے لوگوں کی باتیں کان لگا کر سنیں درآنحالیکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں تو اس کے کانوں میں قیامت کے دن سیسہ انڈیل دیا جائے گا۔''

قرآن نے لازمی قرار دیا ہے کہ جو شخص کسی سے ملنا چاہتا ہو وہ اس کے گھر میں داخل نہ ہو جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے اور سلام نہ کرے۔

تجسس کرنے اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑنے کی ممانعت کا حکم عام ہے جو حکام اور رعایا دونوں کو شامل ہے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّکَ اِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدْتَّھُمْ اَمْ کِدْتَّ تُفْسِدُھُمْ)) ❸

''اگر تم لوگوں کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑو گے تو ان میں بگاڑ پیدا کرو گے۔''

اور سیّدنا ابوامامہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْاَمِیْرَ اِذَا ابْتَغَی الرِّیْبَةَ فِی النَّاسِ اَفْسَدَھُمْ)) ❹

---

❶ بخاری، کتاب الدیات: باب من اطلع فی بیت قوم۔ ح:٦٩٠٢۔ مسلم، کتاب الآداب: باب تحریم النظر فی بیت غیرہ، ح: ٢١٥٨۔

❷ بخاری، کتاب التعبیر: باب من کذب فی حلمه، ح:٧٠٤٢۔

❸ ابوداود، کتاب الادب: باب فی التجسس ح:٤٨٨٨، ابن حبان (١٤٩٥)

❹ مسند احمد (٦/ ٤) ابوداود، حوالہ سابق، ح/ ٤٨٨٩۔

''امیر جب لوگوں میں شک وشبہ کی باتیں تلاش کرنے لگتا ہے تو ان کے اندر بگاڑ پیدا کر دیتا ہے۔''

غیبت

⑥ چھٹی بات جس کی سورۂ حجرات کی مذکورہ آیت میں ممانعت کر دی گئی ہے' وہ غیبت ہے۔ آپ ﷺ نے غیبت کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے:

((اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَةُ؟ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ قَالَ: ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا یَكْرَهُ' قِیْلَ اَفَرَاَیْتَ اِنْ كَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ۔ قَالَ: اِنْ كَانَ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَمْ یَكُنْ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ)) ❶

''جانتے ہو غیبت کیا ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''یہ کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرو جو اسے ناگوار ہو۔'' عرض کیا گیا: اگر اس میں وہ بات موجود ہو تو؟ فرمایا: ''اگر وہ بات اس میں موجود ہو تب ہی تو تم نے غیبت کی' ورنہ تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔''

انسان کو عام طور سے جو باتیں ناگوار ہوتی ہیں وہ عموماً اس کی خلقت' اخلاق' نسب وغیرہ سے متعلق ہوتی ہیں۔ سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: آپ ﷺ کے لیے سیّدہ صفیہ ؓ کا پستہ قد ہونا کافی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ)) ❷

''تم نے ایسی بات کہی کہ اگر اس کو سمندر میں ملایا جائے تو اس کا پانی متغیر ہو جائے۔''

غیبت دوسروں کو گرانے اور تحقیر وتذلیل کرنے کی خواہش رکھنا، اور ان کی غیر موجودگی میں ان کی عزت کو مجروح کرنا ہے۔ یہ خست اور بزدلی کی علامت ہے۔ کیونکہ یہ پیچھے سے

❶ مسلم' کتاب البر والصلة: باب تحریم الغیبة' ح/ ۲۵۸۹۔

❷ ابوداود' کتاب الادب: باب فی الغیبة' ح:۴۸۷۵۔ ترمذی' کتاب صفة القیامة: باب (۵۱)' ح: ۲۵۰۲۔

حملہ کرنے کے مترادف ہے۔ غیبت ایک منفی نوعیت کا فعل بد ہے' کیونکہ جس کو کوئی کام نہیں ہوتا وہ دوسروں کی غیبت کرتا ہے۔ اس بنا پر قرآن نے غیبت کی شناعت و قباحت بیان کی ہے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ﴾ (الحجرات: ۴۹/ ۱۲)

"اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ تم تو اس سے گھن ہی کرتے ہو۔"

انسان کسی بھی انسان کا گوشت کھانے سے طبعاً نفرت کرتا ہے۔ پھر جب اپنے بھائی کا گوشت ہو اور وہ بھی مردہ بھائی کا، تو اس سے کس قدر گھن آئے گی؟!

نبی ﷺ اس قرآنی تصویر کو ذہنوں میں اتارنے کی برابر کوشش کرتے رہے اور غیبت سے نفرت دلاتے رہے۔ چنانچہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' کہ ہم ایک مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے' کہ ایک شخص مجلس سے اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد دوسرے شخص نے اس کے بارے میں توہین آمیز بات کہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "خلال کرلو۔ اس نے عرض کیا: خلال کس وجہ سے کروں؟ میں نے گوشت تو کھایا نہیں ہے۔" فرمایا:

((اِنَّكَ اَكَلْتَ لَحْمَ اَخِيْكَ)) ❶

"تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے۔"

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ بدبودار ہوا چلی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَتَدْرُوْنَ مَاهٰذِهِ الرِّيْحُ؟ هٰذِهِ رِيْحُ الَّذِيْنَ يَغْتَابُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ)) ❷

"جانتے ہو یہ کیسی بدبو ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مؤمنوں کی غیبت کرتے ہیں۔"

---

❶ طبرانی فی الکبیر (۱۰/ ۱۲۶)

❷ مسند احمد (۳/ ۳۵۱) بخاری فی الادب المفرد (۷۵۳)

غیبت کے سلسلہ میں رُخصت کی حدود

ان نصوص سے ثابت ہوا کہ اسلام میں فرد کی ذاتی حرمت نہایت مقدس ہے۔ لیکن بعض صورتیں ایسی ہیں جن کو علمائے اسلام نے حرام غیبت سے مستثنیٰ کیا ہے۔ اس استثناء سے بقدر ضرورت ہی فائدہ اٹھانا چاہیے مثلاً

(1) اس سلسلہ کی ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ مظلوم کو ظالم کی شکایت کرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا﴾ (النساء: ٤/ ١٤٨)

''اللہ بدگوئی پر زبان کھولنے کو پسند نہیں کرتا' الا یہ کہ کوئی شخص مظلوم ہو۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

(2) دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی متعین شخص کے بارے میں اس سے کاروبار میں شرکت یا اپنی بیٹی کے نکاح یا کوئی اہم ذمہ داری اس کے سپرد کرنے کی غرض سے سوال کرے۔ ایسے موقع پر دو متعارض باتیں سامنے آجاتی ہیں۔ ایک یہ کہ دین میں خیر خواہی واجب ہے اور دوسرے یہ کہ غیر موجود شخص کی عزت کا تحفظ بھی واجب ہے۔ لیکن چونکہ پہلی چیز زیادہ اہم اور مقدس ہے اس لیے اس کو دوسری چیز پر ترجیح دی جانی چاہیے۔ چنانچہ سیّدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو پیغام دینے والوں کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کے بارے میں فرمایا کہ ''وہ مفلس ہے اس کے پاس کوئی مال نہیں'' اور دوسرے کے بارے میں فرمایا: ''وہ عورتوں کو بہت مارتا ہے۔'' [1]

(3) اسی طرح استفتاء کے لیے غیبت کا جواز ہے۔

(4) اور منکر کے ازالہ کے لیے کسی کا تعاون حاصل کرنے کی غرض سے بھی۔

(5) اگر کسی شخص کا نام یا لقب یا وصف ایسا ہو جس کو وہ ناپسند کرتا ہو، لیکن وہ اسی نام سے

[1] مسلم' کتاب الطلاق: باب المطلقة البائن لانفقة لها ح ١٤٨٠

مشہور ہو، مثلاً اعرج (لنگڑا)، اعمش (کمزور نگاہ والا)، ابن فلانۃ وغیرہ تو ایسی صورت میں اسے اس نام سے پکارنا بھی جائز ہے۔

(۶) اسی طرح گواہوں اور حدیث کے راویوں پر جرح کرنا بھی جائز ہے۔

(۱) لیکن مندرجہ بالا جواز کی صورتوں میں یہ بھی احتیاط ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ جب تک غیر موجود شخص کے سلسلہ میں ناگوار بات کا تذکرہ کرنے کی شدید ضرورت محسوس نہ ہو اس وقت تک اس دائرہ میں قدم رکھنا صحیح نہیں۔ اور جب تک اشارہ کنایہ سے کام چلتا ہو تصریح نہ کی جائے۔ اسی طرح جب تک عمومیت اختیار کی جاسکتی ہو تخصیص نہ کی جائے، اور کوئی ایسی بات ہرگز نہ کی جائے جو فی الواقع اس شخص میں موجود نہ ہو ورنہ بہتان ہوگا جو حرام ہے۔

علاوہ ازیں ان تمام باتوں کے سلسلہ میں فیصلہ کن معاملہ نیت کا ہے۔ انسان خود دوسروں کے مقابلہ میں اپنے قلبی و ذہنی محرکات کو بہتر طور پر جانتا ہے۔ نیت ہی کے ذریعہ غیبت و تنقید اور نصیحت اور برائی کی تشہیر وغیرہ کے درمیان فرق کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مؤمن اپنے نفس کا نہایت سختی کے ساتھ محاسبہ کرتا ہے۔

اسلام میں غیبت سننے والا بھی گناہ میں اسی طرح شریک ہے جس طرح کہ کرنے اور کہنے والا لہٰذا ایک مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی مدد کرے اور اس کی طرف سے مدافعت کرے۔ حدیث نبوی میں ہے:

((مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ الْغِيْبَةَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّعْتِقَهٗ مِنَ النَّارِ)) ❶

''جو شخص اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ نہ ہونے دے اللہ پر حق ہے کہ اسے آگ سے نجات بخشے۔''

دوسری حدیث میں یوں ارشاد ہے:

❶ مسند احمد (٦/ ٤٦١)، مكارم الاخلاق ـ للخرائطى (وابو نعيم فى الحلية (٦/ ٦٧) وابن المبارك فى الزهد (ص۔٢٤٠، ح/ ٦٨٧) وللحديث شواهد۔

((مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِیْهِ فِی الدُّنْیَا رَدَّ اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ)) ❶

"جو شخص دنیا میں اپنے بھائی کی عزت کو بچائے گا' اللہ قیامت کے دن اس کے چہرہ کو آگ سے بچائے گا۔"

لیکن جو شخص یہ حوصلہ نہ رکھتا ہو اور اپنے بھائی کی عزت پر حملہ کرنے والی زبانوں کو روک نہ سکتا ہو' اسے چاہیے کہ ایسی مجلس سے نکل جائے اور ایسے لوگوں سے قطعاً اعراض کرے جب تک کہ وہ دوسری باتوں میں لگ نہیں جاتے' ورنہ عجب نہیں کہ اس کا شمار بھی غیبت کرنے والوں میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ (النساء: ٤/ ١٤٠)

"ورنہ تم بھی ان ہی جیسے ہو"

چغل خوری

⑦ غیبت سے مشابہت رکھنے والی ایک عادتِ بد چغل خوری بھی ہے' جسے اسلام نے شدید طور پر حرام ٹھہرایا ہے۔ چغل خوری یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کے بارے میں کوئی ایسی بات سنے جو باہمی تعلقات کو خراب کرنے اور فساد پیدا کرنے کی غرض سے وہ بات اس دوسرے شخص تک پہنچا دے۔ قرآن نے مکی دور کے اوائل ہی میں اس بری خصلت کی یوں مذمت بیان کر دی تھی:

﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ۝﴾ (القلم: ٦٨/ ١٠-١١)

"ایسے شخص کی بات نہ مانو جو بہت قسمیں کھانے والا اور بے وقعت ہے۔ جو طعنے دیتا اور چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ)) ❷

❶ ترمذی' کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی الذب عن عرض المسلم' ح: ۱۹۳۱۔

❷ بخاری' کتاب الادب: باب مایکره من النمیمة' ح: ٦٠٥٦۔ مسلم' کتاب الایمان: باب بیان غلظ تحریم النمیمة' ح: ١٠٥)

''جنت میں چغل خور داخل نہ ہوگا۔''

نیز فرمایا:

((شِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّاءُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ لِلْبُرَاءِ الْعَيْبَ)) ❶

''اللہ کے (نزدیک) بدترین بندے وہ ہیں جو چغل خوری کرتے ہیں' دوستوں کے درمیان تفرقہ ڈالتے ہیں اور بے قصوروں میں عیب کے خواہاں ہوتے ہیں۔''

اسلام جھگڑوں کے تصفیہ اور باہم صلح صفائی کی غرض و مفاد سے اس بات کو جائز قرار دیتا ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کے بارے میں بدگوئی کی ہو تو اصلاح کرنے والا شخص اسے چھپانے کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے اچھی بات کا اضافہ (جھوٹ بول دے) کرے۔ حدیث میں ہے:

((لَيْسَ بِكَذَّابٍ مَنْ اَصْلَحَ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَقَالَ خَيْرًا اَوْنَمٰى خَيْرًا))❷

''وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو دو شخصوں کے درمیان صلح کرانے کی غرض سے اچھی بات کہے' یا اچھی بات (ان میں سے کسی کی طرف) منسوب کرے۔''

اسلام ان لوگوں پر سخت ناراضی کا اظہار کرتا ہے جو بری بات سن کر فتنہ و فساد کی غرض سے فوراً بات کو ادھر سے ادھر پہنچا دیتے ہیں۔ ایسے لوگ اس بات پر اکتفا نہیں کرتے کہ انہوں نے جو کچھ سنا ہے اسے بیان کر دیں' بلکہ اسے نمک مرچ لگا کر پیش کرتے ہیں اور اپنی طرف سے مزید باتیں گھڑ کر بھی پیش کرنے لگتے ہیں۔

ایک شخص عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کسی دوسرے شخص کی برائی کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: ''تم چاہو تو ہم تمہارے معاملہ میں غور کریں گے۔ اگر تم جھوٹے ہو تو آیت ﴿إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا﴾ میں جن لوگوں کا ذکر ہے، ان میں

❶ مسند احمد (٤/ ٢٢٧)

❷ بخاري' كتاب الصلح: باب ليس الكاذب الذي يصلح بين الناس' ح:٢٦٩٢۔ مسلم' كتاب البر والصلة: باب تحريم الكذب و بيان مايباح منه' ح:٢٦٠٥۔

سے ہو اور اگر تم چاہو تو ہم تم سے درگزر کریں گے۔" اس شخص نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ درگزر ہی کیجئے۔ میں اب کبھی دوبارہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔

عزت کی حرمت

⑧ ہم نے دیکھ لیا کہ اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ کس طرح لوگوں کی عزت و آبرو کا تحفظ کیا ہے! بلکہ کس طرح اس کو درجہ تقدیس و تعظیم کی بلندی تک پہنچایا ہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کی طرف دیکھ کر کہا: "تیری عظمت اور تیری حرمت کا کیا کہنا! لیکن مؤمن کی حرمت تجھ سے بھی بڑھ کر ہے۔" ❶

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ نے مسلمانوں کے جم غفیر کے درمیان خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ أَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ وَدِمَاءَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا)) ❷

"تمہارے مال، تمہاری عزتیں اور تمہارے خون تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینہ اور تمہارے اس شہر (مکہ) میں حرام ہے۔"

اسلام کی نظر میں فرد کی عزت و آبرو اس قدر عزیز ہے کہ جو بات بھی انسان کو ناگوار ہو سکتی ہو اس کا ذکر اس کی غیر موجودگی میں کرنے کی اجازت نہیں دیتا اگرچہ کہ وہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح کیوں نہ ہو اور جب وہ (اسلام انسان) ایسی بات کو گوارا نہیں کرتا، تو بے بنیاد باتوں اور افتراء پردازیوں کو کیونکر گوارا کرے گا؟ ایسی صورت میں تو وہ گناہ کبیرہ بن جائے گا۔ حدیث میں ہے:

((مَنْ ذَكَرَ امْرَأً بِشَيْءٍ لَيْسَ فِيهِ لِيَعِيبَهُ بِهِ حَبَسَهُ اللّٰهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَأْتِيَ بِنَفَاذِ مَا قَالَ فِيهِ)) ❸

---

❶ ترمذی، کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی تعظیم المؤمن، ح:۲۰۳۲۔

❷ بخاری، کتاب المغازی: باب حجة الوداع، ح:۴۴۰۶۔مسلم، کتاب القسامة: باب تغليظ تحريم الدماء والاعرض والاموال، ح:۱۶۷۹۔

❸ مجمع الزوائد(۸/ ۹۴) بحواله طبرانی فی الاوسط (۹/ ۴۳۲، ح:۸۹۳۱) واسناده ضعيف۔

"جس نے کسی شخص کے بارے میں ایسی بات کہی جو اس میں نہیں ہے، تاکہ اس میں عیب نکالا جائے تو اللہ اسے جہنم کی آگ میں روکے گا یہاں تک کہ وہ اپنی بات صحیح ثابت کر دکھائے۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

((أَتَدْرُوْنَ أَرْبَى الرِّبَا عِنْدَ اللّٰهِ ؟ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ، قَالَ فَإِنَّ أَرْبَى الرِّبَا عِنْدَ اللّٰهِ اِسْتِحْلَالُ عِرْضِ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ)) ❶

"جانتے ہو اللہ کے نزدیک سب سے بڑا سود کیا ہے؟" صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: سب سے بڑا سود اللہ کے نزدیک مسلمان کی عزت کو حلال کر لینا ہے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵۸)

"جو لوگ مؤمن مردوں اور عورتوں کو، جبکہ وہ بے قصور ہوں، اذیت دیتے ہیں، وہ بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لیتے ہیں۔"

عزت پر حملہ کی بدترین صورت یہ ہے کہ عفت مآب مؤمن عورتوں پر بے حیائی کے ارتکاب کی تہمت لگائی جائے۔ جس سے ان کو اور ان کے خاندان والوں کو سخت تکلیف پہنچتی ہے اور ان کا مستقبل خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ نیز اس سے اسلامی معاشرہ میں بے حیائی کی اشاعت ہوتی ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا شمار سات مہلک کبیرہ گناہوں میں کیا ہے۔ اور قرآن نے اس پر سخت وعید سنائی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (النور: ۲۴/ ۲۳-۲۴)

❶ مجمع الزوائد (۸/ ۹۲) بیهقی فی شعب الایمان۔ (۵/ ۲۹۸، ح: ۶۷۱۱) مسند ابی یعلی (۴/ ۳۵۹۔ ح: ۴۶۷۰) واسناده ضعیف۔

"جو لوگ پاکدامن، غافل، مؤمن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ وہ دن جبکہ ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دینے لگیں گے کہ وہ (دنیا میں) کیا کرتے رہے ہیں۔"

خون کی حرمت

⑨ اسلام نے انسانی زندگی کو مقدس اور انسانی جانوں کو محترم ٹھہرایا ہے۔ انسانی جان پر زیادتی کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ کفر وشرک کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

﴿اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (المائدة: ٥/ ٣٢)

"جس نے کسی جان کو قتل کیا، بغیر اس کے کہ اس نے کسی جان (انسان) کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو اس نے گویا پوری انسانیت کو قتل کر دیا۔"

یہ اس لیے کہ پوری نوعِ انسانی ایک خاندان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور ایک شخص پر زیادتی درحقیقت نوعِ انسانی پر زیادتی ہے۔ یہ حرمت اس صورت میں اور شدید ہو جاتی ہے جبکہ مقتول مؤمن ہو۔

﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۝﴾ (النساء: ٤/ ٩٣)

"اور جو کوئی کسی مؤمن کو عمداً (جان بوجھ کر) قتل کرے گا تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اس نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ)) ❶

❶ ترمذي، كتاب الديات: باب ماجاء في تشديد قتل المؤمن - ح: ١٣٩٥ - نسائي، كتاب تحريم الدم: باب تعظيم الدم، ح: ٣٩٩٢-

''دنیا کا زوال اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں کمتر درجہ کا ہے۔''

اور فرمایا:

((لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِّنْ دِينِهِ مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا)) ❶

''مؤمن دین کی گنجائشوں کے اندر رہتا ہے جب تک کہ قتلِ حرام کا مرتکب نہیں ہوتا۔''

نیز فرمایا:

((كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَغْفِرَهُ اِلَّا الرَّجُلَ يَمُوْتُ مُشْرِكًا اَوِ الرَّجُلَ يَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا)) ❷

''ہر گناہ کے بارے میں اللہ سے مغفرت وبخشش کی توقع کی جاسکتی ہے' کہ وہ اسے معاف کر دے سوائے اس شخص کے جس کی موت شرک پر ہو' یا وہ شخص جس نے مؤمن کو عمداً (جان بوجھ کر) قتل کیا ہو۔''

مذکورہ آیات واحادیث کے پیش نظر سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ قاتل کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ❸ غالباً ان کے نزدیک توبہ کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ متعلقہ افراد کے حقوق لوٹائے جائیں' یا انہیں راضی کر لیا جائے۔ لیکن مقتول کے حق کو لوٹانے یا اس کو راضی کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے جبکہ وہ اس دنیا میں نہیں رہا؟

اور دیگر علماء کا کہنا ہے کہ سچی توبہ مقبول ہے اور وہ شرک بھی کو مٹا دیتی ہے۔ لہٰذا جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہو اور اس سے توبہ کر لی جائے تو وہ توبہ کیونکر قبول نہ ہوگی؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ

---

❶ بخاری' کتاب الدیات: باب (۱)' ح/ ۶۸۶۲۔

❷ ابوداؤد' کتاب الفتن: باب فی تعظیم قتل المؤمن' ح/ ۴۲۷۰۔ صحیح ابن حبان (موارد: ۵۱) مستدرك حاكم (۴/ ۳۵۱)۔

❸ بخاری' کتاب التفسیر: سورۃ الفرقان' ح: ۴۷۶۲۔ مسلم' کتاب التفسیر: باب (۱)' ح: ۳۰۲۳۔

إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا
صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾

(الفرقان: ۲۵/ ۶۸تا ۷۰)

''(رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو نہیں پکارتے اور نہ کسی نفس کو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے، قتل کرتے ہیں' اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور جو کوئی یہ کام کرے گا وہ اپنے جرم کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلت ورسوائی کے ساتھ پڑا رہے گا۔ بجز اس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لاکر عملِ صالح کیا، تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بڑا مغفرت فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے۔''

قاتل اور مقتول دونوں آگ میں ہوں گے

نبی ﷺ نے مسلمان کے قتل وقتال کو ایک قسم کا کفر اور جاہلیت کا کام قرار دیا ہے۔ جیسے کہ اہل جاہلیت ایک اونٹنی یا ایک گھوڑے کو پانی پلانے کی خاطر جنگ اور خونریزی کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ)) ❶

''مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔''

((لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ)) ❷

''میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔''

نیز فرمایا: ''جب دو مسلمان ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھاتے ہیں، تو وہ جہنم کے کنارے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب ایک شخص دوسرے کو قتل کرتا ہے تو دونوں جہنم میں داخل

❶ بخاري' كتاب الادب: باب ماينهى من السباب واللعن' ح:٦٠٤٤۔ مسلم' كتاب الايمان: باب بيان قول النبى ﷺ "سباب المسلم فسوق۔ ح:٦٤۔

❷ بخاري' كتاب الديات/ باب (ومن احياها) ح/ ٦٨٦٨' ٦٨٦٩۔ مسلم۔ كتاب الايمان: باب بيان معنى قول النبى ﷺ "لا ترجعوا بعدى كفاراً۔ ح:٦٥' ٦٦۔

ہوتے ہیں۔ کسی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! قاتل کا معاملہ تو سمجھ میں آتا ہے' لیکن مقتول کیونکر جہنم میں داخل ہوگا؟ فرمایا: ''وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنا چاہتا تھا۔'' ❶

اسی لیے نبی ﷺ نے ہر ایسے کام سے منع فرمایا ہے: جو موجبِ قتل اور باعثِ جنگ ہو' خواہ یہ صورت ہتھیار کے ذریعہ صرف اشارہ کرنے کی حد تک کیوں نہ ہو، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يُشِرْ اَحَدُكُمْ اِلٰى اَخِيْهِ بِالسِّلَاحِ فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِيْ لَعَلَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَعُ فِيْ يَدِهٖ فَيَقَعُ فِيْ حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ)) ❷

''تم میں سے کوئی شخص ہتھیار سے اپنے بھائی کی طرف اشارہ بھی نہ کرے۔ کیا معلوم شیطان اس کے ہاتھ کو جھٹکا دے اور وہ جہنم کے گھڑے میں جا گرے۔''

نیز فرمایا: ''جس نے اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کیا اس پر فرشتے لعنت بھیجتے ہیں' یہاں تک کہ وہ اس سے باز آجائے' خواہ وہ اس کا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔'' ❸

بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو خوفزدہ کرے۔'' ❹

قتل کے گناہ کا مستحق صرف قاتل ہی نہیں ہوگا بلکہ وہ شخص بھی ہوگا جو قول یا فعل سے اس میں شریک ہو۔ وہ اپنی شرکت کے بقدر اللہ کے غضب کا مستحق ہوگا حتیٰ کہ جو شخص قتل کے موقع پر موجود ہو وہ بھی گناہ میں شریک ہوگا۔ حدیث میں ہے: ''کوئی شخص ایسی جگہ موجود نہ رہے جہاں کسی شخص کو قتل کیا جارہا ہو' کیونکہ جو لوگ اس موقع پر موجود ہوں اور اس

❶ بخاری' کتاب الدیات' باب (ومن احیاھا) ح:٦٨٧٥۔ مسلم' کتاب الفتن: باب اذا تواجه المسلمان بسیفیھما ح:٢٨٨٨۔

❷ بخاری' کتاب الفتن: باب قول النبی ﷺ "من حمل علینا السلاح-ح: ٧٠٧٢۔ مسلم' کتاب البر و الصلة: باب النھی عن الاشارة بالسلاح' ح: ٢٦١٧۔

❸ مسلم' کتاب البر و الصلة: باب النھی عن الاشارة بالسلاح: ح:٢٦١٦۔

❹ ابوداود' کتاب الادب: باب من یأخذ الشیئ من مزاح' ح:٥٠٠٤۔

کو بچانے کی کوشش نہ کریں، ان پر بھی لعنت نازل ہوتی ہے۔" ❶

معاہد اور ذمی کے خون کی حرمت

جن نصوص میں مسلمان کے قتل وقتال کی حرمت بیان کی گئی ہے' وہ ایک اسلامی معاشرہ میں مسلمانوں کے لیے قانون اور ہدایت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیر مسلم کا خون حلال ہے۔

درحقیقت ہر انسان کی جان محترم ہے اور انسان ہونے کی حیثیت سے اس کا تحفظ ضروری ہے' بشرطیکہ غیر مسلم مسلمانوں کے ساتھ برسر پیکار نہ ہوں۔ اور اگر وہ معاہد یا ذمی ہوں تو ان کی جان کا تحفظ بھی ضروری ہے اور کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ ان پر زیادتی کرے۔

چنانچہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيْحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ عَامًا)) ❷

"جس نے کسی معاہد (جس سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو) کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا' حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک سے پائی جائے گی۔"

دوسری روایت میں ہے:

((مَنْ قَتَلَ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ لَمْ يَجِدْ رِيْحَ الْجَنَّةِ)) ❸

"جس نے کسی ذمی کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔"

خون کی حرمت کب زائل ہوتی ہے؟

ارشاد ربانی ہے:

---

❶ رواه الطبراني في الكبير (١١/ ٢٦٠) كمافي المجمع (٨/ ٢٩٤) واسناده ضعيف۔

❷ بخاري' كتاب الجزية: باب اثم من قتل معاهداً۔ ح: ٣١٦٦۔

❸ نسائي' كتاب القسامة: باب تعظيم قتل المعاهد' ح: ٤٧٥٣۔

﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ (الانعام: ٦/ ١٥١)

''اور کسی نفس کو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے' قتل نہ کرو' مگر حق کے ساتھ۔''

یہ حق درج ذیل جرائم میں سے کسی ایک جرم کے ارتکاب کی صورت میں قائم ہوتا ہے:

❶ ظلماً قتل کرنے کی صورت میں: جس شخص کے بارے میں دلائل سے ثابت ہو جائے کہ وہ قتل کے جرم کا مرتکب ہوا ہے اس سے قصاص لینا واجب ہے' یعنی جان کے بدلہ جان' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ ﴾ (البقرة: ٢/ ١٧٩)

''تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔''

❷ کھلے بندوں زنا کا ارتکاب: اس طور سے کہ چار صالح اشخاص اسے عینی طور پر اپنی آنکھوں سے زنا کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھ لیں اور اس کی گواہی دیں' بشرطیکہ وہ نکاح کے جائز طریقہ سے واقف ہو۔ اگر وہ خود حاکم کے سامنے چار مرتبہ اس کا اقرار کرے تو یہ اقرار کرنا' گواہی کے قائم مقام ہوگا۔

❸ دینِ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس سے نکل جانا (مرتد ہو جانا) اور اس خروج کے ذریعہ علانیہ اسلامی جماعت کو چیلنج کرنا۔ اسلام کسی کو بھی دین میں داخل ہونے کے لیے مجبور نہیں کرتا' لیکن وہ اس بات کو بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی دین کے ساتھ کھیلنے لگے۔

حدیث میں ہے:

((لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ: اَلنَّفْسِ بِالنَّفْسِ وَالثَّیِّبِ الزَّانِی وَالتَّارِكِ لِدِیْنِهِ الْمُفَارِقِ لِلْجَمَاعَةِ)) ❶

''مسلمان کا خون حلال نہیں بجز تین صورتوں کے۔

① جان کے بدلہ جان۔

---

❶ بخاری' کتاب الدیات: باب قول الله تعالیٰ (ان النفس بالنفس ۔)ح/ ٦٨٧٨، مسلم' کتاب القسامة: باب مایباح به دم المسلم۔ح: ١٦٧٦.

(۲) شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب۔

(۳) اور دین کو ترک کر کے جماعت سے الگ ہونے والا۔''

لیکن ان صورتوں میں اس حد کے نفاذ کی ذمہ داری صاحب امر (سربراہ، حکومت، حاکم وقت) کی ہے۔ افراد کو یہ اختیار نہیں ہے' کہ وہ خود اس حد کو نافذ کریں جس سے امن کو خطرہ لاحق ہو اور لاقانونیت پیدا ہو جائے' نیز ہر شخص اپنے کو قاضی اور قانون کے نفاذ کا ذمہ دار نہ سمجھ لے۔ البتہ قتل عمد کی صورت میں جبکہ قصاص لینا واجب ہے، اسلام نے مقتول کے وارثوں کو اختیار دیا ہے کہ وہ حاکم کی موجودگی میں اپنے ہاتھ سے قصاص لے سکتے ہیں تاکہ ان کے دل ٹھنڈے ہوں اور انتقام کی آگ بجھ جائے اور اس ارشاد الٰہی کی تعمیل ہو:

﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ﴿٣٣﴾ ﴾ (الاسراء: ۱۷/ ۳۳)

''جو شخص ظلماً قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے اختیار دیا ہے' لہٰذا وہ قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ اس کی مدد کی گئی ہے۔''

خودکشی

قتل کے سلسلہ میں جو نصوص وارد ہوئی ہیں اُن کے پیش نظر اس جرم میں خودکشی بھی شامل ہے۔ لہٰذا جس نے خودکشی کی' خواہ کسی بھی ذریعہ سے ہو' اس نے ایک نفس کو قتل کر دیا' جس کا ناحق قتل کرنا اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔

انسان اپنی زندگی کا آپ مالک و مختار نہیں ہے کیونکہ وہ زندگی کے ایک خلیہ اور ذرے کا بھی خالق نہیں ہے۔ زندگی تو اللہ کی امانت ہے۔ لہٰذا اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس معاملہ میں کسی زیادتی کا مرتکب ہو، چہ جائیکہ کہ وہ خود ہی اس کا خاتمہ کر دے۔

فرمان ربانی ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ ﴾ (النساء: ٤/ ٢٩)

''اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تم پر بڑا مہربان ہے۔''

اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان شدائد (مصیبتوں) کا مقابلہ مضبوط قوتِ ارادی کے ساتھ

کرے۔ اسی لیے کسی مصیبت سے گھبرا کر یا کسی امید کے بر نہ آنے کی صورت میں زندگی سے فرار کی راہ اختیار کرنا، ہرگز جائز نہیں ہے۔ مؤمن جدوجہد کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے بیٹھ رہنے کے لیے نہیں۔ اور اس کی تخلیق کشمکش کے لیے ہوئی ہے فرار کے لیے نہیں۔ اس کا ایمان اور اس کا اخلاق کارگاہِ حیات سے فرار اختیار کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اس کے پاس ایسا ہتھیار ہے جو کبھی خراب نہیں ہوتا اور ایسا ذخیرہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ وہ ہتھیار ایمانِ محکم اور وہ ذخیرہ اخلاق کی پختگی کا ہے۔

جو شخص اس جرمِ شنیع کا مرتکب ہو اس کو رسول اللہ ﷺ نے وعید سنائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم اور اس کے غضب کا مستحق ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں' ان میں ایک شخص تھا جو زخمی ہو گیا اور جزع فزع کرنے لگا۔ اسی حالت میں اُس نے خود کو چھری لی اور اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا' جس سے اس قدر خون بہہ پڑا کہ اس کی موت واقع ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "میرے بندے نے اپنے نفس کے معاملہ میں جلد بازی کی لہٰذا میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔" [1]

یہ مثال ہے ایسے شخص کی جو زخم کی تاب نہ لا کر خودکشی کر بیٹھا اور جنت کو اپنے اوپر حرام کر لیا' تو غور کریں جو لوگ کاروبار میں تھوڑے بہت نقصان' یا امتحان میں ناکام ہو جانے کی بنا پر خودکشی کر بیٹھتے ہیں، ان کا معاملہ کس قدر شدید ہوگا؟ کمزور ارادہ کے لوگوں کو یہ وعید سن لینی چاہیے جو حدیث نبوی میں بیان ہوئی ہے:

((مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ تَحَسَّى سَمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فِي يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا' وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا

[1] بخاري' كتاب احاديث الانبياء: باب ماذكر عن بني اسرائيل' ح: ٣٤٦٣۔ مسلم' كتاب الايمان: باب بيان غلظ تحريم قتل الانسان نفسه' ح:١١٣ .

اَبَدًا .)) ❶

''جس نے اپنے کو پہاڑ سے گرا کر خودکشی کر لی وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گرتا رہے گا۔ اور جس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے ہاتھ سے زہر کھاتا رہے گا۔ اور جس نے لوہے کی کسی چیز سے خودکشی کی وہ بھی جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لوہے کی اس چیز سے اپنے کو زخمی کرتا رہے گا۔''

مال و دولت کی حرمت

⑩ اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ مسلمان جس قدر چاہے مال جمع کرے، بشرطیکہ یہ جمع کرنا جائز طریقہ پر ہو اور آمدنی میں اضافہ کے ذرائع بھی جائز ہی اختیار کیے جائیں۔

بعض مذاہب میں یہ کہا گیا:

''دولت مند آسمان کی بادشاہی میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ گزر جائے۔''

تو اس کے مقابلہ میں اسلام کہتا ہے:

((نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ)) ❷

''صالح مال، صالح آدمی کے لیے اچھی چیز ہے۔''

اسلام جہاں فرد کے لیے جائز ملکیت کا قائل ہے وہاں وہ بذریعہ قانون اس کی حفاظت کا سامان بھی کرتا ہے' نیز اخلاقی ہدایات کے ذریعہ بھی غصب' چوری اور مکر و فریب کے ذریعہ دوسروں کے مال میں زیادتی کرنے سے روکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جان' مال اور آبرو سب کی حرمت ایک ہی سیاق میں بیان فرمائی ہے۔ ❸ اور چوری کو ایمان کے منافی

❶ بخاري' كتاب الطب: باب شرب السم الدواء ح/ ٥٧٧٨ ، مسلم' كتاب الايمان: باب بيان غلظ تحريم قتل الانسان نفسه' ح:١٠٩ .

❷ سند احمد (٤/ ١٩٧) مستدرك حاكم (٢/ ٢) شرح السنة (٢٤٩٥) .

❸ بخاري ـ كتاب المغازي باب حجة الوداع' ح:٤٤٠٦ ـ مسلم' كتاب القسامة : باب تغليظ تحريم الدماء والاعراض والاموال' ح: ١٦٧٩ .

قرار دیا ہے۔ فرمایا:

''چور مؤمن ہونے کی حالت میں چوری نہیں کرتا۔'' ❶

قرآن نے چوری کی سزا بیان فرمائی:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (المائدة : ٥/ ٣٨)

''اور چور مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کے کیے کا بدلہ اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

اور نبی ﷺ نے فرمایا: ''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کی رضا مندی کے بغیر اس کا ایک عصا (لکڑی) بھی لے لے۔'' ❷

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ﴾ (النساء : ٤/ ٢٩)

''اے ایمان والو! ایک دوسرے کے مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ' مگر یہ کہ لین دین ہو آپس کی رضا مندی سے۔''

رشوت حرام ہے

رشوت بھی لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھانے کی ایک صورت ہے۔ رشوت یہ ہے کہ مال صاحبِ اقتدار یا سرکاری ملازم کو پیش کیا جائے' تا کہ وہ اس کے حق میں' یا اس کے حریف کے خلاف فیصلہ کردے یا اس کے حریف کے کام کو مؤخر کر دے وغیرہ۔

اسلام نے حکام اور حکومتی کے معاونین کے لیے رشوت ستانی کو حرام ٹھہرایا ہے۔ نہ رشوت دینا جائز ہے اور نہ اس کا قبول کرنا۔ اسی طرح دونوں کے درمیان واسطہ بننا بھی ممنوع ہے۔

❶ بخاري' كتاب الحدود: باب مايحذر من الحدود' ح: ٦٧٧٢ ـ مسلم' كتاب الايمان: باب بيان نقصان الايمان بالمعاصي ح :٥٧ـ

❷ مسند احمد (٥/ ٤٢٥) صحيح ابن حبان (موارد ـ ١١٦٦) ـ (الاحسان' ٧/ ٥٨٧)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (البقرة: ۲/ ۱۸۸)

''آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ اور نہ ان کو حاکموں کے آگے اس غرض سے پیش کرو کہ تمہیں کسی ایک فریق کے مال کا کوئی حصہ قصداً حق تلفی کر کے گناہ کے ساتھ کھانے کا موقع مل جائے اس حال میں کہ تم جانتے بھی ہو۔''

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ فِي الْحُكْمِ)) ❶

'' اللہ کی لعنت ہو حکومت کے معاملات میں رشوت دینے والے پر بھی اور رشوت لینے والے پر بھی۔''

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ وَالرَّائِشَ)) ❷

''رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے، رشوت لینے والے اور دونوں کے درمیان واسطہ بننے والے تینوں پر لعنت فرمائی ہے۔''

رشوت لینے والا اگر ظلم و زیادتی کرتے ہوئے رشوت لیتا ہے، تو اس کے جرم کی سنگینی دو چند ظاہر ہی ہے۔ اور اگر عدل کرنے کی غرض سے لیتا ہے، تو عدل کرنا اس کی ذمہ داری ہے، اس کے عوض مال قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو یہود کی طرف بھیجا تاکہ وہ خراج کی مقدار مقرر کریں۔ یہود نے ان کے لیے کچھ مال کی بھی پیش کش کر دی، لیکن انہوں نے دوٹوک جواب میں کہا: ''تم نے رشوت کی جو پیشکش کی ہے وہ حرام ہے۔ ہم رشوت نہیں کھاتے۔'' ❸

---

❶ مسند احمد (۲/ ۳۸۸،۳۸۷) ترمذی، کتاب الاحکام: باب ماجاء فی الراشی والمرتشی، ح: ۱۳۳۶۔

❷ مسند احمد (۵/ ۲۷۹) مستدرك حاكم (٤/ ١٠٣)، مسند البزار (١٣٥٣) واسناده ضعيف۔

❸ موطا امام مالك (۲/ ۷۰۳) كتاب المساقاة: باب ما جاء فی المساقاة، ح:۲۔ واسناده مرسل واخرجه احمد (۳/ ۳٦۷) باسناد متصل۔

رشوت ستانی کی یہ حرمت اور اس گناہ میں شریک ہونے والوں کے بارے میں اسلام کے سخت احکام، قابل تعجب نہیں ہیں' کیونکہ کسی بھی سماج میں رشوت کا عام ہونا اس معاشرہ میں ظلم وفساد کے عام ہونے کے مترادف ہے۔ کیونکہ رشوت لے کر خلاف حق فیصلے کیے جاتے ہیں اور جس کا کام بعد میں ہونا چاہیے اس کا پہلے اور جس کا پہلے ہونا چاہیے اس کا بعد میں کر دیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ سماج میں فرائض کی انجام دہی کی اسپرٹ (روح) پیدا ہونے کے بجائے مفاد پرستی کی اسپرٹ پیدا ہو جاتی ہے۔

حکام کے آگے ہدیے پیش کرنا

اسلام رشوت کو حرام قرار دیتا ہے خواہ اس کی کوئی صورت اور کوئی نام بھی ہو۔ رشوت کو ہدیہ کے نام سے پیش کرنے سے اس کی حرمت حلت میں تبدیل نہیں ہو جاتی۔

حدیث میں ہے:

((مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا اَخَذَهٗ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ غُلُوْلٌ)) [1]

''جس کو ہم نے کسی کام پر مقرر کر دیا اور اس کے معاش کا بھی انتظام کر دیا، اگر اس کے بعد وہ جو کچھ لے گا' وہ خیانت ہوگی۔''

سیّدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ نے اسے واپس کر دیا۔ آپ سے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے۔ تو انہوں نے جواب دیا:

''آپ ﷺ کے لیے ہدیہ تھا اور ہمارے لیے رشوت ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ایک والی کو قبیلۂ ازد کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے کچھ مال اپنے لیے روک رکھا اور کہا: ''یہ آپ لوگوں کا ہے اور یہ میرے لیے ہدیہ ہے۔'' نبی ﷺ اس پر برہم ہوئے اور فرمایا: ''اگر تم سچے ہو تو اپنے باپ یا ماں کے گھر میں بیٹھے رہتے اور پھر دیکھ لیتے کہ ہدیہ تمہارے پاس آتا ہے یا نہیں۔'' پھر فرمایا:

((مَالِيَ اَسْتَعْمِلُ الرَّجُلَ مِنْكُمْ فَيَقُوْلُ:هٰذَا لَكُمْ وَهٰذَا لِيْ هَدِيَّةٌ

[1] ابوداود' کتاب الخراج : باب فی ارزاق العمال' ح:۲۹۴۳۔

آلا جَلَسَ فِي بَيْتِ أُمِّهِ لِيُهْدَى لَهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ مِنْكُمْ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَتَى اللَّهَ يَحْمِلُهُ، فَلَا يَأْتِيَنَّ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْقِيمَةِ بِبَعِيرٍ لَهُ رُغَاءٌ أَوْ بَقَرَةٍ لَهَا خُوَارٌ أَوْ شَاةٍ تَيْعَرُ۔ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رُئِيَ بَيَاضُ إِبِطَيْهِ ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ)) ❶

''کیا بات ہے کہ جس شخص کو میں عامل مقرر کرتا ہوں وہ کہتا ہے: ''یہ تمہارے لیے ہے اور یہ میرے لیے ہدیہ ہے؟'' وہ اپنی ماں کے گھر میں نہ بیٹھا رہا کہ ہدیہ اس کے پاس آ جاتا! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے جو شخص بھی کوئی چیز بغیر حق کے لے گا' وہ اللہ کے ہاں اس مال کو اپنے اوپر لادے ہوئے آئے گا (قیامت کے روز)۔ تو دیکھو تم میں سے کوئی شخص قیامت کے دن اپنی گردن پر اونٹ' گائے یا بکری کو اٹھائے ہوئے نہ آئے اس حال میں کہ یہ جانور چیخ رہے ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے بغل کی سفیدی دکھائی دینے لگی اور فرمایا: اے اللہ...... میں (حق بات) پہنچا چکا۔''

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان شدید احکام کے پیش نظر قاضی اور والی کو چاہیے کہ وہ خود کو اپنے ماں باپ کے گھر میں فرض خیال کر لے۔ منصب سے معزولی کی صورت میں اسے اپنی ماں کے گھر میں رہتے ہوئے جو کچھ ملتا تھا اس کو منصب پر رہتے ہوئے حاصل کرنا جائز ہوگا۔ اور جس کے بارے میں اسے یہ معلوم ہو کہ یہ منصب کی بنا پر مل رہا ہے تو اس کا لینا بھی حرام ہوگا۔ رہے احباب کے وہ ہدیئے جن کے بارے میں اشکال محسوس ہو کہ معزول ہونے کی صورت میں اسے ملتے یا نہیں تو وہ مشتبہ ہیں بہرنوع مؤمن کو ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔''

---

❶ بخاري' كتاب الاحكام: باب هدايا العمال' ح:٧١٧٤۔ مسلم' كتاب الامارة: باب تحريم هدايا العمال' ح: ١٨٣٢ ۔ ❷ احياء علوم الدين۔ كتاب الحلال والحرام۔ ٢۔١٣٧ ۔

رفع ظلم کے لیے رشوت

جس شخص کی حق تلفی ہو رہی ہو اور بجز رشوت کے کوئی صورت اس کے حصول کی نہ ہو' یا اس پر ظلم کیا جا رہا ہو اور سوائے رشوت کے اس کا دفعیہ (حل) ممکن نہ ہو' تو ایسی صورت میں افضل یہ ہے کہ صبر سے کام لیا جائے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے رفع ظلم اور حصول حق کی بہتر صورت پیدا فرمائے' لیکن اگر اس مجبوری کی بنا پر اسے رشوت دینا پڑے تو گناہ رشوت لینے والے کے سر ہوگا' دینے والے پر نہیں ہوگا' بشرطیکہ اس نے دوسرے تمام ذرائع سے کام لیا ہو اور وہ نتیجتاً بے سود رہے ہوں' نیز وہ رشوت دے کر ظلم کو دور کرنا یا اپنا حق وصول کرنا چاہتا ہو نہ کہ دوسروں کی حق تلفی کرنا مقصود ہو۔

بعض علماء اس سلسلہ میں ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص میرے پاس سے اپنی بغل میں صدقہ کا مال دبائے نکل جاتا ہے' حالانکہ وہ اس کے لیے آگ ہے۔'' سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جب اس کے لیے آگ ہے تو آپ اسے کس طرح دیتے ہیں؟ فرمایا: ''کیا کروں' وہ اس طرح مانگتے ہیں کہ پیچھا ہی نہیں چھوڑتے اور اللہ عزوجل کو یہ بات پسند نہیں کہ میں بخل سے کام لوں۔'' [1]

جب اصرار و دباؤ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سائل کو مال دیا کرتے تھے اور یہ جانتے ہوئے دیا کرتے تھے کہ یہ لینے والے کے حق میں آگ ہے' تو ظلم کو دفع کرنے اور اپنا تلف شدہ حق وصول کرنے کی ضرورت کا دباؤ قبول کرنا کیونکہ جائز نہ ہوگا؟

اپنے مال میں اسراف کرنا حرام ہے

جس طرح دوسروں کے مال کی حرمت ہے اسی طرح انسان کے اپنے مال کی بھی حرمت ہے۔ اسے نہ ضائع کرنا چاہیے اور نہ اسراف سے کام لے کر ادھر ادھر بکھیر دینا چاہیے۔ افراد کے مال میں تمام امت (غرباء وفقراء) کا حق ہے اور تمام مالکوں کے بعد وہی

[1] مسند احمد (۳/ ٤-١٦) - صحیح ابن حبان (موارد-٨٤٨) (الاحسان - ٥/ ١٧٤-١٧٥) مسند ابی یعلی (١٣٢٧) مسند البزار (٩٢٤'٩٢٥).

اس کی مالک ہے۔ اسی لیے اسلام نے امت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ نادان لوگوں کے مال کو روکے۔ قرآن میں ہے:

﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ ﴾ (النساء: ٤/ ٥)

''اور اپنے مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے قیام کا ذریعہ بنایا ہے' نادانوں کے حوالہ نہ کرو' البتہ اس سے انہیں کھلاؤ' پہناؤ اور ان سے بھلے طریقہ پر بات کرتے رہو۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت سے مخاطب ہو کر کہا ہے ﴿ أَمْوَالَكُمْ ﴾ (تمہارے مال) حالانکہ بظاہر یہ ان کے مال نہیں ہیں۔لیکن چونکہ حقیقۃً افراد کا مال مجموعی طور پر امت کا مال ہے اس لیے ﴿ أَمْوَالَكُمْ ﴾ فرمایا۔

اسلام، انصاف پسند اور اعتدال کا دین ہے اور امت مسلمہ امت معتدل بھی ہے۔ اور مسلمان ہر معاملہ میں اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو اسراف اور تبذیر سے منع فرمایا۔ نیز بخل اور تنگی کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ فرمایا:

﴿ يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝ ﴾ (الاعراف: ٧/ ٣١)

''اے اولادِ آدم! ہر مسجد کی حاضری کے وقت اپنی زینت اختیار کرو اور کھاؤ پیو۔ البتہ اسراف نہ کرو۔ بلاشبہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اسراف یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ نے حرام ٹھہرائی ہیں ان میں خرچ کیا جائے خواہ کم خرچ کیا جائے یا زیادہ مثلاً: شراب' مخدراتِ عقل' سونے چاندی کے برتن وغیرہ یا اپنے نفس اور دیگر لوگوں پر مال اڑایا جائے' حالانکہ نبی ﷺ نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ [1] یا جس چیز کی ضرورت نہ ہو اس میں بے دریغ اتنا خرچ کیا جائے کہ ہاتھ خالی ہو جائے۔

---

[1] بخاری' کتاب الرقاق: باب مایکرہ من قیل وقال' ح۔ ٦٤٧٣، مسلم' کتاب الاقضیۃ: باب النہی عن کثرۃ المسائل۔ ح: ١٤/ ٥٩٣.

امام رازی رحمہ اللہ آیت ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ۭ﴾ (البقرۃ:۲/۲۱۹) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو خرچ کرنے کا سلیقہ سکھایا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا: ''رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی اور فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔'' ❶

اور فرمایا:

''نہ تو اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو۔'' ❷

نیز فرمایا:

''جو خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ تنگی سے۔'' ❸

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

''جب تم میں سے کسی شخص کے پاس مال ہو تو وہ اپنے نفس سے ابتدا کرے، پھر جو اس کے زیر کفالت ہوں ان پر اور ان کے بعد دوسرے لوگوں پر خرچ کرے۔'' ❹

نیز فرمایا:

''بہترین صدقہ وہ ہے جو آدمی کو (خرچ کرنے کے بعد بھی) غنی رہنے دے۔'' ❺

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے کہ ایک شخص انڈے کے بقدر سونا لے آیا اور عرض کیا: اسے صدقہ میں قبول فرمائیے۔ قسم ہے!

---

❶ اسراء:۱۷ ۲۶۔ ❷ اسراء: ۱۷ ۲۹۔ ❸ فرقان: ۲۵ ۶۷۔

❹ مسلم' کتاب الزکوٰۃ: باب الابتداء فی النفقة بالنفس ثم اھله' ح: ۹۹۷۔

❺ مسند احمد (۳/ ۴۳۴) طبرانی فی الکبیر (۱۲/ ۱۴۹)۔ وھو متفق علیه بلفظ آخر انظر بخاری، (۱۴۲۷) مسلم (۱۰۳۴) اخرجه ابوداود فی الزکوٰۃ (۱۶۷۶) بلفظ "ان خیر الصدقة ما ترك غنی" عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ ۔

میرے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا۔ لیکن وہ شخص پھر سامنے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: لاؤ اور اس کو غصہ کی حالت میں لے کر اس کی طرف اس طرح پھینک دیا کہ اگر کسی کے لگ جاتا تو اس کے چوٹ آجاتی۔ پھر فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اپنا سارا مال لے کر آجاتا ہے اور پھر بعد میں لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے بیٹھ جاتا ہے۔''
صدقہ وہ ہے جو غنی کی حالت کو برقرار رکھتے ہوئے کیا جائے۔ اسے لے لو ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' ❶

نبی ﷺ اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کی خوراک ذخیرہ کر کے رکھتے تھے۔ ❷

دانشور کہتے ہیں:

''فضیلت افراط وتفریط کے درمیان ہے۔ ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا فضول خرچی ہے اور بہت کم خرچ کرنا بخل ہے۔ اور بہترین صورت اعتدال کی ہے اور یہی مطلب ہے۔ ﴿قُلِ الْعَفْوَ﴾ کا۔ اس دقیق نکتہ کو ملحوظ رکھنے پر شریعتِ محمدیہ کا دارومدار ہے کیونکہ یہود کی شریعت پوری طرح سخت گیری پر مبنی ہے اور نصاریٰ کی شریعت پوری طرح سہل انگاری پر۔ شریعت محمدیہ ہی ان تمام امور میں متوسط ہے۔ اسی لیے وہ ان سب کے مقابلہ میں کامل ترین شریعت ہے۔'' ❸

---

❶ ابوداود' کتاب الزکوٰۃ : باب الرجل یخرج من ماله' ح:۱٦٧٣۔ سنن الدارمی (۱/ ۳۹۱) مستدرك حاكم (۱/ ٤١٣) واسناده ضعيف۔

❷ بخاری' کتاب النفقات : باب حبس الرجل قوت سنة على اهله۔ ح/ ٥٣٥٧ ، مسلم' کتاب الجهاد: باب حكم الفئ' ح/ ۱۷٥٧۔

❸ تفسیر رازی۔ ج٦' ص٥١ .

غیر مسلمین سے تعلقات

دین کے مخالفین کے ساتھ معاملہ کرنے کے سلسلہ میں اگر ہم اسلامی تعلیمات کو اجمالاً بیان کرنا چاہیں تو قرآن کریم کی دو آیتیں ہی کافی ہیں' جو اس معاملہ میں ایک جامع دستور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ یہ ہیں:

﴿ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾

(الممتحنة : ٦٠/ ٨-٩)

''اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی۔ ایسے لوگوں سے جو دوستی کریں گے وہی ظالم ہوں گے۔''

پہلی آیت میں اُن غیر مسلمین کے ساتھ جو مسلمانوں کے دشمن' یا ان سے برسر جنگ نہیں ہیں، نہ صرف عدل و انصاف کی بلکہ حسن سلوک اور ''بِرّ'' کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔ ''بِرّ'' ایک جامع لفظ ہے' جو ہر قسم کی خیر اور بھلائی کو شامل ہے گویا ''بِرّ'' عدل سے زائد چیز ہے۔

آیت کے الفاظ ﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ﴾ (اللہ تمہیں نہیں روکتا) سے حسنِ سلوک کے

مطلوب ہونے کی نفی نہیں ہوتی' کیونکہ یہ اسلوب اس بنا پر اختیار کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات آسکتی تھی کہ دین کے مخالفین حسن سلوک اور عدل وغیرہ کے مستحق نہیں ہیں۔ اس غلط فہمی کو دُور کرنے کے لیے واضح کر دیا گیا کہ اللہ مخالفین کے ساتھ حسن سلوک' دوستی اور عدل کرنے سے نہیں روکتا بلکہ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات سے روکتا ہے جو مسلمانوں کے خلاف برسر جنگ ہوں اور ان کے خلاف جارحیت اختیار کریں۔

اہلِ کتاب کے ساتھ خصوصی رعایت

اسلام جہاں اپنے مخالفین کے ساتھ عدل اور حسن سلوک کرنے سے نہیں روکتا' خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں یہاں تک کہ وہ بت پرست مشرک ہی کیوں نہ ہوں' وہاں وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ خصوصی رعایت برتتا ہے خواہ وہ دارالاسلام میں رہتے ہوں یا اس سے باہر؛ چنانچہ قرآن ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ (اے اہل کتاب!) اور ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ (اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی گئی تھی) کہہ کر ان سے خطاب کرتا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اصلاً آسمانی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کے اور مسلمانوں کے درمیان رشتہ و قرابت ہے' یعنی اس دینِ واحد کے اصولوں میں اتفاق ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین رہا ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾

(الشوریٰ: ۴۲/ ۱۳)

"اس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جس کو تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو کی تھی کہ اس دین کو قائم کرو اور اس میں جدا جدا نہ ہو جاؤ۔"

اور مسلمانوں سے اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ اللہ کی تمام کتابوں اور تمام رسولوں پر ایمان لائیں اس کے بغیر ایمان معتبر نہیں ہے۔ اہلِ کتاب جب قرآن پڑھتے ہیں تو انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی کتابوں اور ان کے پیغمبروں کی اس میں کس قدر تعریف کی گئی ہے۔

مسلمان جب اہل کتاب سے بحث کریں' تو انہیں ایسی باتوں سے احتراز کرنا چاہیے' جن سے نفرت وعداوت کے جذبات پیدا ہوتے ہوں:

﴿ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ڰ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت: ٢٩/ ٤٦)

"اہل کتاب سے بحث نہ کرو' مگر احسن طریقہ سے' سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں اور کہو ہم ایمان لائے اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور اس چیز پر بھی جو تمہاری طرف نازل کی گئی۔ ہمارا الٰہ اور تمہارا الٰہ ایک ہی ہے اور ہم اسی کے مسلم (مطیع وفرمانبردار اور تابعدار) ہیں۔"

اس سے پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلام نے اہل کتاب کے ساتھ کھانے میں شرکت اور ان کا ذبیحہ کھانے کی اجازت دی ہے اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو بھی جائز قرار دیا ہے حالانکہ زوجیت کا رشتہ سکون ومودّت کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ہے عام اہل کتاب کے ساتھ اسلام کا روا دارانہ سلوک اور خاص طور سے نصاریٰ کو تو اسلام نے مسلمانوں کے دلوں میں قریبی جگہ دی ہے:

﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ ﴾

(المائدۃ: ٥/ ٨٢)

"تم ایمان لانے والوں کی دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنھوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان میں عالم اور راہب ہیں اور وہ بلاشبہ تکبر نہیں کرتے۔"

ذِمّی (اسلامی حکومت کے غیر مسلم شہری)

مذکورہ ہدایات تمام اہلِ کتاب کے سلسلہ میں ہیں' خواہ وہ کہیں بھی رہتے ہوں' لیکن جو

اہل کتاب اسلامی حکومت کے زیر سایہ مقیم ہوں ان کا ایک خاص مقام ہے۔ اصطلاحاً ان کو ذمی کہا جاتا ہے۔ ذمی لفظ ذمہ یعنی عہد و معاہدہ کے معنی میں ہے۔ یہ لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کے ساتھ اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں کی جماعت کا یہ عہد و معاہدہ ہے کہ وہ اسلام کے زیر سایہ امن و اطمینان کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ جدید اصطلاح میں اسلامی حکومت کے ''شہری'' ہیں اور قرونِ اولی سے لے کر آج تک مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان کے حقوق و فرائض وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں، بجز ان امور کے جو عقیدہ و مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، کیونکہ اسلام ان کو ان کے مذہب پر قائم رہنے کی مکمل آزادی دیتا ہے۔ ❶ اس بات پر پہلے زمانہ سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے، کہ ان کے حقوق و فرائض وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں بجز اُن امور کے جو عقیدہ و مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، کیونکہ اسلام ان کو ان کے مذہب پر قائم رہنے کی آزادی دیتا ہے۔

---

❶ میں کہتا ہوں:...... یہ اس قسم کے فاضل مؤلف کو وہم ہوا ہے۔ میرے خیال میں اس کا سبب یہ ہے کہ یہ سر تسلیم خم کرنے کا سبب وہ احادیث ہیں جو زبان زد عام ہیں۔ مؤلف ان سے متاثر ہوئے ہیں اور ان کی صحت کے بارے میں جانچ پرکھ نہیں کی۔ یہ بات کہ انکے لیے وہی ہے جو مسلمانوں کے لیے ہے اور ان پر وہی ہے جو مسلمانوں پر ہے۔ یہ بھی ان گردش کرنے والی احادیث میں سے ایک ہے۔ زیادہ تر خطباء علم سنت وفقہ سے عدم واقفیت کی بناء پر اسے بہت شوق سے بیان کررہے ہیں۔ حالانکہ فقہاء کی نظر میں بھی معاملہ اس قدر مطلق و آزاد نہیں۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ جمہور علمائے کرام اس کے قائل ہیں کہ مسلمان کو ذمی کے عوض قتل نہ کیا جائے گا اور ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔

علاوہ ازیں بہت سارے حقوق ایسے ہیں جو مسلمان کے مسلمان کے لیے ہیں اور ذمی ان میں شامل نہیں جیسا کہ نبی ﷺ کا قول اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں۔ ایک روایت میں چھ آتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی حقوق ہیں جن کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے۔

اس لیے یہ حدیث جو لوگوں کی زبان پر گردش کر رہی ہے اس کی سنت کی کتابوں میں کوئی اصل نہیں اور یہ اپنے اطلاق کے لحاظ سے بھی باطل ہے۔ میں جب اسے کسی سے سنا کرتا تھا تو میں اس کے ساتھ بہت حسن ظن رکھتا تھا اور میں اسے بیان بھی کیا کرتا تھا اور مجھے یہ علم تک نہ تھا کہ یہ بے اصل ہے۔ تاہم یہ میرے ذہن میں تھا کہ یہ اپنے اطلاق پر باقی نہیں ہوگی کہ ہر مسلمان کا حق اور ذمی کا حق برابر ہوں۔ یہاں تک کہ میں نے مؤلف عفا اللہ عنہ کو دیکھا کہ اسے عام قرار دیتے ہیں۔ خاص نہیں کہتے یا یوں کہہ لیں مطلق بیان کرتے ہیں مقید نہیں کرتے۔ بلکہ انہوں نے وضاحت وصراحت سے کہہ دیا ہے کہ ذمی اور مسلمان برابر ہیں۔ صرف یہ مستثنی ہیں کہ دین اور عقیدہ ⇐

تاہم ذمیوں کے حقوق کا خیال رکھنے کی بابت نبی ﷺ نے بڑی تاکید فرمائی ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے:

((مَنْ اٰذٰی ذِمِّیًّا فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ)) ❶

''جس نے کسی ذمی کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔ اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی۔''

((مَنْ اٰذٰی ذِمِّیًّا فَاَنَا خَصْمُہٗ وَمَنْ کُنْتُ خَصْمَہٗ خَصَمْتُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔)) ❷

''جس نے کسی ذمی کو اذیت دی اس کے خلاف میں مقدمہ لڑوں گا اور جس کے خلاف میں مقدمہ لڑوں گا وہ قیامت کے دن ضرور مغلوب ہوگا۔''

((مَنْ ظَلَمَ مُعَاھِدًا اَوِ انْتَقَصَہٗ حَقًّا اَوْکَلَّفَہٗ فَوْقَ طَاقَتِہٖ اَوْاَخَذَ مِنْہُ شَیْئًا بِغَیْرِ طِیْبِ نَفْسٍ مِنْہُ فَاَنَا حَجِیْجُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ)) ❸

''جس نے کسی معاہد (جس کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو) پر ظلم کیا' یا اس کی حق تلفی کی' یا اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ اس پر ڈال دیا' یا اس کی مرضی

⇦⇦ کے معاملات مخصوص ہیں کہ اسلام ہر ایک کو اس کی مرضی کا دین اپنانے کی اجازت دیتا ہے۔

حدیث میں وہم کا منشاء وبنیاد یہ ہے کہ یہ اہل کتاب کے بارے میں وارد ہوئی ہے جبکہ وہ اسلام لے آئیں' تو مسلمانوں کے مؤلف نے اس مناسبت کی بناء پر حدیث کی تفصیل کی ہے پھر اسے مطلقاً استعمال کیا ہے۔ یہ اس وہم کا اصلی سبب ہے۔ واللہ المستعان

میں نے اس بات پر سیر حاصل بحث ''احادیث ضعیفہ'' رقم نمبر (۱۱۰۳) کے تحت کی ہے۔ (غایۃ ۲۱۳)

❶ قال الشیخ الالبانی رحمہ اللہ "لااصل لہ بھذا اللفظ لا عند الطبرانی ولا عند غیرہ الخ: غایۃ المرام (ص ۲۱۲) وقال ملا علی القاری "من احادیث الباطلۃ ..... من آذی ذمیا فقد آذانی (اسرار المرفوعۃ ص:۴۸۲).

❷ تاریخ بغداد (۸/ ۳۷۰)واسنادہ منکر .

❸ ابوداؤد' کتاب الخراج: باب فی تعشیر اھل الذمۃ اذا اختلفوا بالتجارۃ' ح:۳۰۵۲۔ السنن الکبریٰ للبیھقی۔(۹/ ۲۰۵).

کے بغیر اس کی کوئی چیز لے لی، تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے مقدمہ لڑوں گا۔"

ان غیر مسلم شہریوں کے حقوق اور حرمتوں کا لحاظ رسول اللہ ﷺ کے خلفاء برابر کرتے رہے' اور فقہائے اسلام نے فقہی اختلافات کے باوجود ان حقوق اور حرمتوں سے پورا پورا اتفاق کیا ہے۔

مالکی فقہ کے عالم شہاب الدین قرافی کہتے ہیں:

"ذمیوں کے معاہدہ نے ہم پر کچھ حقوق عائد کیے ہیں' کیونکہ وہ ہماری ہمسائیگی' حفاظت اور امان میں آگئے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ' اس کے رسول اور دینِ اسلام نے امان عطا کی ہے۔ لہٰذا جو شخص ان پر کسی قسم کی زیادتی کرے گا' خواہ وہ معمولی حد تک ہو' مثلاً: ان سے بری بات کہنا' یا ان میں سے کسی کی غیبت کرنا' یا انہیں کسی قسم کی اذیت پہنچانا یا اس طرح کی باتوں میں تعاون کرنا تو وہ اللہ' اس کے رسول اور دینِ اسلام کے عطاء کردہ امان کو تلف کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔" [1]

علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"جو ذمی ہو اور اہلِ حرب ہمارے ملک میں داخل ہو کر اس پر حملہ کرنا چاہیں تو ہم پر واجب ہے کہ مسلح ہو کر ان کا مقابلہ کریں' اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی امان میں ہے اس کی حفاظت کرتے ہوئے مرجانا پسند کریں' لیکن اس کو دشمنوں کے حوالہ نہ کریں کہ یہ ذمی بنا لینے کے معاہدہ سے بے اعتنائی برتنے کے مترادف ہے۔" [2]

غیر مسلمین سے موالات (دوستی) کے تعلقات اور اس کا مطلب

ممکن ہے بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو کہ غیر مسلمین کے ساتھ نیکی' دوستی اور حسنِ معاشرت کے تعلقات کس طرح پیدا کیے جاسکتے ہیں؟ جبکہ قرآن خود کفار کے ساتھ دوستی کا

---

[1] کتاب الفروق للقرافي. [2] مراتب الاجماع لا بن حزم.

تعلق پیدا کرنے اور انہیں اپنا حلیف اور دوست بنانے کی ممانعت کرتا ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَٰرِعُونَ فِيهِمْ ﴾

(المائدۃ : ۵/ ۵۱-۵۲)

''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو تم میں سے ان کو اپنا دوست بنائے گا تو اس کا شمار بھی ان ہی میں سے ہوگا۔ اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرتا۔ تم دیکھتے ہو کہ جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے وہ ہی ان میں دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیتوں کا حکم علی الاطلاق نہیں ہے' کہ ہر یہودی' نصرانی یا کافر پر اس کا اطلاق ہو' ورنہ یہ بات ان آیتوں اور نصوص کے متناقض ہوگی جن میں خیر و بھلائی پسند لوگوں کے ساتھ' خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں' دوستانہ تعلقات کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ پھر اہل کتاب کے ساتھ مصاہرت (سسرالی) کا رشتہ اور کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے' جبکہ زوجیت کا تعلق قرآن کے نزدیک باعثِ مؤدت و رحمت ہے۔ اور نصاریٰ کے بارے میں قرآن کا بیان ہے کہ تم انہیں اپنا قریبی دوست پاؤ گے۔

جن آیتوں میں موالات سے منع کیا گیا ہے ان کا تعلق دراصل ایسے لوگوں سے ہے جو اسلام کے دشمن اور مسلمانوں سے برسرِ جنگ ہوں۔ ان کی مدد اور پشت پناہی کرنا' انہیں راز دار بنانا اور ملی مفاد کے خلاف انہیں اپنا حلیف بنا کر ان کی قربت حاصل کرنا، کسی مسلمان کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے۔ اس کی صراحت دوسری آیتوں میں کی گئی ہے: مثلاً سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۚ

وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١١٨﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ ﴾ (آل عمران: ۳/ ۱۱۸۔۱۱۹)

''اے ایمان والو! اہل ایمان کے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ وہ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ جو بات تمہارے لیے باعثِ زحمت ہو وہ ان کو محبوب ہے۔ ان کا بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے اپنے احکام واضح کر دیئے ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔ یہ تم ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔''

اس آیت میں ایسے لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے' جو مسلمانوں سے نفرت و عداوت کو دل میں چھپاتے ہیں' لیکن ان کی گفتگو سے اس کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ﴾

(المجادلة: ۸۵/ ۲۲)

''جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں' ان کو تم ان لوگوں سے محبت کرتے ہوئے کبھی نہ پاؤ گے' جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں' خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے' ان کے بھائی ہوں یا اہل خاندان۔''

اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کا مطلب محض کفر کرنا نہیں ہے' بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جارحانہ کارروائی کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاۗءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ

اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ﴾ (الممتحنة : ٦٠/ ١)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان سے دوستی کا اظہار کرتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آچکا ہے اس سے وہ انکار کر چکے ہیں۔ وہ رسول کو اور تم کو اس بنا پر جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو۔''

یہ آیت مشرکین مکہ کے ساتھ موالات (دوستانہ تعلقات) کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی' جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کی تھی اور مسلمانوں کو ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا تھا' محض اس بنا پر کہ مسلمان کہتے تھے: ''ہمارا رب اللہ ہے۔'' ایسے لوگوں کے ساتھ موالات کے تعلقات کسی حال میں جائز نہ تھے۔ اس کے باوجود قرآن نے ان لوگوں سے دوستی کی امید منقطع کرنے کے لیے نہیں کہا اور نہ ان سے قطعی طور پر مایوسی کا اعلان کیا' بلکہ مسلمانوں سے کہا کہ وہ حالات کی تبدیلی اور دلوں کی صفائی کے لیے پُر امید رہیں' چنانچہ اسی سورۃ میں چند آیتوں کے بعد فرمایا ہے:

﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (الممتحنة : ٦٠/ ٧)

''عجب نہیں کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان محبت ڈال دے جن سے تمہاری دشمنی ہے۔ اللہ بڑی قدر والا ہے۔ اور وہ غفور و رحیم ہے۔''

قرآن کی اس تنبیہ کے نتیجہ میں دشمنی کی حدت کم ہو جاتی ہے' جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

((اَبْغِضْ عَدُوَّكَ هَوْنًا مَّا عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ حَبِيْبَكَ يَوْمًا مَّا)) ❶

''اپنے دشمن سے بغض کس قدر کم رکھو' ہوسکتا ہے کہ وہ کسی دن تمہارا دوست بن جائے۔''

---

❶ ترمذی' کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی الاقتصاد فی الحب والبغض' ح:١٩٩٧۔ شعب الایمان (٥/ ٢٦٠' ح:٦٥٩٣).

البتہ دشمنوں سے موالات کی حرمت اس صورت میں مؤکد ہو جاتی ہے، جبکہ وہ ایسے قوی ہوں کہ ان سے لوگ توقعات رکھتے ہوں اور ڈرتے بھی ہوں۔ منافق اور دل کے مریض ایسے لوگوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے اور ان کے کام آتے ہیں، اس امید پر کہ کل کو یہ بات ان کے حق میں سودمند ثابت ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿٥٢﴾﴾ (المائدة: ٥/ ٥٢)

"تم دیکھتے ہو کہ جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے وہ ہی ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) میں دوڑ دھوپ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کسی مصیبت کے چکر میں نہ پھنس جائیں۔ مگر بہت ممکن ہے کہ اللہ تمہیں فتح بخشے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے تو یہ جو کچھ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اس پر نادم ہوں گے۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣٨﴾ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿١٣٩﴾﴾ (النساء: ٤/ ١٣٨-١٣٩)

"منافقوں کو یہ خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ وہ جو اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ کیا یہ ان کے ہاں عزت کے خواہاں ہیں؟ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔"

مسلمان حکام ہوں یا رعایا، فنی امور میں جو دین سے متعلق نہیں ہیں مثلاً: طب، صنعت، زراعت وغیرہ میں غیر مسلموں سے تعاون حاصل کر سکتے ہیں، اگرچہ ان کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ ان تمام امور میں خود کفیل ہوں۔

سیرتِ نبوی میں ہمیں یہ واقع ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک عبد اللہ بن

اُریقط کی ہجرت کے موقع پر رہبری کے لیے خدمات حاصل کی تھیں۔ ❶ علماء کہتے ہیں: رہبری سے زیادہ خطرناک بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ خاص طور سے مدینہ کی ہجرت کا معاملہ تو بڑا ہی پُر خطر تھا' لیکن جب آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں بھی ایک کافر کی خدمات حاصل کر لیں تو اس سے واضح ہوا کہ کسی کے کافر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس پر کسی معاملہ میں بھی بھروسہ نہ کیا جائے۔ جو علماء اس کے قائل ہیں ان میں سے اکثر کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کا امام جنگی معاملات میں غیر مسلموں اور خاص طور سے اہل کتاب کا تعاون حاصل کر سکتا ہے۔ اور ایسی صورت میں مسلمانوں کی طرح ان کا حصہ بھی مالِ غنیمت میں مقرر کر سکتا ہے۔

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے بعض یہودیوں سے جنگ کے موقع پر تعاون حاصل کیا تھا اور ان کے لیے مالِ غنیمت میں حصہ مقرر کیا تھا۔ اور صفوان بن امیہ' نبی ﷺ کے ساتھ غزوہ حنین میں شریک ہوئے حالانکہ اس وقت وہ مشرک تھے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ جس کا تعاون حاصل کیا جائے اس کے بارے میں مسلمانوں کی رائے اچھی ہو۔ اگر مسلمانوں کو اس پر بھروسہ نہ ہو تو ایسے شخص کا تعاون حاصل کرنا جائز نہ ہوگا' کیونکہ جب ہم کسی ایسے مسلمان کا تعاون حاصل کرنے سے احتراز کرتے ہیں جو لوگوں کو خوفزدہ کرتا ہو یا افواہیں پھیلاتا ہو، تو کافر سے بدرجہ اولیٰ احتراز کرنا چاہیے۔ ❷

مسلمان کا غیر مسلم کو ہدیہ دینا' اس کا ہدیہ قبول کرنا اور اس کے بدلہ میں ہدیہ دینا جائز ہے' چنانچہ نبی ﷺ نے غیر مسلم بادشاہوں کے ہدیے قبول فرمائے تھے۔ ❸ ❹

❶ سیرة ابن هشام (۲/ ۱۱۲) مستدرك حاكم (۳/ ۸) هو عند البخاري' في كتاب مناقب الانصار: باب هجرة النبي ﷺ واصحابه الى المدينة' ح: ۳۹۰۵' ولكن ليس فيه تبيين اسمه۔

❷ المغني۔ ج۸' ص ٤١ .

❸ مسند احمد بن حنبل، ۱/ ۹۲، ۱٤٥؛ جامع ترمذی، كتاب السير، باب ما جاء في قبول هدايا المشركين؛ رقم الحديث: ۱۵۷٦؛ مسند بزار رقم الحديث: ۷۷۸؛ وله شواهد عند البخاری فی كتاب الهبة، باب قبول الهدية من المشركين، رقم الحديث: ۲۲۱۵، ۲٦۱٦ .

❹ مسند احمد(۱/ ۹٦۔۱٤٥) ۔ ترمذی' كتاب السير: باب ماجاء في قبول هدايا المشركين' ح/ ۱۵۷٦ ۔ وللحديث شواهد عند البخاری فی كتاب الهبة: باب قبول الهدية من المشركين' ح: ۲٦۱۵'۲٦۱٦ وغيره ۔

حدیث کے حفاظ کہتے ہیں: ''ایسی حدیثیں بہ کثرت ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کفار کا ہدیہ قبول فرماتے تھے۔ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''نجاشی نے مجھے ایک کپڑے کا جوڑا اور ریشم بھیجا ہے۔'' ❶

اسلام انسان کا انسان ہونے کی حیثیت سے احترام کرتا ہے۔ اور اگرچہ وہ اہل کتاب میں سے ہو نیز معاہد یا ذمی بھی ہو، تو ایسا شخص اسلام کی نظر میں کہیں زیادہ لائق احترام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ جانے لگا تو آپ ﷺ اس کے لیے کھڑے ہو گئے۔ عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! یہ یہودی کا جنازہ ہے۔ فرمایا: ''کیا وہ انسان نہیں ہے؟'' ❷

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں ہر انسان لائق احترام ہے اور ہر ایک کا بحیثیت انسان ایک مقام ہے۔

اسلام کی رحمتِ عامہ جانوروں کو بھی شامل ہے:

غیر مسلموں کے ساتھ بدسلوکی اور اذیت دہی کس طرح جائز ہو سکتی ہے' جبکہ اسلام ہر ذی روح پر رحم کرنے کی ہدایت کرتا ہے یہاں تک کہ بے زبان جانور کے ساتھ بھی سنگدلانہ برتاؤ ناپسندیدہ عمل ہے۔

اسلام نے تیرہ سو سال پہلے جانوروں کے ساتھ نرمی برتنے کی تعلیم دی تھی۔ اس کے نزدیک جانوروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، ایمان کی ایک شاخ ہے اور ان کو اذیت پہنچانا اور سنگدلی برتنا، یہ عمل آدمی کو دوزخ کا مستحق بناتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک واقعہ سنایا' کہ ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی شدت سے بے دم ہو رہا تھا' وہ شخص یہ دیکھ کر خود کنویں میں اتر گیا اور اپنے موزے میں پانی بھر کر لایا اور اس کتے کو پلا دیا' یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گیا۔ آپ ﷺ

❶ مسند احمد(٦/ ٤٠٤) صحیح ابن حبان (٧/ ٢٨٦) واسنادہ ضعیف۔

❷ بخاری' کتاب الجنائز: باب من قام للجنازة یهودی' ح: ١٣١٢۔ مسلم' کتاب الجنائز: باب القیام للجنازة: ح: ٩٦١۔

نے فرمایا: "اللہ نے اس کی اس خدمت گزاری کی قدر کی اور اس کی مغفرت فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہمارے لیے جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں بھی اجر ہے؟ فرمایا:

((فِيْ كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ .)) ❶

"ہر تر جگر (جاندار) کے ساتھ حسن سلوک کرنا باعث اجر ہے۔"

اس روشن نیک پہلو کے ساتھ جو مغفرت اور رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے، نبی کریم ﷺ نے دوسرے پہلو کی بھی نشاندہی فرمائی ہے' جو اللہ کے غضب اور اس کے عذاب کا موجب ہے۔

فرمایا:

((دَخَلَتِ امْرَاَةٌ النَّارَ فِيْ هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا فَلَا هِيَ اَطْعَمَتْهَا وَلَا هِيَ تَرَكَتْهَا تَاْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ۔)) ❷

"ایک عورت کو اس وجہ سے آگ میں داخل کر دیا گیا کہ اس نے ایک بلی کو بند کر رکھا تھا۔ نہ اسے کچھ کھلاتی تھی اور نہ کھلا چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے ہی کھالے۔"

حیوان کی حیوانیت کا احترام بھی آپ ﷺ اس درجہ فرماتے تھے کہ گدھے کے چہرہ پر داغ دینا بھی گوارا نہیں فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک گدھے کو دیکھا جس کے چہرہ پر داغ دیا گیا تھا تو بڑی ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا:

((وَاللّٰهِ لَا اَسِمُهٗ اِلَّا فِيْ اَقْصٰى شَيْءٍ مِنَ الْوَجْهِ)) ❸

"واللہ میں تو چہرہ کو چھوڑ کر بہت دور داغ دیتا ہوں۔"

---

❶ بخاری' کتاب المساقاة: باب فضل سقی الماء' ح:۲۳۶۳۔ مسلم' کتاب السلام: باب فضل سقی البهائم المحترمة' ح:۲۲۴۴۔

❷ بخاری' کتاب المساقاة: باب فضل سقی الماء' ح:۲۳۶۵۔مسلم' کتاب السلام: باب تحریم قتل الهرة' ح:۲۲۴۲۔

❸ مسلم' کتاب الآداب: باب النهی عن ضرب الحیوان فی وجهه ح:۲۱۱۸۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک گدھا آپ ﷺ کے سامنے سے گزرا جس کے چہرہ پر داغ دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

((اَمَا بَلَغَكُمْ اَنِّي لَعَنْتُ مَنْ وَسَمَ الْبَهِيمَةَ فِي وَجْهِهَا اَوْضَرَبَهَا فِي وَجْهِهَا)) ❶

''کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو جانور کے چہرہ پر داغ دے یا اس کے چہرہ پر مارے۔''

اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے تیر اندازی سیکھنے کے لیے مرغی کو ہدف بنایا ہوا ہے تو آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا:

((اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ مَنِ اتَّخَذَ شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا)) ❷

''نبی ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے، جو کسی ذی روح کو (نشانہ بازی کے لیے) ہدف بنالے۔''

اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ)) ❸

''نبی ﷺ نے جانوروں کو مقابلہ بازی میں لڑانے سے منع فرمایا ہے۔''

((اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ اِخْصَاءِ الْبَهَائِمِ نَهْيًا شَدِيدًا)) ❹

---

❶ ابوداود' کتاب الجهاد : باب النهى عن الوسم فى الوجه' ح:٢٥٦٤ وهو عند مسلم فى صحيحه(٢١١٧) مختصراً۔

❷ بخاری' کتاب الذبائح: باب مایکره من المثلة والمصبورة' ح:٥٥١٥' مسلم' کتاب الصيد: باب النهى عن صبر البهائم' ح/ ١٩٥٨۔ واللفظ له۔

❸ ابوداود' کتاب الجهاد: باب فی التحريش بين البهائم' ح:٢٥٦٢۔ ترمذی' کتاب الجهاد: باب ماجاء فی كراهية التحريش بين البهائم' ح/ ١٧٠٨۔ واسناده ضعيف۔

❹ مجمع الزوائد (٥/ ٢٦٥) بحواله البزار (١٦٩٠) بیهقی فی السنن الكبرىٰ(١٠/ ٢٤) وللحديث شواهد.

''نبی ﷺ نے جانوروں کو خصی کرنے کی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔''

اہلِ جاہلیت جانوروں کے کان چیرا کرتے تھے۔ قرآن نے اس کی بھی مذمت کی اور اسے شیطانی وساوس سے تعبیر کیا۔

ذبیحہ کی بحث میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ اسلام اس بات کا کس قدر خواہاں ہے کہ ذبح کرنے کا زیادہ سے زیادہ راحت رساں طریقہ اختیار کر کے ذبیحہ کو آرام پہنچایا جائے' چنانچہ اس سلسلہ میں اسلام نے تیز چھری کو استعمال کرنے' اس کو جانور کی نظر سے چھپانے اور دوسرے جانوروں کے سامنے اس کو ذبح نہ کرنے کی ہدایت کی ہے۔

جانور پر اسلام کی اس درجہ عنایت و مہربانی جو تصور سے بالاتر ہے' ایک ایسی روشن حقیقت ہے کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔



ہماری ساری زندگی حرام و حلال کے گرد گھومتی ہے

ہر مسلمان کی زندگی حلال وحرام کے گرد ہی گھومتی ہے۔ حلال کیا ہے؟ جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہو اور حرام کیا ہے؟ جس سے اللہ اور اس کے آخری رسول نے منع فرما دیا۔ ذرا اندازہ کیجئے ہم حرام امور کا ارتکاب کر کے کتنے بڑے خسارے میں پڑ سکتے ہیں، حرام کھانے سے عبادات قبول نہیں ہوتیں اور حرام کیے گئے امور کے ارتکاب سے ہم اللہ کی ناراضی کا مستحق ٹھہرتے ہیں۔ جب حرام کھانے سے جسم حرام غذا کا عادی ہو جاتا ہے اور عبادات نامقبول و ضائع ہو جاتی ہیں تو انسان کے پلے رہ کیا جاتا ہے !!! کہ جس کی بنا پر وہ اخروی کامیابی کا طلبگار و خواہش مند بن سکے۔ یوں اس کی دنیا برباد، آخرت میں ناکامی و نامرادی اور جہنم کا ایندھن بننا مقدر ٹھہرتا ہے۔

آیئے!! ہم اپنی عبادات و معاملات کو حرام کی آمیزش سے بچا کر اللہ کریم کے غضب کا شکار ہونے سے بچ جائیں اور اپنی عبادات و اعمال صالح کو ضائع ہونے سے بچائیں۔ اللہ کی رضا حاصل کرنے...... جنتوں کے مالک بننے...... اللہ اور اس کے رسول کی ناراضی سے بچنے...... عبادات کو مقبول بنانے...... حلال اور حرام میں تمیز کرنے کے لیے ...... یہ کتاب ایک کسوٹی ہے، آج ہی اس کی دی گئی ہدایات کے مطابق پُرسکون زندگی گزار کر اللہ کریم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے اور اپنے ایمان کو حرام امور کے تباہ کن اثرات سے محفوظ کرنے کے لیے اس کتاب ''اسلام میں حلال وحرام'' کا مطالعہ کریں۔ اور کامیابی کی سیڑھیاں چڑھ کر فردوس کے بالاخانوں کے مقیم بن جائیں۔ ان شاء اللہ

محمد طاہر نقاش

دار الابلاغ
DARULIBLAGH
کتاب و سنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ